# داستانِ مومن

مصنف: محمد نواز مومن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

# داستانِ مومن

﴿اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کی بارش﴾

مرتبہ: محمد نواز مومن

# انتساب

☆ چچی جان غلام فاطمہ بی بی کے نام جن کے حوصلے اور صبر کی وجہ سے میری بیوی اور پھر میں احمدیت کے نور سے منور ہوئے۔

☆ بھجناں قوم کی ان نسلوں کے نام جو انشاء اللہ جلد احمدیت کے نور سے منور ہونگی۔

☆ ان مخلصین کے نام جنہوں نے مجھ جیسے پردیسی کی خدمت محض خدا کی خاطر عبادت سمجھ کر کی۔

☆ سندھ کے صحراؤں اور کشمیر کی وادیوں کے نام جنہوں نے خالق حقیقی کے ساتھ عجز و نیاز کا سلیقہ سکھایا۔


نام کتاب : داستانِ مومن

مصنف : محمد نواز مومن

سن تالیف : فروری 2010ء

کمپوزنگ : STM Composing
aqsood Azhar Gondal C/o
001-Finch Ave West 1302
Weston, Ont. M9M 3A9
Canada

# انڈیکس

# پیش لفظ

جب بھی میں کسی جماعت میں جاتا ہوں تو احباب جماعت پوچھتے ہیں کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ جب گاؤں کا نام بتایا جاتا ہے تو پوچھا جاتا ہے کہ وہاں کتنے گھرانے احمدی ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ کوئی بھی نہیں۔ میں وہاں سے اکیلا ہی احمدی ہوا تھا اور ربوہ آ گیا۔ تو لوگ ایمان کی مضبوطی کیلئے مجھ سے احمدیت قبول کرنے کا واقعہ سنانے کے لئے کہتے ہیں۔ سن کر کہتے ہیں کہ اپنے احمدی ہونے کے واقعات لکھیں اور کتاب چھپوائیں۔

ہم ایک نئے خاندان سے احمدی ہوئے تھے اور اپنا گاؤں اور گھر بار چھوڑ کر ربوہ آ گئے تھے اور میرے بچے بچیاں بھی کہتے تھے کہ آپ اپنے احمدی ہونے کے حالات چھپوائیں۔

میں نے احمدی لٹریچر کا مطالعہ اور تحقیق خدا تعالیٰ سے دعا بھی کی تھی۔ تو خوابوں کے ذریعے علم ہوا کہ حضرت امام مہدی حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ ہی ہیں۔ میرے احمدیت قبول کرنے کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ میں نے خیال کیا کہ اگر اپنے احمدی ہونے کے واقعات اور مباحثات کا ذکر بھی اس کتاب میں کر دیا جائے جو کہ عقلی دلائل پر مبنی ہیں، اس کا میرے بچوں اور میرے خاندان کے لوگوں پر اچھا اثر ہوگا جن کو بالآخر نور احمدیت سے منور ہونا ہی ہے۔ جب وہ میرے احمدی ہونے کا واقعہ پڑھیں گے تو میرے لئے دعا کریں گے اور یہ دلائل اور واقعات پڑھ کر ان کا ایمان مضبوط ہوگا۔ اس کے علاوہ جب میرے احمدی دوست پڑھیں گے تو ان کے ایمان کو تقویت ملے گی کیونکہ ان میں سے اکثر احباب پیدائشی احمدی ہیں اور ان کو علم نہیں کہ ان کے والدین کس طرح احمدی ہوئے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع الناس بنائے اور یہ کتاب دوسرے لوگوں کے باعث ہدایت ہو۔ آمین

کتاب تو میں نے لکھ دی۔ اس کے آگے مجھے علم نہیں تھا کہ اس کو کس طرح چھپوانا ممکن ہوگا۔ مختلف احباب سے پوچھتا رہا۔ بتایا گیا کہ پہلے اس کی مرکز سے اجازت لی جانی



محمد نواز مومن



ضروری ہے۔ چنانچہ میں نے سوچا اس کتاب کو کون طباعت کے قابل بنائے گا کہ اس کی اشاعت کی منظوری مل سکے۔ مکرم مغفور احمد صاحب منیب سابق مبلغ جاپان حال نائب ناظر اصلاح وارشاد مقامی کو اپنی اس پریشانی کا بتایا تو انہوں نے بڑی خوشی سے کہا کہ میں اس مسودے کو قابل اشاعت بنانے میں آپ کی مدد کروں گا۔ اپنی اس پریشانی کیلئے حضور انور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کی اشاعت میں بہت مشکل نظر آرہی ہے۔ مالی کمزوری بھی ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو چھپوانے کی توفیق اور سامان عطا فرمائے۔ چنانچہ حضور انور کے نام خط لکھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری تمام مشکلات خود بخود آسان ہو گئیں۔ مغفور احمد صاحب منیب نے فرمایا آپ کا قرآن مجید پڑھانے کا طریقہ اور محنت تو ہمارے مربیان کے لئے بھی قابل تقلید ہے۔ آپ ان واقعات کو ضرور طبع کروائیں اور کچھ باتوں کے لکھنے کی طرف توجہ دلائی جو کتاب کو مزید نکھار سکتی ہیں۔ یہ سن کر میرا دل تو خوشی سے لبریز ہو گیا ہے اور مجھے امید ہو گئی کہ اب اس کتاب کی اشاعت ممکن ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی تحریر کی طرز وہی رہنی چاہیے جیسے ہے۔ اس کو پروف ریڈنگ کی نظر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اسی میں قارئین کے لئے دلچسپی کا سامان ہے۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کام کرنے کی توفیق دی اور کتاب طبع ہونے کے لئے تیار ہے۔ ان کے ساتھ عرفان سعید بدر صاحب اور قمر الحق قریشی صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ نیز پروف ریڈنگ کے لئے مکرم محمد آصف خلیل صاحب کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین

**محمد نواز مومن**

معلم وقف جدید دھرگ میانہ ضلع نارووال — 445/10/01/10

فروری 2010ء

# مختصر خاندانی حالات

ہمارے خاندان کا تعلق مشہور قوم بھٹی سے ہے۔ جب سے پنڈی بھٹیاں کے علاقہ میں بھٹی قوم آباد ہوئی ہے انہی دنوں سے ہی ہمارے خاندان کے لوگ اس علاقہ میں آباد چلے آرہے ہیں۔ ہمارے خاندان کے لوگ پہلے گاؤں بدر علی میں رہتے تھے۔ جو پنڈی بھٹیاں سے چنیوٹ آتے ہوئے قریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔ یہ گاؤں پہلے آباد تھا۔ لیکن 1901ء میں جب نہر جھنگ برانچ جاری ہوئی تو لوگ ان دیہات کو چھوڑ کر نہری زمینوں پر چلے گئے۔ ہمارے خاندان کے لوگ بھی پنڈی بھٹیاں سے 16 کلومیٹر جنوب مغرب کی طرف نہر جھنگ برانچ سے قریباً 4 کلومیٹر دور جہاں ہمارے خاندان کی زمین تھی، وہاں جا کر اپنا گاؤں بنایا۔ اس زمانہ میں ہمارے خاندان کے سرکردہ بزرگ حکیم میاں بدرالدین صاحب تھے۔ جن کی مناسبت سے گاؤں کا نام کوٹ بدرالدین رکھا گیا۔

اس زمانہ میں اس علاقہ کے لوگ ان پڑھ تھے اور کئی کئی دیہات میں کوئی آدمی پڑھا لکھا نہیں ملتا تھا اس زمانہ میں میرے والد صاحب کے پڑدادا حکیم مولوی خدا بخش صاحب نے دینی اور طب یونانی کی تعلیم دہلی سے حاصل کی۔ اس کے بعد دینی اور طبی علم ہمارے خاندان کے دوسرے افراد نے بھی ان سے سیکھا۔ اور ہمارے خاندان کے لوگوں نے اس علاقہ میں دینی اور طبی خدمات سرانجام دیں۔ ہمارے خاندان کے بزرگ اس علاقہ کے مشہور حکیم تھے۔ دینی علم ہونے کی وجہ سے دوسری بھٹی قوم سے مختلف تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، تہجد گزار اور سادہ زندگی گزارنے والے تھے۔ طبی مہارت کمال کی تھی۔ مرض کی تشخیص اور علاج معالجہ کے ایسے واقعات بیان کئے جاتے ہیں کہ انہیں سن کر تعجب ہوتا ہے۔

ہمارے خاندان کے لوگ پنجابی شاعر اور طبی کتب کے مصنف بھی تھے۔ ان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی، فارسی، عربی گرائمر صرف ونحو، علم منطق اور علم نجوم کے

بھی ماہر تھے۔اس زمانہ کے مروجہ علوم ان کو حاصل تھے۔ہمارے خاندان میں ایسے بزرگ بھی ہوئے جن کے مرید سید خاندان کے لوگ بھی تھے۔اب بھی ہمارے خاندان میں پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہے۔اردگرد کے لوگ ہمارے خاندان کے لوگوں کو ان کی شرافت کی وجہ سے عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔اس زمانہ کے بگڑے ہوئے حالات میں بھی ہمارے خاندان میں نہ کوئی شرابی ہے اور نہ کوئی چور ہے اور نہ کوئی قاتل ہے۔آپس میں لوگ بڑے امن سے رہ رہے ہیں۔اب بھی چنیوٹ اور پنڈی کے گردونوح میں ہمارے خاندان کے لوگ دینی اور طبی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔میں نے لکھا ہے کہ ہمارے خاندان کے لوگوں کی قوم بھٹی ہے۔لیکن جس طرح قوموں کے لوگوں کی 'اَل' مشہور ہوتی ہیں۔جیسا کہ مغلوں کی 'اَل' مرزا ہے۔اسی طرح ہمارے خاندان کے لوگوں کی 'اَل' جو مشہور ہے وہ بھجناں ہے۔اس وجہ سے ہمارے خاندان کے لوگ قوم بھٹی المشہور بھجناں لکھتے ہیں۔یہ 'اَل' ہمارے خاندان کے بزرگ حکیم میاں ابراہیم صاحب جو میرے والد صاحب کے دادا تھے، کے تیز چلنے کی وجہ سے پڑگئی تھی۔اور پھر اس طرح مشہور ہوگئی کہ طبی کام کرنے والے حکیموں نے اپنے بورڈوں پر بھجناں لکھنا شروع کر دیا کہ ہمیں حکیم سمجھا جائے۔اس زمانہ میں دوسرے بھٹی خاندانوں کے پاس تحریری طور پر اپنے بھٹی ہونے کا شجرہ نسب نہیں ہے۔لیکن ہمارے خاندان کے پاس تحریری طور پر اور تاریخی حوالے سے بھٹی ہونے کا ثبوت موجود ہے۔

چنیوٹ میں ہمارے خاندان کے حکیم میاں محمد مصطفٰے بھجناں مشہور تھے۔ان کا دواخانہ مصطفٰے دواخانہ کے نام پر چنیوٹ میں ان کے پوتے تنویر احمد حکیم چلا رہے ہیں۔اس کے علاوہ چنیوٹ میں ہمارے رشتہ داروں کے دواخانے ہیں۔اسی طرح میرے خسر صاحب حکیم میاں محمد لطیف صاحب کا دواخانہ ہمارے دادا حکیم غلام حیدر صاحب کے نام پر حیدری شفاخانہ دارالاحسان میں ہے۔جو میرے چچا اور میری اہلیہ کے والد ہیں اور



ان کے بیٹے حکیم ڈاکٹر مختار احمد صاحب چلا رہے ہیں۔پاکستان بننے کے بعد ایلو پیتھک علاج کو عروج حاصل ہوگیا ہے اور دوسرے لوگ بھی علوم میں ترقی کر گئے ہیں اور جگہ جگہ ہسپتال بن گئے ہیں۔اس وجہ سے ہمارے خاندان کے لوگ پہلے کی طرح مشہور نہیں رہے لیکن اب بھی دینی اور طبی کام کر رہے ہیں۔میرے دادا حکیم میاں غلام حیدر صاحب بھی مشہور حکیم تھے۔ان کے چھ بیٹوں میں سے ایک بیٹا حکیم میاں محمد لطیف صاحب جو میرے چچا اور خسر صاحب ہیں۔وہ مولوی اور حکیم ہیں۔وہ اپنے عقیدہ کے مطابق بہت شریف ہیں۔اب 2009ء میں ان کی عمر پچاسی سال کے قریب ہے۔وہ پنجوقتہ نماز، نماز تہجد کے پابند اور اب تو اکثر قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔

ان کے علاوہ میرے والد صاحب اور چار دوسرے بھائی کھیتی باڑی کا کام کرتے رہے ہیں۔میرے والد صاحب محمد حسین صاحب بھی یہی کام کرتے تھے۔باوجود اس کے کہ کھیتی باڑی کا کام دین کی طرف توجہ کم کر دیتا ہے، لیکن وہ پنجوقتہ نماز کے پابند تھے اور روزانہ نماز تہجد ادا کرنے کے بعد سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے تھے۔اور سخت گرمیوں میں بھی روزہ کے پابند تھے۔وہ سکول میں تو پڑھے ہوئے نہ تھے۔ناظرہ قرآن پڑھا ہوا تھا۔اس کی تلاوت باقاعدگی سے کیا کرتے تھے۔قرآن کریم پڑھنے کی وجہ سے اردو اور پنجابی کتابیں پڑھ لیتے تھے۔پنجابی کتابیں یوسف زلیخا یا ہیر رانجھا پڑھنے کے لحاظ سے بہت مشکل ہے۔لیکن وہ ان کتابوں کو بڑی روانی اور خوبصورت طرز سے پڑھتے تھے۔

## میری پیدائش

میری پیدائش پاکستان بننے سے پہلے کی ہے۔میرا چھوٹا بھائی محمد ریاض بھی پاکستان بننے سے پہلے پیدا ہو چکا تھا، جو مجھ سے چار سال چھوٹا ہے۔میری پیدائش 1943ء میں ہوئی۔لیکن سکول کے سرٹیفکیٹ کے مطابق سن پیدائش 1946ء ہے۔ واللہ اعلم سکول داخل کراتے وقت دانستہ عمر کم لکھوائی گئی تھی۔والدین کے مطابق تو میرا سن پیدائش 1943ء ہے۔

میرے تین بھائیوں اور ایک بہن میں سے بہن فوت ہوگئی ہے۔ جبکہ تین بھائی اس وقت اپنے گاؤں میں رہتے ہیں۔

**تعلیم**

میری سکول کی تعلیم پرائمری تک ہے۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد مجھے مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے ایک دینی مدرسہ، مدرسۃ القیوم چک نمبر 119 بھلیر نزد سانگلہ ہل داخل کرایا گیا۔ وہاں میں نے تین سال تک دینی تعلیم حاصل کی۔ فارسی کتب میں کریما شیخ سعدیؒ، پند نامہ شیخ عطارؒ، گلستان اور بوستان شیخ سعدیؒ، ابواب الصرف، کتاب الصرف زرادی، ہدایت النحو اور قدوری پڑھیں۔ ان کے بعد ترجمۃ القرآن پڑھنے لگا تھا۔ مدرسہ کے طلباء کی اخلاقی حالت دیکھ کر مولوی بننے سے نفرت سی ہوگئی تھی۔

**غلطی سے ربوہ جانا**

وہ جمعہ کا روز تھا۔ مدرسہ کے لڑکوں نے میری جیب سے نقدی چرا لی۔ جب میں نے ان سے اپنی نقدی واپس مانگی تو اس بات پر جھگڑا ہوگیا۔ چنانچہ میں اپنا سامان اٹھا کر مدرسہ سے اپنے گھر روانہ ہوگیا۔ جب ہمارے استاد مولوی محمد صدیق صاحب کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے مجھے واپس لانے کے لئے میرے پیچھے لڑکے دوڑائے۔ لیکن میں واپس آنے پر آمادہ نہ تھا۔ لڑکوں کی زبردستی کوشش سے مجھے واپس لایا گیا۔ میں نے وہاں پڑھنے سے صاف انکار کردیا۔ چنانچہ انہوں نے میرا سامان وغیرہ وہیں رکھ لیا۔ میں مدرسہ سے نکل کر سانگلہ ہل چلا گیا تاکہ وہاں سے چنیوٹ جا کر اپنے رشتہ داروں کو مل کر وہیں کسی ادارے وغیرہ میں پڑھائی شروع کرسکوں۔ چنیوٹ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ چنیوٹ دریائے چناب کے دوسرے کنارے پر واقع ہے۔ لہٰذا میں چنیوٹ آنے کے لئے سانگلہ ہل سے ریل گاڑی پر سوار ہوگیا۔ جب ریل گاڑی چنیوٹ سے گزر گئی اور دریائے چناب کا پل بھی پار ہوگیا تو میں نے مسافروں سے پوچھا کہ کیا چنیوٹ آگیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ چنیوٹ تو گزر گیا ہے۔ گاڑی وہاں رکی تھی۔ پھر آپ کیوں نہ وہاں اترے؟ اب ربوہ آگیا ہے۔ آپ



ربوہ اتر کر واپس چنیوٹ جائیں۔ میں ربوہ ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہاں سے مجھے بیت المحمود (کوارٹرز تحریک جدید) نظر آئی۔ میں بیت المحمود آیا اور باجماعت نماز ادا کی اور بیت الذکر میں ہی رات گزارنے کا ارادہ کرلیا کہ اب صبح کو ہی واپس چنیوٹ جاؤں گا۔ چونکہ اکثر مسافر اس دور میں مساجد میں رات قیام کرلیا کرتے تھے۔ لہٰذا میں بھی اس بیت الذکر میں رک گیا۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد نمازی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ نہ میں نے کسی سے کھانے کا کہا اور نہ مجھ سے کسی نے کھانے کا پوچھا کہ آپ کس کے مہمان ہیں۔ نماز عشاء باجماعت ادا کی۔ نمازی اپنے گھروں کو چلے گئے اور میں بھوکا پیاسا ایک صف پر لیٹ گیا۔ بھوک نیند کیا آنی تھی۔ بہت پریشان ہوا کہ یہ اچھے لوگ ہیں کہ کسی نے مجھ سے پوچھا تک نہیں کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں۔ جب رات کے دس بجے تو ایک مکان سے ایک آدمی آیا اور مجھ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ اس پر میں نے اس آدمی کو سارا واقعہ سنا دیا۔ اس آدمی نے کہا کہ یہاں قریب ہی دارالضیافت ہے۔ آپ وہاں جا کر کھانا کھائیں اور رات بھی وہیں گزاریں۔ کیونکہ ہمارے ہاں اس طرح لوگ بیت الذکر میں نہیں رہتے۔ میں نے کہا مجھے تو علم نہیں کہ دارالضیافت کہاں ہے؟ اس پر اس آدمی نے کہا کہ ہم نے آج گھر میں گڑ والے چاول پکائے ہیں۔ آئیے میں آپ کو وہ کھلاتا ہوں۔ چنانچہ وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور گڑ والے چاول کھلائے اور پھر پوچھا کہ اگر آپ یہاں سونا چاہیں تو میں بستر لگا دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں بیت الذکر میں ہی رات گزار لیتا ہوں اور میں بیت الذکر آگیا۔ وہ رات میں نے بیت المحمود میں گزاری۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کی اور وہی آدمی دوبارہ میرے پاس آیا۔ میری خیریت پوچھی اور کرایہ وغیرہ کے بارہ میں پوچھا۔ میں نے کہا کہ میرے پاس کرایہ نہیں ہے۔ اس آدمی نے مجھے چار آنے دیئے اور میں چنیوٹ آگیا۔ چنیوٹ میں میں نے جن رشتہ داروں کو ملنا تھا، ان کا پتہ وغیرہ پوچھا لیکن وہ نہ مل

سکے۔ چنانچہ میں چنیوٹ سے پیدل چل کر اپنے گاؤں رات گئے پہنچا۔ ربوہ سے ہمارا گاؤں 25 میل کے فاصلہ پر تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ بھوکا پیاسا گھر پہنچا اور اپنے والد صاحب کو سب حال کہہ سنایا۔ والد صاحب نے بہت افسوس کیا اور اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ پڑھ لیتے تو اچھا تھا۔ میں نے کہا کہ میں تو کھیتی باڑی کا کام کروں گا۔ اس پر والد صاحب نے کہا کہ یہ کام تو پڑھنے کے بعد بھی کر سکتے تھے۔ یہ وقت گیا تو پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ اگر مدرسہ میں نہیں جانا تو طبی علم ہی حاصل کر لو۔ چنانچہ میں نے والد صاحب کے چچا حکیم مولوی فضل الٰہی صاحب کے پاس طب پڑھنا شروع کی۔ ساتھ ہی والد صاحب کے ساتھ کھیتی باڑی میں بھی ہاتھ بٹانے لگا۔ کام کے دوران سبق بھی پڑھتا جاتا تھا۔

## ایک پر اثر رؤیا

اس زمانہ میں امام مہدیؑ اور نزول عیسیٰؑ کا گھروں میں اکثر ذکر اس رنگ میں ہوتا تھا کہ امام مہدی چودھویں صدی میں آنے والے ہیں۔ ان کے آنے کا وقت قریب ہے۔ وہ چودھویں صدی ختم ہونے سے پہلے آئیں گے۔ میری عمر اس وقت قریباً تیرہ یا چودہ سال ہوگی۔ غالباً 1956ء کی بات ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک تانگہ کی پچھلی سیٹ پر سوار ہوں اور ایک سڑک پر جا رہا ہوں۔ اور میرے دل میں خیال ہے کہ سکھوں اور مسلمانوں کی لڑائی ہو رہی ہے۔ سکھوں کی بڑی بڑی داڑھیاں ہیں۔ مسلمانوں کی داڑھیاں نہیں ہیں۔ کیونکہ میری بھی اس وقت داڑھی نہیں تھی۔ اور میں خواب میں ڈرتا ہوں کہ اگر سکھوں کو پتہ چل گیا کہ میری داڑھی نہیں ہے اور یہ مسلمان ہے تو وہ مجھے گولی مار دیں گے۔ اس لئے میں نے اپنے منہ اور سر پر پگڑا اس طرح باندھا کہ انہیں میری داڑھی نہ ہونے کا پتہ نہ چل سکے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں زمین پر کھڑا ہوں اور میرا رخ جنوب کی طرف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دریائے چناب کے پل کی طرف ہے۔ اور جیسے ہی میری نگاہ مغرب کی طرف پڑتی ہے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ لال، سفید اور کالے رنگ کے گھوڑے ہیں جو مغرب



کی طرف سے آ رہے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ لشکر کس کا ہے۔ آواز آتی ہے کہ حضرت امام حسینؓ آ رہے ہیں۔ جب لشکر قریب آیا تو آواز آئی غلام محمد صاحب آ رہے ہیں۔ اور وہ لشکر میرے سامنے سے گزر کر مشرق کی طرف چلا گیا ہے۔ جب میں مشرق کی طرف دیکھتا ہوں تو میرے سامنے پانچ فٹ اونچا لکڑی کا ایک تخت پوش بن جاتا ہے اور اس پر ایک آدمی جس کا قد پانچ فٹ دس انچ کے قریب ہوگا، کھڑا ہو جاتا ہے۔ سفید لباس اور کالی داڑھی اور سر پر پگڑی باندھے ہوئے ہے۔ جب میں اس آدمی کی طرف دیکھتا ہوں تو اس کے چہرہ پر نور کا ہالہ نظر آتا ہے۔ خواب میں اس نور کی تیز روشنی کی وجہ سے میری آنکھیں بند ہوگئیں۔ دل میں خیال آیا کہ اگر امام مہدی اس طرح کا ہوگا تو میں مان لوں گا۔ اس کے بعد میں بیدار ہوگیا۔ والد صاحب تہجد ادا کر رہے تھے۔ میں نے اپنی رؤیا انہیں سنائی۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمارے پیر احمد شاہ کو دیکھا ہے۔ جو لکھی والی ضلع سرگودھا کے رہنے والے ہیں۔ میں نے کہا میاں جی! ان کو تو میں نے دیکھا ہوا ہے وہ تو ہمارے گھر آئے تھے۔ یہ تو میں نے امام مہدی کو دیکھا ہے۔

جب صبح ہوئی اور دن چڑھ آیا تو میں حکیم مولوی میاں فضل الٰہی صاحب کے پاس گیا ، جن کے پاس میں پڑھتا تھا۔ وہ بہت نیک اور بزرگ مانے جاتے تھے۔ میں نے انہیں بھی یہ خواب سنائی۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے مہدیؑ کو دیکھا ہے اور اس کا وقت بھی قریب ہے۔ جب کوئی ایسا آدمی دیکھیں جو امام مہدی کا دعویدار ہو تو اس کی بیعت کر لینا۔

## بھائی کی وفات پر عجیب کیفیت

میں نے ابھی پانچ چھ ماہ کی تعلیم ہی حاصل کی تھی کہ میرا سب سے چھوٹا بھائی ڈوب کر فوت ہوگیا۔ جس کی فوتگی پر مجھے بالکل رونا نہ آیا۔ لیکن غم کی وجہ سے خوف زدہ سا رہنے لگا۔

بھائی کی وفات کو دو تین ماہ ہی گزرے ہونگے کہ ایک لڑکا جس کی عمر سولہ سال تھی، ہمارے چچا نصر اللہ خاں صاحب کے دواخانہ میں لایا گیا۔ جس کو خناق کی بیماری تھی۔ اور

اسی وجہ سے وہ بیہوش تھا۔ گلا بند ہو جانے کی وجہ سے اس کے منہ سے جھاگ آ گئی تھی اور اس کی سانس مشکل سے چل رہی تھی۔ اچانک وہ ہمارے سامنے فوت ہو گیا۔ رات کو جب میں اپنے بستر پر سونے لگا تو مجھے وہ لڑکا یاد آ گیا۔ اور مجھے محسوس ہوا کہ میرا سانس بھی اسی طرح بند ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے میرا دل بہت تیز دھڑکنے لگا۔ اس کے بعد سے مجھے اکیلے نیند نہیں آتی تھی۔ خوف آتا تھا۔ میرے اپنے خاندان کے حکیموں نے میرا علاج کیا۔ تین ماہ کے بعد میری یہ ڈر کی کیفیت جاتی رہی اور میں ٹھیک ہو گیا۔ اس دوران میں نے طب کی پڑھائی چھوڑ دی اور والد صاحب کے ساتھ کھیتی باڑی مکمل طور پر شروع کر دی۔ میرے دوسرے بھائی بھی کچھ بڑے ہو گئے تھے۔ میں نے ایک کریانہ کی دوکان بنالی۔ اللہ کے فضل سے کاروبار اچھا چلنے لگا۔ میں کھیتی باڑی کا کام بڑے شوق سے کیا کرتا تھا۔

## گنٹھیا کے مرض سے شفاء

ایک دن میں اور ایک لڑکا دونوں سرسوں کا تیل اپنے جسم پر لگا کر ملتے رہے۔ اور پھر دوڑ لگائی۔ جب واپس آئے تو پسینہ آیا ہوا تھا اور دوڑنے کی وجہ سے سانس بھی چڑھا ہوا تھا۔ میں نلکے کے نیچے بیٹھ کر نہانے لگا۔ جس کی وجہ سے مجھے ''گرم سرد'' کا عارضہ ہو گیا۔ پہلے ٹخنوں میں دردیں شروع ہوئیں پھر سارے جسم میں پھیل گئیں۔ اور علاج میں بھی کچھ سستی ہو گئی۔ آہستہ آہستہ میرا جسم جکڑا گیا۔ اور گنٹھیا ہو گیا۔ اور بالکل چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا۔ پھر اپنے خاندان کے حکیم میرا علاج کرتے رہے۔ چھ ماہ کے بعد میں ٹھیک ہو گیا۔

میں اتنا ٹھیک ہو گیا تھا کہ 1965ء میں جب میری عمر 22 سال تھی میری چھلانگ کئی فٹ تک چلی جاتی تھی۔ 1966ء میں مَیں نے واپڈا میں ٹیوب ویل آپریٹر کے طور پر سرکاری نوکری کر لی۔ ڈیڑھ سال گھلے باجوے ضلع شیخوپورہ میں رہا۔ اپنے ہم عمر لڑکوں سے ورزشی مقابلے چھلانگ اور کلائی پکڑنے میں حصہ لیتا رہا اور بڑے بڑے جوانوں کی کلائی میں روک لیتا تھا۔ 1967ء میں میرا تبادلہ پنڈی بھٹیاں کے علاقہ میں ہو گیا۔ گرمیوں کے



دنوں میں وہاں دودھ ملا پانی پیتا رہا۔ جس کی وجہ سے دوبارہ گنٹھیا کی تکلیف ہو گئی۔ دیسی انگریزی دوائیں کھاتا رہا۔ آخر بیماری سے تنگ آ کر نوکری سے استعفیٰ دے دیا۔ اور پھر دوبارہ والد صاحب کے ساتھ ہی کھیتی باڑی کا کام کرنا شروع کر دیا۔

1970ء میں جب میری عمر 27 سال تھی میری شادی اپنے چچا کی بیٹی امتہ الحفیظ صاحبہ سے ہوئی۔ چچا چک نمبر 131 ر۔ب بھجوانہ میں امام مسجد تھے۔ حکمت کا کام بھی کرتے تھے۔ وہ اپنے گاؤں کوٹ بدرالدین سے 8 کلومیٹر کے فاصلے پر رہتے تھے۔

## احمدیت سے رابطہ

ہمارے خاندان میں اور تو کوئی احمدی نہیں تھا۔ میرے چچا حکیم محمد لطیف صاحب کی تین بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی حکیم میاں محمد مصطفےٰ صاحب چنیوٹ کی بہن تھی۔ جس سے ایک بیٹی اور ایک بیٹا پیداہ ہوئے۔ بیٹا فوت ہوا تو اس کے بعد اولاد نہ ہوئی اس وجہ سے چچا نے حکیم حسن دین صاحب جو کوٹ محمد یار نزد چنیوٹ کے رہنے والے تھے، ان کی بیٹی غلام فاطمہ صاحبہ سے دوسری شادی کر لی۔ ان سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ حکیم حسن دین صاحب احمدی تھے۔ ان کی بیوی ہمارے خاندان سے تھیں۔ وہ ہمارے چچا کی پھوپھی تھیں۔ احمدیت تو انہوں نے بھی قبول کر لی تھی لیکن اپنی بیٹی غلام فاطمہ جو احمدی تھی، میرے چچا حکیم محمد لطیف صاحب کو دے دی، جو احمدی نہ تھے۔ اس وجہ سے ہمارے چچا کی ایک بیوی احمدی تھی۔ اور وہ اپنے عقیدہ پر بڑی مضبوطی سے قائم رہیں۔ ان کا کام وہاں یہ تھا کہ وہ گاؤں کی بچیوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتی تھیں۔ وہ پنجوقتہ نماز کی پابند اور نماز تہجد باقاعدہ ادا کرتی تھیں اور نہایت شریف النفس تھیں۔ اسی وجہ سے گاؤں کے لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ وہ جماعت کی کتابیں، امام المتقین اور حضرت مولوی دلپذیر صاحب کی پنجابی کتابیں اور درثمین اور کلام محمود کی نظمیں بڑی خوش الحانی سے پڑھتی تھیں۔ میں جب کبھی شادی سے پہلے وہاں جاتا تو دیکھتا تھا کہ میری منگیتر امتہ الحفیظ صاحبہ کو چھوٹی عمر میں ہی نمازوں کی اور تہجد کی پابندی کرواتی تھیں۔ ان کو

اپنے ساتھ ہی صبح بیدار کرتی تھیں۔انہیں جماعت احمدیہ کی کتب پڑھاتی تھیں۔شادی کی عمر تک وہ بھی اپنی والدہ کی طرح منظوم کلام خوش الحانی سے پڑھا کرتی تھیں۔نیز عقیدہ احمدیہ پر مضبوطی سے قائم ہوگئی تھی۔چچا احمدی تو نہ تھے لیکن اپنی اہلیہ کو جماعتی کتب پڑھنے سے روکتے نہ تھے۔وہ جلسہ سالانہ ربوہ میں شرکت کرنے کے لئے ربوہ چلی جاتی تھیں۔ سارے گاؤں کو پتہ تھا کہ وہ احمدی ہیں۔لیکن ان کی دینی حالت دیکھ کر کہ یہ نیک ہیں اور بچیوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے وہ اسلامی ہے، ان کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔بلکہ چچی صاحبہ کی کوئی تکلیف دیکھتے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

چچا کی اس دوسری احمدی بیوی سے اولاد نرینہ نہ تھی۔اس وجہ سے انہوں نے چچا کو اپنی رضامندی سے کہہ دیا تھا کہ وہ شادی کرلیں۔ مجھے اس پر کوئی شکایت نہ ہوگی۔چنانچہ چچا نے تیسری شادی کرلی۔جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں تین بیٹے اور چھ بیٹیاں عطا فرمائیں۔ چچا کی تین بیویوں سے کل تین لڑکے اور آٹھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

## حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی مجلس میں

شادی سے قبل میں بھی احمدیت کی مخالفت نہیں کیا کرتا تھا۔جب کبھی میں احمدی چچی کے ہاں جاتا تو وہ کوئی کتاب پڑھنے کو دیتی تھیں۔میں بادل نخواستہ پڑھ لیتا تھا۔ایک دفعہ میں ان کے گاؤں گیا تو پتہ چلا کہ وہ جلسہ سالانہ پر ربوہ گئی ہوئی ہیں۔اس وقت میں سرکاری نوکری کرتا تھا۔میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی یہ جلسہ دیکھوں۔چنانچہ میں 1968ء میں غالباً جلسہ کے آخری دن ربوہ پہنچا۔جلسہ گاہ بیت الاقصیٰ کے سامنے تھی۔اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جلسہ میں تشریف لانے والے تھے۔جیسے ہی حضورؒ جلسہ گاہ کے سٹیج پر تشریف لائے، ان کا دمکتا ہوا نورانی چہرہ دور سے نظر آ رہا تھا۔جلسہ کی کاروائی تلاوت قرآن کریم سے شروع ہوئی۔پھر نظم پڑھی گئی اور پھر حضرت صاحب نے خطاب شرع کیا۔کلمہ شہادت اور سورۃ فاتحہ کہ تلاوت سنی جو بڑی سادگی اور



عاجزی سے کی گئی تھی۔دل گواہی دینے لگا کہ یہ شخص بے ریا اور معصوم ہے۔اور خدا کا نیک بندہ ہے۔ہم نے جو تلاوتیں سنی تھیں وہ ایسی ہوتی تھیں جو بڑی خوش الحانی سے کی جاتی تھیں اور ان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے خوبصورت آوازیں نکالتے ہیں۔لیکن حضرت صاحب کی تلاوت مجھ پر اثر کرنے لگی۔حضرت صاحب نے خطاب شرع کیا۔باتیں تو مجھے یاد نہیں حضرت صاحبؒ کی زبان سے جب اس طرح کے الفاظ سنے کہ لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں کافر کہتے ہیں۔جب ہمارے کانوں میں یہ آواز پہنچ چکی ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو ہمیں ان کی باتیں سنائی نہیں دیتیں۔یہ الفاظ حضور کی زبان سے اس طرح کے نکلے کہ حضور کی آواز بلند تھی۔یہ الفاظ سن کر میرا سارا جسم کانپنے لگا او رمجھے خیال آیا کہ لوگ کتنا جھوٹ بولتے ہیں کہ احمدی کلمہ لا الہ الا اللہ محمّد رسول اللہ نہیں پڑھتے اور یہ کہ محمدؐ کی جگہ احمد رسول اللہ پڑھتے ہیں۔حضرت صاحب کی باتیں میرے دل پر اثر کرنے لگیں اور دل گواہی دینے لگا کہ یہ لوگ سچے ہیں اور میرے دل میں خیال آیا کہ لوگ کہتے ہیں احمدیوں کی باتیں نہیں سننیں، دلوں پر اثر کرتی ہیں۔اسی وجہ سے لوگ احمدی ہو جاتے ہیں۔مجھے خوف آیا کہ میں اگر یہ باتیں سنتا رہا تو کہیں احمدی نہ ہو جاؤں۔چنانچہ میں اپنی سائیکل لے کر جلسہ گاہ سے نکل کر رات کو اپنے گاؤں پہنچ گیا۔حضرت صاحب کی باتیں کئی روز تک مجھے یاد رہیں اور میرے کانوں میں گونجتی رہیں۔

## احمدیت کی مخالفت

جب میری شادی ہوگئی اور میری بیوی ہمارے گاؤں کوٹ بدرالدین آگئیں اور وہ اپنے ساتھ جماعت احمدیہ کہ کتب بھی لائیں جو وہ پڑھتی رہتی تھیں۔اس پر گاؤں کے لوگوں نے کہنا شروع کردیا کہ یہ تو مرزائین ہے۔مرزائی کافر ہیں۔وہ مرزائیوں کی کتب پڑھتی رہتی ہے۔آپ روکتے نہیں۔دو فرقوں کا نکاح نہیں ہوتا۔آپ اسے کتابیں پڑھنے سے روکیں۔میں نے اپنی بیوی کو کتابیں

پڑھنے سے روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے کتابیں پڑھنی نہ چھوڑیں۔ جس پر ہم دونوں کا جھگڑا شروع ہو گیا اور اس سے نفرت ہوگئی۔ چنانچہ میں احمدیت کی مخالفت کرنے لگا۔ میں بیوی کو کتابیں پڑھتا دیکھ کر سخت تکلیف محسوس کرتا۔

میری بیوی اپنے میکے چک نمبر 131 ر۔ب بھچوآنہ گئی ہوئی تھیں۔ میرے والد صاحب اس کو لانے کے لئے جانے لگے تو میں نے انہیں کہا کہ آپ وہاں جا کر اس کو روکیں کہ وہ کتابیں یہاں لے کر نہ آئیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو میں یہاں ہرگز نہیں رہوں گا۔ میرے والد صاحب نے وہاں جا کر میری بیوی کی والدہ کو کہا کہ وہاں کتابیں پڑھنے کی وجہ سے جھگڑا وغیرہ ہوتا رہتا ہے لہذا اسے کتابیں وہاں لے جانے سے روکیں۔ اس پر میری بیوی کی والدہ صاحبہ نے انہیں کتابیں وہاں لے جانے سے روکا۔ میری بیوی گھر سے نکلتے ہوئے رونے لگیں۔ چچا کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ وہ رو رہی ہیں۔ وہ احمدی تو نہ تھے لیکن انہوں نے میرے والد صاحب کو کہا کہ کتابیں لیتے جاؤ، کتابیں پڑھنے میں کیا نقصان ہے۔ یہ وہاں کتابیں پڑھتی ہیں تو اس کا دل خوش رہتا ہے۔ چنانچہ میرے والد صاحب نے اس خیال سے کتابیں ساتھ لیں کہ گاؤں جا کر مجھے سمجھائیں گے کہ بہو کو کتابیں پڑھنے دو اور اس بات پر جھگڑا نہ کرو۔ جب والد صاحب گھر پہنچے تو عصر کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ وہ گھوڑی باندھ کر مسجد میں نماز پڑھنے چلے گئے۔ میری بیوی نے میرے سامنے کتابیں میز پر رکھیں اور برقعہ اتارا اور اپنی بڑی بہن کے گھر چلی گئی جو اس کی پہلی والدہ سے تھی۔ مجھے بیوی کو منع کرنے کے باوجود کتابیں لانے پر شدید غصہ آیا۔ چنانچہ میں نے وہ کتابیں لیں اور گھوڑی پر سوار ہو کر 8 کلومیٹر سفر طے کر کے گاؤں چک نمبر 131 ر۔ب بھچوآنہ اپنے سسرال پہنچ گیا اور بیوی کے والدین کو کہا کہ یہ کتابیں میں اسے نہ پڑھنے دونگا۔ جس پر چچا میرے ساتھ پہلے تو اس بات پر ناراض ہو کر لڑنے لگے اور یہ کہا کہ آپ کے علم میں تھا کہ اس لڑکی کی والدہ احمدی ہے۔ آپ پہلے بتا دیتے تو یہ رشتہ ہی نہ دیتا۔ اب



شادی کے بعد کیوں لڑائی جھگڑا شروع کر دیا ہے۔ اگر اس کو وہاں نہیں رکھنا تو میں صبح ہی جا کر اسے لے آوں گا۔ جب چچا نماز عشاء پڑھنے مسجد چلے گئے تو سب سے چھوٹی چچی جو ہمارے گاؤں سے تھیں اور میری والدہ صاحبہ کے ماموں کی بیٹی تھی، انہوں نے مجھے سمجھایا کہ لڑائی جھگڑا چھوڑو۔ قریبی رشتہ داری ہے۔ اگر یوں لڑائی جھگڑا بڑھتا گیا تو اس کا نتیجہ ہرگز اچھا نہ ہوگا۔ آپ یہ کتابیں ساتھ لے جاؤ اور اسے پڑھنے دو۔ اس کی والدہ احمدی ہے۔ وہ مر جائے گی۔ نہ ہم احمدی ہیں اور نہ آپ، وہ ربوہ نہ جائیگی۔ وہ بھی کتابیں وغیرہ پڑھنا چھوڑ دیگی۔ بچے ہو جائیں گے تو کتابیں پڑھنا چھوڑ دیگی۔ اس لئے ابھی فی الحال اسے کتابیں پڑھنے سے نہ روکیں۔

میں تو سمجھتا تھا کہ چچا تو احمدی نہیں ہیں اس وجہ سے وہ اپنی بیٹی کو کتابیں پڑھنے سے ضرور روکیں گے۔ لہذا اس پر یہ کتابیں پڑھنا چھوڑ دیں گی۔ لیکن چچا نے میرا ساتھ نہ دیا۔ چنانچہ میں وہ کتابیں لے کر واپس اپنے گاؤں آ گیا۔ وہ کتابیں اپنی بیوی کو دے دیں۔ مجھے غصہ اس بات پر آتا تھا کہ وہ کتابیں میرے سامنے پڑھتی تھیں۔ میرے دل میں اس کے لئے نفرت بڑھ گئی۔ میں نے سوچ لیا کہ اب میرا اور اس کا گزارہ مشکل ہو گیا ہے۔ میں گھر چھوڑ کر کہیں اور چلا جاتا ہوں۔ فیصل آباد جا کر روپیہ کما کر کہیں اور شادی کر لونگا۔ چنانچہ میں نے بیوی کو اس کے میکے چھوڑا اور خود فیصل آباد چلا گیا۔ سوچا وہاں کوئی نوکری کرونگا۔ میں سوائے کھیتی باڑی کے کوئی اور ہنر نہ جانتا تھا اور نہ ہی اتنی تعلیم تھی کہ کوئی اچھی نوکری مل سکے۔ فیصل آباد پہنچ کر میں نے ایک کمرہ کرایہ پر لیا اور نوکری کی تلاش کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد ایک کاٹن مل میں نوکری مل ہی گئی۔ شروع میں سکھلائی کی تنخواہ 52 روپے لگی۔ ایک ماہ تو میں کمرہ میں اکیلا رہا۔ ساتھ والے کمرہ میں چار لڑکے رہتے تھے پھر ان میں سے ایک لڑکا چلا گیا تو میں نے ان لڑکوں سے بات کی میری تنخواہ قلیل ہے۔ خرچہ پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے میں اس علیحدہ کمرے کا کرایہ برداشت نہیں کرسکتا۔ مہربانی کر کے مجھے بھی

اپنے ساتھ اس کمرہ میں رکھ لو۔ انہوں نے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ میں نے ان کے ساتھ ان کے کمرہ میں رہنا شروع کر دیا۔ ان لڑکوں میں سے دو تو چنیوٹ سے تھے۔ ایک شیعہ، ایک سنی اور ایک کا تعلق ربوہ سے تھا۔ ربوہ والے روم میٹ کا نام عظمت اللہ تھا۔ ان کا گھر دارالیمن میں تھا۔ بعد میں انہوں نے ربوہ میں اپنا آراء اور مشین لگا کر لکڑی کا وسیع کاروبار شروع کر لیا تھا۔

## عظمت اللہ سے مکالمہ

کمرہ جس میں مَیں رہتا تھا وہاں عظمت اللہ نے مجھے دعوت الی اللہ کرنی شروع کر دی۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے تبلیغ نہ کریں۔ میں تو احمدیت کی مخالفت میں گھر چھوڑ کر یہاں آ گیا ہوں۔ کمرہ میں رہنے والے دوسرے لڑکے ان پڑھ تھے مذہبی نہ تھے۔ ان کی ڈیوٹی اور کام ایک ہی تھا۔ عظمت اللہ ان کے استاد تھے۔ وہ روزانہ صبح چھ بجے ڈیوٹی پر جاتے اور دو پہر دو بجے واپس آتے تھے۔ میری ڈیوٹی بدلتی رہتی تھی۔ کبھی صبح چھ بجے سے دو پہر دو بجے تک اور کبھی دو پہر دو بجے سے رات دس بجے تک اسی طرح کبھی کبھی تو رات دس بجے سے صبح چھ بجے تک ڈیوٹی ہوا کرتی تھی۔ جب میری ڈیوٹی دو پہر دو بجے تا رات دس بجے ہوتی تو میرے کمرہ میں پہنچنے پر عظمت اللہ میرے لئے بھی روٹی پکا کر رکھتے اور مجھے کھانا خود پیش کیا کرتے تھے۔ پھر وہ مجھے دعوت الی اللہ شروع کر دیتے تھے۔ اس پر مجھے بہت تکلیف ہوتی تھی اور اس وجہ سے مجھے رات کو نیند نہ آتی تھی۔

ایک رات میں حسب معمول ڈیوٹی دے کر واپس آیا تو انہوں نے مجھے کھانا بھی کھلایا اور دعوت الی اللہ کرنا شروع کر دی۔ مجھے بہت غصہ آ گیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ میں نے اینٹ پکڑی اور عظمت اللہ کو مارنا چاہی۔ دوسرے لڑکوں نے مجھ سے اینٹ پکڑ لی اور لڑائی کرنے سے روکا۔ رات گزری صبح جمعہ کا دن تھا۔ عظمت اللہ ربوہ چلے گئے۔ اگلے دن ہفتہ کو وہ ربوہ سے ڈیوٹی پر پہنچے۔ ڈیوٹی دے کر اپنے کمرہ میں آئے جو محلہ امین آباد فیصل آباد میں



تھا۔ کیونکہ جمعہ کے دن ڈیوٹی بدلتی تھی۔ میری بھی ڈیوٹی بدل گئی۔ چنانچہ میں بھی اڑھائی تین بجے کے قریب کمرہ میں آ گیا۔ ہفتہ کا دن تھا۔ عظمت اللہ قرآن کریم لے کر بیٹھے تلاوت کر رہے تھے۔ میں بھی قریب ہی بیٹھا تھا۔ مجھے کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں۔ میں نے جواباً کہا کہ وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ عظمت اللہ نے قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ قرآن ہے اور میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ قرآن کریم سے حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر چلے جانے کا قرآن کریم سے ثابت کر دو تو میں احمدیت چھوڑ کر اس جماعت میں شامل ہو جاؤں گا جس کو آپ بہتر سمجھتے ہو۔ میں نے کہا مجھے تو علم نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کی آیت کس پارہ میں ہے۔ ہمارے رشتہ دار مولوی ہیں۔ میں ان سے پوچھ کر وہ آیت آپ کو دکھا دوں گا۔ وہ کہنے لگے قرآن کریم میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس میں لکھا ہو کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ چلے گئے ہیں۔ نماز عصر کا وقت تھا۔ قریب ہی مسجد تھی۔ وہاں سے اذان کی آواز آنا شروع ہو گئی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ مولوی صاحب روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں اور جمعہ بھی پڑھاتے ہیں۔ اچھے خاصے عالم معلوم ہوتے ہیں۔ میں ان سے حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر زندہ جانے کی آیت پوچھ کر عظمت اللہ کو دکھاؤں گا۔ میں نے عظمت اللہ کو کہا کہ میں ابھی مولوی صاحب سے حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کی آیت پوچھ کر آتا ہوں۔ اس پر عظمت اللہ نے کہا کہ مولویوں کا کام تو یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں احمدیوں کے ساتھ کھانا پینا، بولنا وغیرہ حرام ہے۔ نہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت ہے اور نہ وہ دکھا سکیں گے۔ میں وہاں سے اٹھ کر مسجد میں چلا گیا۔ وہاں مولوی صاحب کو بتایا کہ یہاں قریب ہی ایک کمرہ میں ایک احمدی رہتا ہے۔ وہ بہت تنگ کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں۔ آپ مجھے وہ آیت بتائیں جس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ چلے گئے ہیں۔ تاکہ وہ آیت میں اسے دکھا کر اسے راہ راست پر آنے کا کہوں۔

## حیات مسیح کی آیت پوچھنے پر جواب

مولوی صاحب نے کہا کہ ہمیں پتہ ہے یہاں ایک مرزائی رہتا ہے۔ ان کے ساتھ تو کھانا پینا جائز نہیں اور نہ اس کے ساتھ رہنا چاہیے۔ آپ اس طرح کریں کہ وہاں سے اپنا سامان لے کر کہیں اور چلے جائیں۔ مولوی صاحب کے جواب سے بہت افسوس ہوا کہ اب میں عظمت اللہ کو کیا جواب دونگا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ عظمت اللہ قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کا ثبوت دیدیں تو میں احمدیت چھوڑ دونگا۔ اپنا ایمان چھوڑنا تو بہت مشکل ہے۔ لیکن اس کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پورا یقین ہے کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے۔ اگر ان کو شک ہوتا تو وہ قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر یوں نہ کہتے۔

مولوی صاحب نے ایسی کوئی آیت نہ بتائی۔ وہی کہا جو عظمت اللہ نے پہلے بتا دیا تھا کہ مولوی کہتے ہیں کہ احمدیوں کے ساتھ کھانا، پینا اور بولنا حرام ہے اور مولوی صاحب نے کہا ہے کہ ان کے کمرہ سے سامان لے جا کر کہیں اور چلے جاؤ۔ اگر ان کو کسی ایسی آیت کا علم ہوتا تو ان کا حق تھا کہ وہ مجھے سمجھاتے اور میں عظمت اللہ کو پیش کرتا۔ میں پریشان ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر جانے کی کوئی آیت نہ ہو اور عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ موجود ہیں، غلط ہو۔

میں نے عظمت اللہ کو کہا کہ مولوی صاحب نے تو وہی بات کہی جو آپ کہہ رہے تھے۔ میں آپ کو اپنے رشتہ دار مولویوں سے آیت پوچھ کر آپ کو بتاؤں گا۔ عظمت اللہ نے پھر کہا کہ نہ کوئی آیت قرآن کریم میں ہے اور نہ ہی آپ دکھا سکتے ہیں۔ بہر حال مولوی صاحب کے جواب اور عظمت اللہ کے سوال کی وجہ سے میرے دل میں حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر زندہ جانے کے عقیدہ کے متعلق شک پیدا ہو گیا اور میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر زندہ جانے کا ثبوت تلاش کر کے عظمت اللہ کو پیش کرونگا۔



عظمت اللہ صاحب و نواز مومن



(داماد) بشارت احمد شیخ، احمد خاں (بھائی) نواز مومن، (داماد) عبدالشکور

## عظمت اللہ سے ایک اور مباحثہ

ہمارے گھر میں ایک کتاب ''احوال الآخرت'' ہوا کرتی تھی۔ جس میں امام مہدی کے ظہور کا ذکر تھا اور نشان بتائے گئے تھے اور اس میں حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر زندہ جانے اور آسمان سے اُترنے کا ذکر پڑھا ہوا تھا۔ لیکن مجھے اچھی طرح حوالہ یاد نہ تھا۔ میں نے وہ کتاب تلاش کی جو ایک دوکان سے مجھے مل گئی۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ اور سورۃ النساء کی آیت وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کے متعلق جو استدلال کیا گیا تھا، اچھی طرح ذہن نشین کرلیا اور یہ آیت عظمت اللہ کے سامنے پیش کی اور کہا کہ یہ وہ آیت ہے جو چھٹے پارے میں ہے، حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر جانے کا ثبوت دیتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ چلے گئے تھے اور جس شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا، وہ تو ایک یہودی تھا جس کی شکل خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ جیسی بنا دی تھی۔ جس کو صلیب دے کر مار دیا گیا تھا۔ لوگوں کو شبہ ہوگیا تھا کہ صلیب پر حضرت عیسیٰؑ کو چڑھا کر مار دیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر زندہ اٹھا لیا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے آسمان پر جانے کا ذکر کیا تھا۔ عظمت اللہ نے کہا کہ یہی وہ آیت ہے جس کے متعلق مسلمان علماء کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا ہے۔ لیکن آپ بتائیں کہ یہاں بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ یا کہ بل رفعه السماء ہے یعنی کیا یہ لکھا ہے کہ اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا یا آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ میں نے کہا کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ہے۔ یعنی اللہ نے اپنی طرف اُٹھا لیا۔ عظمت اللہ نے کہا کہ پھر اس آیت کا ترجمہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا۔ کیونکہ اس آیت میں سماء یعنی آسمان کا لفظ نہیں ہے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ہے۔ اگر رفع کے معنی اٹھائے جانے کے بھی کیے جائیں تو اس آیت کے یہ معنی ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

میں نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا ہے کہ میں نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی طرف

اُٹھالیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے آسمان پر اٹھالیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے۔ عظمت اللہ نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ زمین پر نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو بلا شبہ ہر جگہ موجود ہے۔ عظمت اللہ نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے تو یہ اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا کہ میں نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ اٹھالیا ہے تو یہ کس طرح سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھالیا ہے۔ عظمت اللہ نے مزید مجھے سمجھایا کہ اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھا کر مارنا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے کسی اور شخص کی شکل حضرت عیسیٰؑ جیسی بنا دی تا کہ یہودیوں کو علم نہ ہو سکے۔ اور یہودی یہ سمجھتے رہیں کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھالیا گیا ہوتا کہ یہودیوں کو علم نہ ہو سکے۔ تو ایسے عقیدہ پر کئی قسم کے اعتراض خدا تعالیٰ کی ذات پر پیدا ہوتے۔

1۔ خدا تعالیٰ نعوذ باللہ کمزور ہے۔ وہ یہودیوں سے حضرت عیسیٰؑ کو یہاں بچا نہیں سکتا تھا۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھالیا۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے۔ ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو اس دنیا میں بھی بچا سکتا تھا جس طرح دوسرے انبیاء کی مخالفت کے وقت حفاظت کرتا رہا ہے۔ پھر ہمارے پیارے رسول ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ تو تین سَو میل کا سفر طے کر کے مکہ سے مدینہ تک پیدل گئے۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے تو پھر عیسائیوں کی بات مان لینی چاہیے کہ حضرت عیسیٰؑ کا مقام حضرت نبی کریم ﷺ سے بلند ہے۔

2۔ یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ جو صلیب پر چڑھا کر مارا جائے یا قتل کیا جائے، وہ لعنتی موت مرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی اور کی شکل حضرت عیسیٰؑ جیسی بنا دی تھی اور یہودیوں نے اس کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا تھا اور ان کو یہ علم نہ ہو سکا کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ



چلے گئے ہیں اور وہ اب تک یہی سمجھ رہے ہیں کہ صلیب پر چڑھ کر فوت ہونے والے حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ تو اس کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ نعوذ باللہ یہودیوں کو گمراہ کرنے کی راہ اللہ تعالیٰ نے خود نکالی۔ کیونکہ وہ آج تک یہی سمجھ رہے ہیں کہ صلیب پر مرنے والے حضرت عیسیٰؑ تھے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰؑ خدا تعالیٰ کے نبی ہوتے تو وہ صلیب پر چڑھ کر کیوں مرتے؟ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ لوگوں کو گمراہ کرنے کے خود ایسے طریق اختیار کرے۔ عظمت اللہ کے دلائل سن کر میرے دل نے محسوس کیا کہ ان کے دلائل وزنی ہیں۔ پھر عظمت اللہ نے پوچھا کہ متوفی کے معنے کیا ہوتے ہیں؟ میں نے کہا کہ پاکیزہ موت کے۔ جس طرح کوئی عام آدمی مر جائے تو لوگ کہتے ہیں مر گیا۔ کوئی نیک آدمی مر جائے تو لوگ کہتے ہیں فوت ہو گیا۔ تو عظمت اللہ نے تیسرے پارے کی آیت اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ جو چودھویں رکوع میں ہے، نکال کر دکھائی۔ اور کہا کہ اس آیت میں اللہ نے حضرت عیسیٰؑ سے وعدہ فرمایا ہے کہ یہودی تجھے مار نہیں سکیں گے۔ میں خود تجھے وفات دوں گا۔ یعنی تیری وفات طبعی ہوگی اور تیرا اپنی طرف رفع کروں گا۔ یعنی تیرے درجات بلند کروں گا۔ تو رَافِعُکَ سے پہلے وعدہ مُتَوَفِّیْکَ کا تھا۔ اس لئے اللہ نے وعدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کا رفع کرنا تھا اور اللہ تعالیٰ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے صلیب سے بچا لیا تھا اور وہ وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور کشمیر کے علاقہ میں انہوں نے تبلیغ کی۔ صلیب کے واقعہ کے وقت حضرت عیسیٰؑ کی عمر 33 سال تھی۔ جبکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے 120 سال عمر پائی تھی۔ یہودی چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر مار کر ان کو لعنتی موت ثابت کیا جائے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق انی متوفیک کہ یقیناً میں تجھے خود وفات دوں گا۔ یہودی آپؑ کے قتل کرنے پر قادر نہیں ہونگے۔ اور آپؑ کے درجات کو کم نہیں کر سکیں گے۔ رافعک میں تیرے درجات کو بلند

کرونگا۔ تو یہاں رفع روحانی کا ذکر ہے۔ میں نے یہ آیت دیکھ کر اور عظمت اللہ کے استدلال سے سمجھ لیا کہ وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد رفع روحانی کی ہے۔

پھر عظمت اللہ نے ساتویں پارہ میں سورۃ مائدہ کا آخری رکوع نکال کر دیا۔ اور کہا کہ اس رکوع کا مطالعہ کریں اور مجھے اپنے ایمان سے بتائیں کہ کیا حضرت عیسیٰؑ کا اس رکوع میں جس طرح ذکر ہے کیا حضرت عیسیٰؑ دوبارہ اس دنیا میں آسکیں گے؟ میں نے سورۃ مائدہ کے آخری رکوع کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ میں حضرت عیسیٰؑ کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ وَ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو کہے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنالو۔ تو حضرت عیسیٰؑ اس کے جواب میں عرض کریں گے سُبْحَانَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں تھا۔ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو اس کا زیادہ علم تجھ کو ہوگا۔ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ تو میرے دل کی باتوں کو جانتا ہے اور میں تیرے دل کی باتوں کو نہیں جانتا۔ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ یقیناً تو غیبوں کے علم کو جانتا ہے۔ مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِہٖ میں نے ان کو کوئی ایسی بات نہیں کی مگر جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔ وَ کُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْد اور میں نگران تھا ان پر جب تک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگران تھا۔ اور تو ہر ایک چیز پر نگران ہے۔

جب میں نے ان آیات کا مطالعہ کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی موجودگی



میں ان کی قوم نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود نہیں بنایا تھا۔ اگر ان کی قوم ان کی موجودگی میں ان کو اور ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بناتے تو حضرت عیسیٰؑ کو اس کا علم ہونا چاہیے تھا۔ اور نہ ہی حضرت عیسیٰؑ نے ان کو ایسی تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنالو۔ وہ تو یہی کہتے رہے کہ میرا بھی رب اللہ ہے اور تمہارا بھی رب اللہ ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو قیامت کے دن تک ان کے بگڑنے کا کوئی علم نہیں۔ اگر وہ آسمان سے اتر کر اپنی قوم کے پاس آئے ہوتے تو ان کو علم ہو جانا چاہیے تھا کہ میری قوم نے مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنالیا ہے۔ کیونکہ آج کے زمانہ کے عیسائی بھی حضرت عیسیٰؑ کو اور ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ آنے والے مسیح کا کام کسر صلیب ہے۔ اگر وہ دنیا میں دوبارہ آتے تو ان کو علم ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ قیامت کے روز یہ فرما رہے ہیں کہ میں نگران تھا ان پر جب تک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگران تھا۔ اگر حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئے ہوتے تو ان کو چاہیے تھا کہ خدا تعالیٰ کو یہ جواب دیتے کہ اے خدا جب میں دوبارہ دنیا میں گیا تھا تو واقعی انہوں نے مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا ہوا تھا۔ لیکن میں نے انہیں سمجھایا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود نہ بناؤ۔ حضرت عیسیٰؑ کا یہ فرمانا کہ میں نگران تھا اپنی قوم کا جب تک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان کا نگران تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں نہیں آئے۔ اس کے علاوہ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی قوم کے بگڑنے سے پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں۔ اگر یہاں فلما توفیتنی کے معنی یہ نہ کئے جائیں کہ ''پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی'' تو حضرت عیسیٰؑ کی وفات بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ قیامت کے دن کا سوال اور جواب ہے جب سب انبیاء دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونگے۔ اگر اس وقت بھی حضرت

عیسیٰ ؑ یہ کہیں کہ جب تو نے مجھے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے اس کے بعد مجھے علم نہیں کہ میری قوم اس حالت میں تھی حضرت عیسیٰ ؑ کا واپس قوم میں آنا اور پھر حتمی طور پر وفات پانا بھی قیامت تک ثابت نہیں ہوتا۔

سورۃ مائدہ کا یہ رکوع جس کا میں نے ذکر کیا ہے، مطالعہ کرنے کے بعد میرا پورا یقین ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ ؑ فوت ہو چکے ہیں اور دوبارہ نہیں آئیں گے۔ میں نے عظمت اللہ کو کہا کہ اس رکوع سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ فوت ہو چکے ہیں اور عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ زندہ آسمان پر چلے گئے تھے۔ اور میرے دل میں کئی طرح کے خیال آنے شروع ہو گئے کہ حضرت عیسیٰ ؑ تو فوت ہو گئے ہیں اور وہ آسمان پر نہ گئے تھے۔ اور وہ آسمان سے کس طرح واپس آئیں گے؟ ایسا نہ ہو کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہو جن کو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ کی وفات کی خبر دی اور انہوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کی وفات کا ذکر کیا۔ دوسرے علماء تو یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ ؑ آسمان پر زندہ ہیں۔ اور وہ آسمان سے اتریں گے۔ وہ تو درست نہیں نکلا۔ دوسری طرف یہ بھی خیال آتا کہ حضرت مرزا صاحب کس طرح امام مہدی بن گئے؟ ان کو امام مہدی ماننے کیلئے یقین نہیں آرہا تھا۔ اور سخت پریشانی کا عالم تھا کہ اگر حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہوا اور میں اس پر ایمان نہ لایا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ اسی طرح اگر مرزا صاحب کا دعویٰ سچا نہ ہوا تو ایمان لانے پر گمراہ ہو جاؤں گا۔ اس وجہ سے میں سخت پریشانی میں مبتلا ہوگیا اور بے چینی کی کیفیت ہوئی۔ ہر وقت یہی سوچتا رہتا تھا۔ نیند بھی نہ آتی تھی۔ ذہن میں خیال آتا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کون ہے جو سیدھا رستہ بتائے۔ چنانچہ میں نے اپنی نمازوں میں اور خاص کر نماز تہجد میں گڑگڑا کر خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنا شروع کر دیں کہ اے خدا مجھے تو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہے۔ اگر ان کا دعویٰ سچا ہے تو مجھ پر ان کی سچائی کھول دے اور اے خدا اگر وہ سچے نہیں ہیں تو مجھے اُن پر ایمان لانے سے بچالے۔



## ایک رویاء جس سے صداقت پر یقین ہوگیا

ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مرزا صاحب نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا ہوا ہے اور مجھے پیار کر رہے ہیں۔ خواب میں میں ان کا چہرہ نہ دیکھ سکا ۔ کیونکہ گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرا منہ بھی مشرق کی طرف تھا میرے دل میں خیال تھا کہ حضرت مرزا صاحب امام مہدی ہیں اور مجھے بیٹوں کی طرح پیار کر رہے ہیں۔ بیدار ہوا تو تہجد کا وقت تھا۔ اس وقت تو سمجھ نہ تھی لیکن بیشک خدا تعالیٰ مجھ جیسے بیکار اور کسی نہ کام کے بندوں پر بھی اپنے فضل کے چھینٹے پھینک دیتا ہے۔

## احمدی لٹریچر کا مطالعہ

عظمت اللہ نے ربوہ سے کچھ لٹریچر لا کر مجھے دیا۔ جس میں سے ''نزول المسیح'' از قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری، ''تذکرۃ الشہادتین'' از حضرت مسیح موعود ؑ ''امام مہدی کا ظہور'' از اسد اللہ صاحب کاشمیری، ''ہماری تعلیم'' اور ''احمدیت کا پیغام'' شامل تھے۔ ان کتابچوں کو میں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ ڈیوٹی سے واپسی پر ان کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتا رہا اور یہ دعا بھی کرتا جاتا کہ اے خدا مجھے سیدھا راستہ دکھا۔ یہ کتابیں پڑھنے کی وجہ سے مجھے اختلافی مسائل کا پتہ چلنے لگا۔ نیز حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کا بھی ادراک ہوا کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ مثیلِ مسیح کا کیا ہے۔ کہاں وہ حالت کہ بیوی کو لٹریچر پڑھنے کی وجہ سے اس کا گھر چھوڑ آیا تھا اور کہاں یہ دن کہ لٹریچر پڑھنے کی جستجو اور پیاس بڑھنے لگی۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی وفات کا یقین مجھے ہوگیا تھا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور آسمان پر زندہ نہیں ہیں۔ اور جو آسمان پر زندہ ہی نہیں تو وہ واپس کس طرح آئیں گے۔ یہ مسئلہ سمجھنا بہت مشکل تھا۔ کیونکہ ہمارا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ ؑ آسمان سے آئیں گے اور امام مہدی پیدا ہونگے۔ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ ؑ دو وجود ہیں۔ اب حقیقت کھلی کہ عیسیٰ ؑ اور مہدی ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔

## عیسیٰ ابن مریم کے نزول کے عقیدہ کی وجہ

کتابچے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے آسمان پر جانے کا

عقیدہ مسلمانوں میں اس طرح آیا کہ احادیث میں حضرت عیسیٰؑ کے نازل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ جس طرح صحیح بخاری میں یہ حدیث آئی ہے کَیۡفَ اَنۡتُمۡ اِذَا نَزَلَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اِمَامُکُمۡ مِنۡکُمۡ کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب عیسیٰ بن مریم تم میں نازل ہوگا اور تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ کیونکہ احادیث میں نازل ہونے کا بھی ذکر تھا اور حضرت عیسیٰؑ کا نام بھی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے تھے۔ یہی عقیدہ عیسائیوں کا بھی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ بھی یہ فرماتے رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نازل ہونگے تو یہ بات لازمی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اس وجہ سے مسلمانوں میں حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر زندہ ہونے کا عقیدہ آیا۔ اور انہوں نے بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ''اللہ نے اسے آسمان پر اٹھا لیا''۔ ورنہ حضرت عیسیٰؑ تو فوت ہو چکے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ کو خدا تعالیٰ نے بتایا کہ وہ عیسیٰ تو فوت ہو چکے ہیں جس کے متعلق مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں۔ آنے والا امت محمدیہ کا فرد ہے۔ جس کا نام حضرت نبی کریم ﷺ نے پہلے مسیح کے ساتھ بعض مشابہتوں کی وجہ سے عیسیٰؑ ابن مریم رکھا اور ''تذکرۃ الشہادتین'' میں حضرت مرزا صاحب نے ان مشابہتوں کا ذکر فرمایا ہے جو مسیح موسوی اور مسیح محمدی میں پائی جاتی تھیں۔ اس لئے مجھے مماثلت کے مسئلہ کی بھی سمجھ آ گئی۔ لیکن ابھی تک حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے متعلق بعض وساوس کی وجہ سے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آپ واقعی امام مہدی اور مسیح موعودؑ ہیں۔

## احمدیہ لٹریچر اور دعاؤں کا نتیجہ

میں کتابوں کو بھی پڑھتا رہا اور ساتھ دعاؤں میں بھی لگا رہا۔ اللہ تعالیٰ رہنمائی کر رہا تھا۔ کبھی خیال حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے متعلق درست ہو جاتا۔ کبھی رکاوٹ پیدا ہو جاتی کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ پر کئی قسم کے غیر از جماعت مولوی الزام لگاتے تھے، وہ بھی میرے ذہن میں



تھے۔ لیکن ہر آن حضرت مسیح موعود کی صداقت کی طرف ایمان بڑھ رہا تھا۔ اور جب کبھی رکاوٹ پڑتی تو پریشان ہو جاتا تھا۔

ایک دن میں حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ''تذکرۃ الشہادتین'' کا مطالعہ کر رہا تھا تو مجھے خیال آیا کہ مرزا صاحب اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے اور ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ مرزا صاحب تو بہت بڑے عالم تھے مگر مولوی کہتے ہیں کہ ان کا دماغ چل گیا تھا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں بہت پریشان ہو گیا۔ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ یکبار میرے دماغ میں خیال آیا کہ اگر یہ بات درست ہے تو ایسی کتابیں کس طرح لکھ سکتے تھے۔ جن کو پڑھ کر غیر احمدی علماء بھی کہتے ہیں کہ مرزا صاحب بڑے عالم تھے۔

دوسرا خیال یہ آیا کہ اگر مرزا صاحب کی دماغی صلاحتیں درست تھیں تو وہ جھوٹا دعویٰ کس طرح کر سکتے تھے کہ وہ اتنے بڑے عالم تھے۔ ان کو بھی علم تھا کہ امام مہدی کا ظہور چودھویں صدی میں ہوگا اور لوگ انتظار کر رہے تھے۔ میرے جھوٹا دعویٰ کرنے کے بعد اگر سچا امام مہدی آ جائے تو میرا کیا حشر ہوگا۔ تو ایسی حالت میں مرزا صاحب کو سخت خوفزدہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ان کی تحریروں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ خدا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور ان کے دل میں ایسا کوئی خوف نہیں ہے اور ان کی تحریروں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی سچائی پر یقین تھا۔ تو یہ خیالات آنے سے میرے دل سے یہ خدشہ دور ہو گیا کہ مرزا صاحب کی دماغی صلاحتیں کمزور تھیں۔

## وساوس کا جواب رؤیا میں

دوسرے دن میرے دل میں خیال آیا کہ مخالف کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب سچے ہوتے تو ان کی وفات بستر پر ہوتی۔ یہ خیال آتے ہی میں پریشان ہو گیا کیونکہ میرا ایمان حضرت مسیح موعودؑ کی سچائی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہا تھا اور میں دعائیں کر رہا تھا کہ آپؑ کی سچائی اللہ تعالیٰ مجھ پر ظاہر کر دے۔ چنانچہ جب رات ہوئی تو خواب میں مجھے آواز آئی کہ حضرت مرزا صاحب

فوت ہورہے۔ مجھے خواب میں خیال آتا ہے کہ دیکھنا چاہیے کہ حضرت مرزا صاحب کس طرح فوت ہوتے ہیں۔ میں نے خواب میں اپنے کمرہ سے شمال مشرق کی طرف چلنا شروع کردیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آگے چاردیواری ہے۔ مشرق مغرب کی طرف چوڑائی ہے اوراس کا دروازہ جنوب مغرب کی طرف ایک کونہ پر ہے۔ کیونکہ میں جنوب مغرب کی طرف سے شمال مشرق کی طرف جارہا تھا۔ جبکہ دروازہ جنوب مغرب کی طرف سے تھا۔ میں اپنا بایاں پاؤں دروازہ سے حویلی کے اندر رکھتا ہوں اور پھر دایاں پاؤں رکھتا ہوں اور پھر بایاں قدم اُٹھایا ہے۔ سامنے مجھے ایک مکان نظر آیا۔ اس کے آگے برآمدہ بھی تھا۔ صحن میں حضرت مرزا صاحب کا پلنگ تھا۔ میں نے دیکھا کہ سر شمال کی طرف اور پاؤں جنوب کی طرف ہیں اور پائنتی کی طرف کچھ مرد عورتیں کھڑے ہیں۔ جیسا کہ کسی مریض کے پاس بیٹھے ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ مجھے دیکھ کر اپنے سر اور ایڑیوں کے بل ذرا اوپر ہو کر کہنی کے سہارے میری طرف منہ کرتے ہیں اور آپ کے چہرہ سے نور کی شعاع نکلی جو میری طرف آئی۔ وہ اتنی تیز تھی کہ میری آنکھیں بند ہوگئیں اور میں خواب سے بیدار ہوگیا۔ یہ خواب دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حضرت مرزا صاحب کی وفات کا نظارہ اس لئے دکھایا ہے تا کہ میرے دل سے یہ خیال نکل جائے جو مخالفین نے پھیلایا ہوا ہے۔ اس دن سے میرے دل سے یہ وسوسہ نکل گیا اور آپؑ کے نیک انجام کا مجھے مکمل یقین ہوگیا۔

## سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت

اس وقت اپنے گھر سے نکلے ہوئے مجھے چار ماہ گذر چکے تھے۔ نہ تو میں اپنے گاؤں گیا تھا اور نہ ہی سسرال۔ میں یہ ارادہ لے کر نکلا تھا کہ اب واپس نہ آؤنگا اور دوسری شادی کرونگا کیونکہ اپنی بیوی سے احمدیت کی مخالفت کی وجہ سے گھر چھوڑ کر آ گیا تھا۔ اب کتابیں پڑھنے اور خوابیں دیکھنے کی وجہ سے میرا دل قبول کر چکا تھا کہ احمدیت سچی ہے۔ حضرت مرزا صاحب ہی اس زمانہ کے لئے امام مہدی اور مسیح موعودؑ ہیں۔ لیکن ابھی تک میں نے بیعت نہیں کی تھی۔ اور



احمدیت کی صداقت اور مولویوں کے جھوٹے ہونے کے متعلق میں نے باتیں کرنا شروع کردیں۔ عظمت اللہ نے جب یہ دیکھا کہ یہ احمدیت قبول کرنے کے قریب آ گیا ہے تو وہ بیعت فارم لے آئے اور مجھے کہا کہ اسے پڑھو۔ اس میں کوئی دین حق کے خلاف بات تو نہیں ہے۔ میں نے بیعت فارم کی شرائط پڑھیں اور کہا کہ اس میں تو کوئی بات دین حق کے خلاف نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اس وقت آپ احمدی ہیں نہ غیر احمدی کیونکہ عقیدتاً آپ احمدی ہیں۔ اگر بیعت نہیں کریں گے تو احمدی نہیں ہونگے۔ درمیان میں جو آدمی ہوتا ہے وہ منافق ہوتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو وقت کے امام کی بیعت نہیں کرتا، اس کی موت جہالت کی موت ہے۔ میں نے کہا کہ بیعت فارم مجھے دو۔ میں نے فارم پُر کر کے احمدیت قبول کرلی ۔ الحمد اللہ

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

1971ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھے احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ میں گاؤں جا کر اپنے خاندان کے لوگوں کو بھی احمدیت کی تبلیغ کرتا ہوں۔

## احمدیت قبول کرنے کے بعد ایک عجیب رؤیا

احمدیت قبول کرنے کے بعد میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جس طرح مجھے علم ہوگیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہوگئے ہیں اور آنے والا مسیح موعودؑ اور مہدی موعود ایک ہی وجود کے دو نام ہیں جو امت محمدیہ کا ہی ایک فرد ہے۔ میں اپنے گاؤں جاتا ہوں اور ان کو وفات مسیح کی آیات قرآن کریم سے دکھاؤں گا۔ اور بتاؤں گا کہ جو عیسیٰؑ آنے والا تھا وہ کبھی نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کا مثیل آنے والا تھا اور وہ مرزا غلام احمد ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے گاؤں پر ایک جہاز اڑ رہا ہے۔ اور میرے پاس پستول ہے۔ میں جہاز کو گولی مار دیتا ہوں۔ جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر جاتا ہے۔ جہاز گرنے کی

وجہ سے لوگ میرے پیچھے پکڑنے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ چنانچہ میں یہ دیکھ کر آگے دوڑ پڑتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اندھیری رات ہے۔ پستول ایک ٹارچ کی شکل اختیار کر گیا اور وہ ٹارچ کی طرح روشنی کرنے لگی۔ میں اپنے گاؤں سے جنوب کی طرف دوڑ رہا ہوں اور میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ ٹارچ کی روشنی دیکھ کر لوگوں کو پتہ چل رہا ہے کہ میں کس طرف جا رہا ہوں۔ اور اس وجہ سے وہ میرے پیچھے پیچھے مجھے پکڑنے کے لئے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ اگر ٹارچ پھینک دونگا تو لوگوں سے چھپ سکوں گا۔ اس خیال سے میں نے ٹارچ کو پھینکنے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ ٹارچ بانٹے (شیشے کی چمکدار گولی) کی شکل اختیار کر کے میرے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر چھوٹی انگلی کے قریب چمکتی ہوئی چپک گئی۔ میں نے اس ہاتھ کو جھٹکا دیکر اس روشنی کو پھینکنا چاہا لیکن وہ روشنی ہاتھ سے گرتی نہیں اور میں دوڑتا جا رہا ہوں۔ آگے ایک مکان آتا ہے۔ جس کا مشرق کی طرف دروازہ ہے۔ میں اسی میں داخل ہو جاتا ہوں اس میں دو عورتیں ایک جوان اور ایک بوڑھی ہیں۔ میں مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوں اور گھبرا رہا ہوں کہ مکان کا ایک ہی دروازہ ہے۔ اگر لوگ یہاں پہنچ گئے تو میں کہاں سے نکل سکوں گا۔ اسی گھبراہٹ میں دیکھتا ہوں کہ جنوب مغرب کی طرف سے چھت کے قریب سے دیوار پھٹ جاتی ہے اور میں اپنے بازو ہلانے شروع کرتا ہوں، جیسا کہ کوئی پرندہ اڑنے کی کوشش کرتا ہے اور میں اڑتا ہوا اس پھٹی ہوئی دیوار میں سے ہو کر کمرہ سے نکلتا ہوا مغرب کی طرف اڑتا ہوا ایک اونچے ٹبہ پر جا اترا اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو لوگ بہت دور نظر آئے۔ اور خواب میں میری زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ اب وہ یہاں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

میں نے عظمت اللہ کو خواب سنائی۔ انہوں نے کہا کہ آپ احمدی ہو گئے۔۔ اور آپ لوگوں کو اپنے احمدی ہونے کا ذکر کریں گے۔ اس وجہ سے لوگ آپ کی مخالفت کریں گے۔ لوگ آپ کے پیچھے ہونگے اور آپ آگے۔ جو روشنی ہے وہ حضرت مسیح موعودؑ کی محبت



ہے، جو آپ کے دل میں داخل ہو چکی ہے۔ اگر آپ اس کو نکالنے کی کوشش بھی کریں گے تو وہ نہیں نکلے گی۔ اور یہ کہ خدا آپ کو دشمنوں کے بد منصوبوں سے بچائے گا۔

## گاؤں واپسی اور والد صاحب کی بے بسی

چار پانچ دن کے بعد میں فیصل آباد سے اپنے گھر روانہ ہوا۔ فیصل آباد، چنیوٹ سے پنڈی بھٹیاں جاتے ہوئے دولو والہ بس سٹاپ پر اترا۔ اس وقت سواری وغیرہ کا انتظام نہیں تھا۔ وہاں سے اپنے گاؤں پیدل روانہ ہوا۔ چھ میل سفر تھا اور گنٹھیا کی وجہ سے جسم میں دردیں بھی ہوتی تھیں۔ پیدل سفر کر کے نماز مغرب کے بعد اپنے گاؤں پہنچا۔ گھر پہنچا تو والدین گھر پر ہی تھے۔ والد صاحب چارپائی پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ دونوں نے پیار دیا۔ والدہ نے کہا اپنے والد کے پاس بیٹھ کر کھانا کھا لو۔ میں نے کھانا شروع کیا۔ پہلا لقمہ منہ میں ڈالتے ہی میں نے والد کو بتانا شروع کیا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ جس کا فلاں آیات میں ذکر ہے۔ اور وہ آیات سنانے لگا۔ میں چونکہ والد کا بڑا بیٹا تھا، اس وجہ سے وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ باقی اولاد سے بھی پیار کرتے تھے۔ کبھی کسی وجہ سے اولاد کو مارا نہ تھا۔ چنانچہ وہ میری ان باتوں کو سنتے رہے۔ جب میں نے کھانا ختم کر لیا تو وہ کہنے لگے کہ آپ تو مرزائی ہو گئے ہو۔ اس پر میں نے کہا کہ ان باتوں کا مرزائیوں سے کیا تعلق؟ میں تو آپ کو اس قرآن کریم کی باتیں بتا رہا ہوں جو آج سے چودہ سو سال قبل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ والد کہنے لگے کہ آپ کے مرزائی ہونے پر میں تو کچھ نہ کہوں گا لیکن ایک بات کہتا ہوں کہ یہ بات لوگوں کو نہ بتانا ورنہ وہ مخالفت کریں گے۔ میں اس معاملہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

## باواجی حکیم میاں فضل الٰہی صاحب سے مکالمہ

ایک تو اس وقت سفر کی تھکاوٹ اور گنٹھیا کی وجہ سے دردیں تھیں اور لڑکھڑاتا ہوا گھر پہنچا تھا۔ اور چھ میل کا سفر پیدل طے کیا تھا۔ دوسرا سردی کا موسم

تھا۔ چنانچہ میں سونے کے لئے لیٹ گیا اور کسی کو ملنے نہ گیا۔ لیکن ساری رات نیند بھی نہ آئی۔ طرح طرح کے خیالات آتے رہے۔ جیسے والد صاحب تو ان پڑھ ہیں، انہیں قرآن کریم کی آیات کا کیا علم؟ اگر کوئی پڑھا لکھا آدمی مل جائے تو سارا گاؤں احمدی ہو جائیگا۔

چنانچہ میرے خیال کی نظر مولوی حکیم میاں فضل الٰہی پر پڑی جو عالم دین اور مشہور حکیم تھے اور سارے خاندان میں نیک اور بزرگ مانے جاتے تھے۔ نیز سارا گاؤں ان کی عزت کرتا تھا۔ میں نے سوچا کہ صبح ان کے گھر جاؤنگا۔ چنانچہ میں صبح سویرے ہی ان کے گھر گیا۔ وہ نماز ادا کرنے کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے پیار دیا اور خیریت پوچھی۔ میں نے بتایا کہ فیصل آباد میں ایک کاٹن مل میں نوکری کرتا ہوں۔ مبلغ 150 روپے تنخواہ ہے۔ انہیں اس پر افسوس ہوا کیونکہ میں ان کے پاس طب کی تعلیم حاصل کرتا رہا تھا۔ لیکن پھر طب کو چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا کہنے لگے طب کا علم پڑھ لینے پر بھی آپ کو روپے مل ہی جاتے۔ آپ نے اسے ادھورا چھوڑ کر یہ نوکری اختیار کر لی۔

میں نے کہا باواجی میں فیصل آباد رہتا ہوں۔ وہاں ہمارے پاس ایک لڑکا احمدی رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں وہ فلاں آیات پیش کرتا ہے۔ آپ مجھے وہ آیت دکھائیں جس میں حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کا ذکر ہے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے اور کہا کہ چوتھے پارہ میں یہ آیت ہے کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (ال عمران) یعنی نہیں ہے محمدؐ مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں ان سے پہلے سب رسول۔ اس آیت میں حضرت نبی کریم ﷺ سے پہلے تمام رسول فوت ہونے کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بھی اس آیت میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ وہ چھ سو سال پہلے آئے تھے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو کیا حضرت عیسیٰؑ زندہ بیٹھے ہیں؟ حافظ لکھو والے نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہ شعر تحریر کیا ہے کہ



جیویں پیغمبر گزرے سارے زندہ رہیا نہ کوئی
تیویں محمدؐ رہے نہ دائم موت نبیاں سر ہوئی

یعنی جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو حضرت عیسیٰؑ زندہ بیٹھے ہیں۔

میں نے کہا کہ باواجی یہ سچی بات ہے وہ کہنے لگے ہاں۔ میں نے کہا کہ پھر تو حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ تیس آیات کے مطابق فوت ہو چکے ہیں اور وہ آسمان پر زندہ نہیں ہیں اور نہ وہ آسمان سے آئیں گے۔ آنے والا مسیح امت محمدیہ کا ایک فرد تھا۔ جس کا نام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مسیح کے ساتھ بعض مشابہتوں کی وجہ سے عیسیٰ ابن مریم رکھا ہے۔ جس طرح کسی دلیر آدمی کو شیر، سخی آدمی کو حاتم اور نیک آدمی کو فرشتہ کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح بعض مشابہتوں کی وجہ سے آنے والے امام کا نام نبی کریم ﷺ نے مسیح ابن مریم رکھا ہے اور وہ میں ہوں۔

باوا فضل الٰہی نے کہا کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو امام مہدی اور مسیح نہیں مانتے اور نہ ہی ہمیں مسیح کی ضرورت ہے۔ وہ آئے یا نہ آئے ہم امت محمدیہ ہیں اور ہم قرآن کریم پر عمل کرتے رہیں گے۔ باواجی نیک آدمی تھے۔ بعض اوقات حضرت مسیح موعودؑ کا فوٹو دیکھ کر کہہ دیتے تھے کہ نیک آدمی ہے۔ نیز کہتے تھے کہ ان کا منظوم کلام بہت شیریں ہے۔ وہ مخالفت نہ کرتے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ باواجی تو نہیں مانتے۔ اس وقت سورج نکل چکا تھا۔ میں نے ان کو السلام علیکم کہا اور گھر سے نکل کر باہر مسجد کے پاس آیا تو 10 سے 15 آدمی وہاں سردی سے بچنے کے لئے سورج کی دھوپ تاپ رہے تھے۔ وہ مجھے اچھی طرح ملے کیونکہ میں فیصل آباد سے چار ماہ کے بعد واپس آیا تھا اور سارا گاؤں ہمارے رشتہ داروں کا تھا کوئی غیر قوم وہاں نہیں رہتی تھی۔

### باواجی کی تصدیق

میں نے ان آدمیوں سے کہا کہ باواجی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں اور یہ آیت انہوں نے پڑھی ہے اور یہ شعر بھی

پڑھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اس پر وہ آدمی کہنے لگے کہ باوا جی کا یہ عقیدہ تو ہے ہی نہیں! ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد باوا جی بھی گھر سے باہر نکلے تو میں نے آگے بڑھ کر کہا کہ یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہیں۔ آپ ہی ان کو بتا دیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ اس پر انہوں نے سب کچھ اسی طرح بتا دیا۔ جس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا ذکر کیا تھا وہ لوگ کہنے لگے کہ باوا جی زیادہ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ان کا دماغ ٹھیک نہیں رہا۔ حضرت عیسیٰؑ تو آسمان پر زندہ ہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ تو فوت ہو گئے ہیں اور قرآن کریم کی تیس آیات سے یہ ثابت ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اگر یہ بات تُو کہتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تُو مرزائی ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں میں مرزائی ہو گیا ہوں اور چھوڑوں گا تب جب حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر جانا ثابت کرو گے۔ میرا یہ بات کہنا تھا کہ سب مجھے بُرا بھلا کہنے لگے۔

**احمدی ہونے پر مخالفت**

جب میں نے بتا دیا کہ میں احمدی ہو چکا ہوں تو یہ بات فوری طور پر سارے گاؤں میں پھیل گئی اور لوگ میرے ارد گرد اکٹھے ہو گئے اور میری مخالفت کرنے لگے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اسلام اور جماعت احمدیہ کے عقائد کے متعلق اعتراض کرنے لگے۔ میں ان کے ہر ایک اعتراض کا بڑے مدلّل طریقے سے جواب دیتا رہا۔ میرے جواب سُن کر گاؤں کے لوگ کہنے لگے کہ یہ پکا مرزائی ہو گیا ہے۔ کیونکہ مرزائیوں کو سوال جواب بہت آتے ہیں۔ میں احمدیہ لٹریچر کا اچھی طرح سے مطالعہ کر چکا تھا اور ان کے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا نیز اللہ کی مدد میرے شامل حال تھی۔ چنانچہ ان کے سوال کے بعد جب میں جواب دیتا تو وہ لاجواب ہو جاتے تھے۔

**والدہ کی اخلاقی جرأت اور دیگر رشتہ داروں کا ردعمل**

میرے گھر والوں کو تو میرے آنے کے بعد



رات کو ہی پتہ چل گیا تھا کہ میں احمدی ہو گیا ہوں۔ اور والد صاحب نے کہا تھا کہ اگر احمدی ہو گئے ہو تو کسی کو بتانا نہیں۔ جب والدہ کو پتہ چل گیا کہ میں نے سب کو بتا دیا ہے اور وہ لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ میری والدہ اور میرا ایک بھائی آئے۔ میری والدہ نے کہا کہ اگر احمدی ہو گیا ہے تو ہمارا بیٹا احمدی ہوا ہے۔ تمہارا کیا نقصان ہے؟ اور نہ ہم کسی سے مانگ کر کھاتے ہیں کہ تمہارا ہم پر احسان ہو۔ اگر کسی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اچھا نہیں ہوگا۔

والدہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر لے گئیں۔ لیکن مجھ پر ایسا جنون طاری تھا کہ میں پھر گھر سے نکل آیا اور لوگوں کو دعوت الی اللہ کرنے لگا۔ لوگ میرے گرد اکٹھے ہو جاتے اور احمدیت کے خلاف باتیں کرتے۔ اور میں ان کے جواب دیتا۔ بعض لوگ تو اس لئے بھی آتے کہ دیکھیں کہ وہ اب کس طرح کا ہو گیا ہے؟ میرے چچوں کی بیٹیاں تک مجھے دیکھنے آئیں کہ میں کس طرح کا ہو گیا ہوں۔ وہ مجھے دیکھ کر کہنے لگیں کہ ہم نے تو سنا تھا تو مرزائی ہو گیا ہے۔ تُو تو ویسے کا ویسا ہی ہے جس طرح پہلے تھا انہوں نے سمجھا کہ شاید احمدی ہونے کی وجہ سے میرا حلیہ بدل گیا ہوگا۔ میں نے کہا احمدی ہو جانے کی وجہ سے میرے سر پر سینگ تو نہیں لگ گئے۔ احمدی بھی انسان ہوتے ہیں۔ دو دن میں اپنے گاؤں میں رہا پھر فیصل آباد چلا گیا۔ پندرہ دن بعد آیا تو ہمارے خاندان میں جھگڑا پیدا ہو گیا اور آپس میں بے اتفاقی ہو گئی۔ میری مخالفت میں کچھ کمی آ گئی۔ میرے قریبی رشتہ دار جو ہمارے دادا کی اولاد تھی انہوں نے تو مجھے بلانا چھوڑ دیا۔ اور جس راستہ پر میں جا رہا ہوتا تھا، وہ راستہ چھوڑ دیتے تھے کہ ہمارے سامنے کیوں آ گیا ہے۔ دور کے رشتہ دار مخالفت بھی کرتے تھے لیکن بغل گیر بھی ہو جاتے تھے۔ میں جب بھی بولتا تھا تو کہتا تھا کہ میرے ساتھ قرآن پر بات کرو۔ اگر میں جھوٹا نکلا تو ضرور مخالفت کرو لیکن اگر سچا ہوا تو اس مخالفت کی کیا ضرورت ہے۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد میں فیصل آباد میں قریباً 5 ماہ ہی رہا۔ پھر نوکری چھوڑ کر اپنے گاؤں واپس آ گیا۔ والدین میرے احمدی ہونے پر خوش نہ تھے۔ لیکن دوسرے لوگوں کی طرح

مخالفت نہیں کرتے تھے اور نہ انہوں نے گھر سے نکالا۔ دو چھوٹے بھائی فوج میں ملازم تھے۔ ایک بھائی سب سے چھوٹا گھر پر ہوتا تھا۔ میں نے فیصل آباد سے آ کر والد کے ساتھ کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیا۔ اپنے گاؤں میں روزانہ بحث مباحثہ ہوتا اور لوگ مخالفت کرتے تھے۔ جن کے میں جواب دیتا تھا۔

ایک دن میں اپنے والدین کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میرے ایک ماموں جن کا نام محمد یعقوب تھا۔ جو مخالفت میں آگے تھے، سات مرتبہ ہمارے گھر آئے اور سوالات کئے جن کے میں نے جواب دیئے۔ والد نے انہیں کہا کہ محمد یعقوب آپ تو سوال کرتے ہیں جبکہ یہ قرآن کریم کی آیت پڑھ کر جواب دیتا ہے۔ آپ بھی تو قرآن کی کوئی آیت پڑھ کر بات کریں اور قرآن کریم سے اس کو جواب دیں۔ دلائل کے لحاظ سے تو تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن انہوں نے میرے چچا جو میرے خسر بھی تھے کو کہا کہ آپ نے احمدی عورت سے نکاح کیا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اب یہ بھی احمدی ہو گیا ہے۔ یہ احمدیت کا پودا خاندان میں آپ نے لگایا ہے۔ اب آپ ہی اس کو روکیں۔

## خسر صاحب سے مکالمہ

میرے چچا جو میرے خسر بھی تھے، نے مجھے کہا کہ آپ مجھے دولو آلہ اڈہ پر چھوڑ آئیں۔ چنانچہ میں گھوڑی پر ان کے پیچھے بیٹھ گیا۔ انہوں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ جماعت احمدیت سچی نہیں اور نہ مرزا صاحب امام مہدی ہیں۔ یہ تو انگریزوں کی سازش ہے۔ انگریزوں نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کیلئے مرزا صاحب کو کھڑا کیا ہے تا کہ مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہو جائیں اور مسلمان کمزور ہو جائیں۔ آپ نے مرزا صاحب کو امام مہدی مان لیا ہے جبکہ وہ امام مہدی نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ چچا مجھے پتہ نہیں چلتا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں یا آپ کو سمجھ نہیں آ رہی۔ میں نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو انگریزوں نے کھڑا کیا تھا کہ مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہو جائیں اور مسلمان کمزور ہو جائیں۔ بھلا انگریز ایسے شخص کو



کس طرح کھڑا کر سکتے ہیں جو انگریزوں کا مخالف ہو۔ انگریز کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہیں اور حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اور آسمان پر زندہ نہیں ہیں۔ انگریز ایسا آدمی کیونکر کھڑا کر سکتے تھے جو ان کے اپنے عقیدہ کے خلاف تھا۔ یہ بات سن کر چچا خاموش ہو گئے۔

قبول احمدیت سے قبل چونکہ میں احمدیت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے اپنی بیوی کو ان کے گھر میکے چھوڑ آیا تھا۔ وہ اس دن سے اپنے والدین کے گھر چک نمبر 131 پھوآنہ ضلع فیصل آباد رہ رہی تھی۔ جو ہمارے گاؤں سے قریباً 8 کلومیٹر جنوب کی طرف ہے۔ میرے احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے گاؤں کے لوگ میرے مخالف ہو گئے۔ جبکہ میں مخالفت کے باوجود احمدیت پر قائم رہا (الحمدللہ)۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اس کی بیوی کو اس کے پاس نہ آنے دیا جائے تو شاید اس طرح یہ احمدیت چھوڑ دے گا۔ چنانچہ میرے بعض چچوں نے میرے خسر کو کہا کہ اپنی لڑکی کو اس کے پاس نہ بھیجنا جب تک کہ یہ توبہ نہ کر لے۔ نیز اس کی نسل آگے نہ بڑھے۔ ہمارے خاندان میں احمدیت کا پودا آپ نے لگایا ہے اس لئے اب آپ ہی اس کو جڑ سے اکھاڑیں گے۔ میرے خسر جو میرے چچا بھی تھے احمدیت کے مخالف نہ تھے کیونکہ چچی احمدی تھیں۔ چچی ان کے سامنے احمدیت کی کتب پڑھتی تھیں۔ نیز حضرت مسیح موعودؑ کا منظوم کلام با آواز بلند پڑھا کرتی تھیں اور جلسہ سالانہ ربوہ بھی ہر سال جایا کرتی تھیں۔ چچا انہیں نہ روکتے تھے۔ وہ اپنے سسرال کوٹ محمد یار بھی آتے جاتے تھے اور ان کے احمدیوں کے ساتھ تعلقات اچھے تھے۔ بہلول پور چک نمبر 132 فیصل آباد ان کے گاؤں کے قریب تھا۔ وہ حکیم تھے۔ اس وجہ سے وہ اکثر احمدیوں کے گھروں میں جا کر علاج کیا کرتے تھے۔ کسی موصی احمدی کے فوت ہو جانے پر وہ جنازہ کے ساتھ ربوہ بھی آتے تھے اور احمدیوں کے ہم و غم میں شامل ہوتے تھے۔

جب سے میں نے احمدیت قبول کی تھی ان کے رشتہ داروں نے انہیں کہا کہ چونکہ

آپ نے ایک احمدی عورت سے شادی کی جس سے احمدی لڑکی پیدا ہوئی اور اب داماد بھی احمدی ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ نے جو احمدیت کا پودا گھر میں لگایا ہے اسکو اکھیڑینگے۔ اس وجہ سے میرے خسر میری مخالفت کرنے لگے۔ وہ اپنی بیٹی کو اس کے سسرال میرے پاس بھیجنے کو بالکل تیار نہ تھے۔ کئی بار میرے والد میری بیوی کو لینے گئے لیکن چچا نے نہ بھیجا۔ چچا میرے ساتھ بھی احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے ناراض تھے اور مجھے بلاتے تک نہ تھے۔ چنانچہ میری بیوی کو اپنے میکے رہتے ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔

### اپنے سسرالی گاؤں میں

جب ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا تو میں خود اپنے سسرال چلا گیا۔ چچا کے باقی گھر والے تو مجھے ملتے تھے۔ چچا مجھے دیکھ کر شدید غصہ میں آ گئے۔ چنانچہ وہ مجھے ڈنڈے کے ساتھ مارنے لگے۔ ڈنڈے کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا جو ہاتھ میں رہ گیا اس سے پھر مارنے لگے۔ جب وہ بھی ہاتھ سے گر گیا تو پھر جوتی سے مارنے لگے۔ جب جوتی بھی مارتے ہوئے ہاتھ سے گر گئی تو مکّوں سے مارنا شروع کر دیا۔ میں نے اتنا کہا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے مار مار کر جب چھوڑ دیا تو میں نے پھر کہا کہ آپ کا بھتیجا ہونے کی وجہ سے میں نے مار کھالی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے بھی چچا ہونے کی وجہ سے مارا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی سائیکل پکڑی اور جانے لگا۔ چچا نے میرے ہاتھ سے سائیکل پکڑ کر کمرہ میں رکھ دی۔ میں سمجھ گیا کہ چچا نے اپنا غصہ نکال لیا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں گھر سے نہ جاؤں۔ چنانچہ میں رات کو وہاں ہی رہا اور دو چار دن اور گزر گئے تو میں نے ان کے کام میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ کیونکہ اس گاؤں میں میرے احمدی ہونے کا علم نہیں تھا اور نہ ہی کسی نے میری مخالفت کی۔ میں چچا سے ہی ڈرتا تھا۔ چنانچہ خاموشی سے رہنے لگا۔ پانچ چھ ماہ کے بعد میں نے خیال کیا کہ یہاں ہی رہائش اختیار کر لی جائے۔ وہاں ایک جگہ خالی پڑی تھی۔ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ مل کر ایک کچا کمرہ بنایا اور دوکان بنالی اور وہاں رہنے لگا۔ ہمارے ہاں ایک بیٹی بھی پیدا ہو چکی تھی۔ چچا



کو تو میں تبلیغ نہیں کرتا تھا لیکن باقی لوگوں کو احمدیت کے متعلق ضرور باتیں بتاتا تھا۔ چچا امام مسجد تھے۔ چنانچہ جب نماز ہو جاتی تھی تو میں نماز پڑھنے جاتا تھا۔ نماز جمعہ کبھی بہلول پور اور کبھی ساہووال پڑھ آتا تھا۔ چچا کو لوگوں نے پھر کہنا شروع کر دیا کہ یہ بھی مرزائی ہے۔ آپ اس کو روکتے کیوں نہیں؟

### جلسہ سالانہ

جلسہ سالانہ 1973ء قریب تھا۔ میں تیار ہو کر گاؤں گیا اور میں نے بتایا کہ وہاں جلسہ ہے میں جلسہ پر ربوہ جا رہا ہوں۔ اس وقت میری عمر 30 سال تھی۔ میرے تایا زاد بھائی کا بیٹا منیر احمد جو آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا کہنے لگا کہ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ۔ لہٰذا وہ بھی ساتھ ہو لیا۔ جلسہ کے پروگرام دیکھ کر وہ کہنے لگا کہ میں بھی احمدی ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن ان کو میں نے کہا کہ کتابیں لے جائیں انہیں پڑھیں۔ ابھی آپ چھوٹے ہیں بیعت نہ کریں۔ ایک دفتر میں ہم گئے اور انہوں نے بھی کہا کہ یہ ابھی چھوٹا ہے ابھی بیعت نہ کرے مخالفت ہو گی اور یہ مخالفت برداشت نہیں کر سکے گا۔ اس نے لٹریچر وغیرہ لیا اور کہنے لگا کہ اگر میری بیعت نہ بھی کروائیں تو بھی میں احمدی ہوں۔ ہم جلسہ سالانہ میں شامل ہو کر ربوہ سے بذریعہ ٹرین روانہ ہوئے۔ دارالاحسان اترے اور اپنے سسرال کے گاؤں جا رہے تھے جہاں میں بھی رہتا تھا۔ راستے میں دو آدمی چچا کو کسی مریض کے لئے لے کر جا رہے تھے تاکہ اس کا علاج ہو سکے۔ میں نے السلام علیکم کہا جس کا جواب چچا نے تو نہ دیا، دوسرے آدمیوں نے ضرور دیا۔ ہم گھر پہنچ گئے۔ چچا بجائے رات کے دوسرے دن واپس آئے۔ ہم گھر میں صبح کا ناشتہ تیار کر رہے تھے کہ چچا نے آ کر کہا کہ تم کافر ہو لہٰذا یہاں سے چلے جاؤ۔ یہی الفاظ میری بیوی کو کہے۔ نیز چچا نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں نے تم سے شادی اس لئے نہیں کی تھی کہ سارے گھر کو کافر کر دو۔ تم بھی یہاں سے چلی جاؤ۔

### بے دخلی کا حتمی فیصلہ اور ہجرت کا ارادہ

معلوم ہوتا ہے کہ چچا نے لوگوں سے مشورہ کر لیا تھا کہ اس کی کوئی مدد نہ کرے۔ میں

جس آدمی کو بھی ملتا وہ یہی کہتا کہ یہ آپ کا اپنا معاملہ ہے۔ وہ آپ کے چچا ہیں۔ وہ رہنے دیں تو ہمیں کیا اعتراض ہے۔ بعض افراد نے تو یہ کہا کہ اگر یہ احمدیت سے توبہ کرلے اور مرزا صاحب کو گالیاں دے اور برا بھلا کہے تو یہاں رہنے دیں گے۔ میں نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ چچا آپ کے والد ہیں ان کے ساتھ ہم مقابلہ تو نہیں کر سکتے۔ بہر کیف ہم بہت پریشان ہوئے کہ اس حالت میں کہاں جائیں۔ ہمارے اپنے گاؤں میں بھی چچا کے بھائی اور رشتہ دار تھے۔ انہوں نے بھی ان کو کہا تھا کہ ان کو احمدیت سے روکو۔ وہاں جانا بھی مشکل نظر آیا۔ میں نے اپنے والد کو کہا مجھے گھر آنے دیں۔ وہ مخالفت نہیں کرتے تھے۔ ایسے وقت انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتا۔ سردی کا موسم تھا۔ چچی بیمار تھیں۔ اسی وجہ سے جلسہ سالانہ پر بھی نہیں جاسکی تھیں۔ ہمیں کوئی سہارا نظر نہیں آرہا تھا کہ کوئی ہماری مدد کریگا اور نہ ہی ہم احمدیت چھوڑ سکتے تھے۔ ایک ربوہ شہر ہی تھا جہاں ہم ایسے حالات میں رہ سکتے تھے۔ میں نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ ہم ربوہ چلے جائیں؟ میں وہاں مزدوری کرلونگا اور تم چونکہ سلائی کرنا جانتی ہو لہذا وہاں تم یہ کام کرلینا۔ گزارہ ہو جایا کریگا۔ وہاں کوئی کمرہ کرایہ پر لے لینگے۔ چنانچہ ہم نے ربوہ جانیکا مصمّم ارادہ کرلیا۔ یہ فکر بھی تھی کہ چچا زبان سے ہمیں جانے کے لئے کہہ رہے ہیں لیکن وہ اتنی آسانی سے ہم دونوں کو یہاں سے جانے نہ دینگے۔ بلکہ سب کو ماریں گے اور ہمیں جانے بھی نہ دینگے۔

میں نے مشورہ کیا کہ سلائی مشین ساتھ والے گاؤں میں رکھ آتا ہوں تا کہ صبح سویرے گھر سے نکلنے میں آسانی ہوگی۔ چنانچہ میں نے وہ سلائی مشین ایک احمدی کے گھر میں رکھی کہ بیوی اور چچی کو ربوہ چھوڑ کر دوبارہ آکر لے جاؤنگا۔ کیونکہ سخت سردی تھی اس وجہ سے مشین ساتھ لے جانا مشکل تھا۔

چچی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے ان کا سردی میں اسٹیشن تک جانا بھی مشکل تھا۔ کیونکہ پیدل سفر تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا کہ آپ دونوں میاں بیوی ہی چلے



جاؤ۔ میں بعد میں آجاؤنگی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر دوبارہ آئیں اور مجھے کہا کہ اگر آپ دونوں چلے گئے تو بعد میں ہمیں مارینگے۔ لہذا آپ اکیلے چلے جاؤ اور ہم ماں بیٹی کو یہاں رہنے دو۔ ہم بعد میں آجائیں گے۔ اس وقت میرے لئے بہت آزمائش کا وقت تھا۔ میں خود بھی گنٹھیا کا مریض تھا۔ جوڑوں میں درد ہوتا تھا۔ اور اس حالت میں مزدوری کرکے گزارہ کرنا مشکل نظر آرہا تھا۔ اور یہ فکر تھی کہ کہ خدا جانے اور کیا کیا تکالیف آنیوالی ہیں؟ کیا میری بیوی اور چچی میرا ساتھ دیں گی؟ میں نے سلائی مشین بیوی کو بہلولپور سے لاکر دی اور کہا کہ میں تو یہاں نہیں رہ سکتا۔ اس لئے میں تو جارہا ہوں۔ میری بیوی نے کہا کہ میں آپ کا مکمل ساتھ دونگی اور آپ کے پیچھے آنے کی کوشش کروں گی۔ مجھے بہت پریشانی اور فکر تھی کہ کامیابی کس طرح ملے گی۔ میں نے کسی کتاب سے ایک حدیث پڑھی تھی کہ دنیا اور دین دو ایسی چیزیں ہیں، اگر مقابلہ ہوجائے تو جو شخص دنیا کے پیچھے دین چھوڑ آوے، دنیا اس کو مل جاتی ہے۔ لیکن ایسے شخص کو دین نہیں ملتا۔ اور اگر کوئی شخص دین کے بدلے دنیا چھوڑ دے تو ایسے شخص کے پیچھے دنیا دوڑی چلی آتی ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ جب انسان ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اس وقت بھی خدا انسان کو غذا پہنچاتا ہے اور جب پیدا ہوتا ہے تو شروع میں ٹھوس غذا نہیں کھا سکتا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ماں کی چھاتیوں میں اس کے لئے دودھ کی صورت میں غذا رکھی ہے۔ جب اس بچہ کی عمر کچھ بڑی ہوتی ہے تو اس کا گزارہ دودھ سے نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی ذات اس کو دانت دے دیتی ہے اور جب اور بڑا ہو جاتا ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں اور دماغ میں طاقت اور عقل دے دیتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے روزی کماتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ میری بھی مدد کریگا اور کامیابی عطا فرمائیگا (انشاء اللہ)۔

چنانچہ میں اپنا گھر، بیوی اور چچی کو چھوڑ کر سائیکل پر ربوہ روانہ ہوا۔

## وقف زندگی کی سعادت

اہلیہ صاحبہ کی والدہ اور میری چچی کا خاندان کوٹ محمد یار نزد چنیوٹ میں رہتا تھا۔ جو احمدی تھا۔ میں ان کے پاس رات

کو پہنچا اور ان کو سارے حالات بیان کئے۔ دوسرے دن ربوہ پہنچا۔ ربوہ میں ماسٹر نذیر احمد شاد صاحب جو محلّہ دارالعلوم غربی میں رہتے تھے، ان سے ملاقات کی۔ عظمت اللہ صاحب جن کے ذریعہ سے احمدیت قبول کی تھی ان سے بھی ملاقات کی۔ ان سے بھی کہا کہ میرے لئے کوئی کام تلاش کریں۔ چنانچہ جدید پریس میں مزدوری کا کام نکلا اور میں نے وہاں کام کرنا شروع کر دیا۔ سر پر مٹی کی ٹوکری ہوتی تھی اور میں رو رو کر خدا سے دعا کرتا تھا کہ اے خدا میری تکلیفوں کو دور کر کے مجھے کامیابی عطا کرنا۔ دس پندرہ روز تک میں نے مزدوری کی۔ رات کو میں کوٹ محمد یار چلا جاتا تھا۔ کوٹ محمد یار والے بھی میری لئے نوکری کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ ایک روز چنیوٹ میں ایک گتہ فیکٹری میں مبلغ -/150 روپے ماہانہ پر نوکری مل گئی۔ میں نوکری شروع کرنے کے لئے ابھی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ماسٹر نذیر احمد شاد صاحب اور مولوی بدرالدین صاحب معلم وقف جدید کوٹ محمد یار میرے پاس آئے اور مولوی بدرالدین صاحب نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ اپنی زندگی وقف کر دیں۔ مجھے تو وقف زندگی کے بارے میں علم نہ تھا کہ کس طرح سے کی جائے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وقف جدید میں معلمین کلاس شروع ہونیوالی ہے۔ یہ کلاس ایک سال کی ہوگی۔ اس کے بعد معلمین کو مختلف دیہات میں دین کی خدمت کے لئے بھیج دیا جاتا ہے۔ تنخواہ قلیل ہے یعنی مبلغ 60 روپے صرف ہے۔ میں مولوی صاحب کا یہ مشورہ سن کر بہت خوش ہوا۔ کیونکہ میں عربی اور فارسی کا پہلے سے کچھ علم رکھتا تھا۔ چنانچہ میں نے بخوشی کہا کہ دین کی خدمت کے لئے تیار ہوں! تنخواہ تھوڑی ہے تو کیا ہوا۔ ہمارا گزارہ ہوتا رہے گا۔ میں نے گتہ فیکٹری چنیوٹ جانے کا فیصلہ ترک کر دیا۔ مولوی بدرالدین صاحب نے کہا کہ آپ وقف جدید کے ناظم مرزا طاہر احمدؒ صاحب سے جا کر ملیں اور اپنی زندگی وقف کرنے کے لئے درخواست پیش کریں۔

## ناظم وقف جدید مرزا طاہر احمدؒ صاحب سے پہلی ملاقات

جب میں دفتر وقف جدید میں آیا اور اپنی



زندگی وقف کرنے کے لئے درخواست دی۔ میری تعلیم پرائمری تھی۔ اس کلاس میں شامل ہونے والے لڑکوں نے مجھے کہا اب پرائمری پاس لڑکوں کو اس کلاس میں نہیں لیا جاتا۔ اس ضمن میں آپ مکرم ابوالعطاء صاحب کو پہلے ملیں مکرم مولوی ابوالمنیر صاحب کے پاس نہ جانا۔ وہ آپ کو نہ لیں گے۔ چنانچہ میں اسی وقت حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب کو درخواست پیش کرنے دفتر پہنچا۔ میں نے حضرت صاحب کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ ملنے کا پہلا موقع تھا۔ بہر حال دفتر میں صوبیدار شرافت احمد صاحب ہیڈ محرر تھے۔ میں نے سمجھا کہ یہی حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب ہیں۔ لہٰذا میں وقف کی درخواست لے کر کھڑا ہو گیا۔ میری داڑھی تھی اور سر پر جناح کیپ بھی تھی۔ میں ناظم صاحب وقف جدید کے کمرہ کے دروازہ پر کھڑا ہوا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کمرہ میں مکرم ناظم صاحب وقف جدید بیٹھتے ہیں۔ اسی دوران حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب اپنے کمرہ سے باہر تشریف لائے اور جب مجھے پتہ چلا کہ یہ ناظم صاحب ہیں تو میں نے فوراً آگے بڑھ کر سلام کیا اور اپنی وقف کی درخواست پیش کر دی۔ حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب نے صوبیدار شرافت صاحب کو کہا کہ ان کو انٹرویو کے لئے بھجوا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے انٹرویو کے لئے بھیج دیا۔

## معلم کلاس کے لئے انٹرویو اور کامیابی

میں نے پرائمری تعلیم کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ دینی مدرسہ میں بھی تین سال تعلیم حاصل کی ہے۔ جو بھی کتب دوران تعلیم پڑھیں ان کا بھی ذکر کر دیا تھا۔ انٹرویو کے لئے میں سب سے پہلے مولانا ابوالعطاء صاحب کے پاس گیا۔ آپ بہت نیک اور فرشتہ صفت نظر آئے۔ آپ نہایت پیار سے ملے۔ کچھ حالات پوچھے اور کہا کہ آپ کو فارسی کا کوئی شعر آتا ہے؟ تو میں نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے ایک کاغذ دیا اور میں نے اس پر فارسی کے یہ اشعار اور ان کا ترجمہ بھی لکھا:

کریمابہ بخشائے بر حال ما ‏ ‏ که هستم اسیر کمند ہوا
نداریم غیر از تو فریاد رس ‏ ‏ توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

محترم ابوالعطاء صاحب نے کہا کہ کلمہ شہادت لکھیں۔ میں نے کلمہ شہادت لکھا۔ پھر آپ نے کہا کہ لکھو کہ میں نے اپنی زندگی خدا کے دین کیلئے وقف کی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے میری وقف زندگی کی درخواست پر یہ لکھ دیا کہ اس کو رکھ لیا جائے۔

پھر میں مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب کے پاس گیا۔ آپ نے مجھ سے میری تعلیم پوچھی؟ میں نے بتایا کہ پرائمری پاس ہوں۔ پھر انہوں نے کہا کہ پرائمری پاس کو نہ لیں گے کیونکہ پرائمری تعلیم والا کامیاب نہیں ہوسکتا۔ میں نے بتایا کہ میں نے مدرسہ میں بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ پھر آپ نے مولانا ابوالعطاء صاحب کی طرف سے بھجوائی گئی چٹھی دیکھی جس پر انہوں نے مجھے لے لینے کی سفارش کر دی تھی۔ پھر پوچھا کہ ارکان خمسہ کیا ہوتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ پھر آپ نے قرآن ناظرہ پڑھنے کو کہا۔ میں نے کچھ تلاوت کی تو انہوں نے لکھ دیا کہ اس کو لے لیا جائے۔ معلوم ہوا کہ معلمین کی کلاس کا آغاز فروری کے شروع میں ہوگا۔ اس دوران آپ اپنا بستر وغیرہ گھر سے لے آئیں۔ میں نے نہ بتایا کہ گھر سے مجھے نکال دیا گیا ہے۔

## ربوہ سے گھر جانے کا ارادہ اور ایک رؤیا

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے گھر میں ایک چارپائی پر دیوار سے کمر لگائے بیٹھا ہوں۔ میری گود میں میری بیٹی رضوانہ جو ایک سال کی تھی، بیٹھی ہے۔ میری بیوی اور چچی میرے سامنے والی چارپائی پر بیٹھی ہیں۔ ہم آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ ہمارا کمرے کا دروازہ مشرق کی طرف تھا۔ اس وجہ سے دھوپ اندر آ رہی ہے۔ اس دوران چچا گھر آ جاتے ہیں۔ وہ میرا دایاں ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ میں نے جو تمہیں کہا تھا کہ اس گھر میں دوبارہ نہیں آنا تو تم کیوں آئے ہو؟ اس بات سے مجھے غصہ نہیں آیا۔ میں ان کی طرف



منہ کر کے بڑی آنکھیں نکال کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ گھر میرا اپنا ہے میں تو آؤنگا۔ یہ بات سن کر چچا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

میں نے اس خواب کا ذکر ماسٹر منظور احمد صاحب اور ان کی پھوپھی سے کیا اور اس خواب کے حوالہ سے خدشے کا اظہار کیا کہ بستر گھر سے لانے پر جھگڑے کا خطرہ ہے۔ اگر یہاں سے ہی کوئی بستر مل جائے تو اچھا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں خواب خیال ہی ہوتے ہیں۔ آپ گھر جا کر بستر لے آؤ۔

## چک بھچو آنہ جانا

چنانچہ میں بستر لینے گھر روانہ ہو گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ چچا سے جھگڑا نہ ہو جائے لہٰذا میں رات کو گھر گیا تا کہ ان کے علم میں نہ آئے۔ اور یہ ارادہ تھا کہ دن نکلنے سے قبل ہی گھر سے واپس ربوہ کے لئے نکل آؤں گا۔ اس وقت وہ خواب بھی مجھے یاد نہ تھی۔ چنانچہ میں نے گھر سے بستر سائیکل پر باندھا جو باہر رکھا ہوا تھا اور چلنے کو تیار ہی تھا کہ اپنی بیوی اور چچی سے باتوں میں لگ گیا۔ میں ایک چارپائی پر بیٹھا تھا۔ اس دوران میری بیٹی رضوانہ بھی میری گود میں تھی۔ اچانک اسی طرح ہوا جس طرح میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ حقیقت میں ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ہمارا کمرے کا دروازہ مشرق کی طرف تھا۔ اس وجہ سے دھوپ اندر آ رہی تھی۔ اس دوران چچا گھر آ گئے۔ وہ میرا دایاں ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ میں جو تمہیں کہا تھا کہ اس گھر میں دوبارہ نہیں آنا تو تم کیوں آئے ہو؟ بالکل اسی طرح جیسا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس بات سے مجھے غصہ نہیں آیا۔ میں ان کی طرف بڑی آنکھیں نکال کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ گھر میرا اپنا ہے میں تو آؤنگا۔ یہ بات سن کر چچا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ میری زبان سے وہی الفاظ نکلے جیسے خواب میں تھے۔

اس کے بعد چچا کہنے لگے کہ اس مکان پر جو خرچہ آیا ہے، بتاؤ میں دیتا ہوں اور تم یہاں سے چلے جاؤ بلکہ سب نکل جاؤ۔ اس پر میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ چلو گھر سے نکلو

سب چلیں۔ چنانچہ وہ گھر چھوڑنے کو تیار ہوئی تو چچا نے اس کو بازو سے پکڑ لیا اور کہا کہ یہ تو میری بیٹی ہے، میں اسے نہ جانے دونگا۔ میں طلاق لونگا۔ میں نے کہا کہ آپ کس طرح طلاق لیں گے؟ طلاق یہ مانگے گی نہیں اور میں اسے دونگا نہیں۔ اس پر انہوں نے مجھے گریبان سے پکڑ لیا اور کہا کہ میں گلا دبا کر طلاق لونگا۔ اور مجھے دھکے دے کر کہا کہ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ اس وجہ سے دیہات کے مرد و زن اکٹھے ہو گئے اور ہمیں سمجھانے لگے کہ احمدیت چھوڑ دیں اور یہاں سے نہ جائیں۔ میں نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے امام مہدی کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائی ہے، میں اب انکار نہیں کر سکتا۔ آخر تم لوگوں کو بھی احمدی ہونا پڑے گا۔ اس کے سوا کوئی اور امام مہدی نہ آئے گا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ جب ہم احمدی ہوں گے آپ بھی اس وقت احمدی ہو جانا۔ ابھی احمدیت کو چھوڑ دیں۔ میں نے کہا کہ جب آپ لوگوں کو سمجھ آئے گی اور احمدی ہونگے اس وقت آپ ہی مجھے کہیں گے کہ آپ نے سچائی کا کیونکر انکار کیا تھا۔ تم لوگ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دو لیکن میں اب انکار نہ کرونگا۔

بہر حال میں سائیکل اور اس پر رکھے بستر کو لے کر واپس ربوہ آ گیا۔ فروری 1974ء کے مہینہ میں میں نے کلاس باقاعدگی سے لینی شروع کر دی۔ اس دوران میں خداوند کریم سے اپنی آزمائشوں اور تکالیف سے نکلنے کی دعائیں کرتا رہا۔

## چھوٹے بھائی قبول احمدیت

تقریباً تین ماہ گزر گئے۔ میں باقاعدہ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میرے دو چھوٹے بھائی جو فوج میں ملازم تھے، گھر چھٹی پر آئے اور جب انہیں پتہ چلا کہ مجھے گھر سے نکال دیا گیا اور وہ ربوہ چلا گیا ہے تو ان میں سے ایک بھائی محمد ریاض مجھے ملنے ربوہ آیا۔ اس وقت میں کلاس میں تھا۔ وہ آ کر مجھے ملا اور کہا کہ میں بھی احمدی ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تم کیوں احمدی ہونا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگا آپ احمدی ہو گئے ہیں تو ہم بھی احمدی ہونگے۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون ہے جو مجھے گھر سے نکالتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو احمدیت کے بارہ میں کتب



پڑھی تھیں اور خوابیں بھی دیکھیں۔ اس طرح مجھے یقین آیا کہ احمدیت سچی اور برحق ہے۔ آپ ایسی حالت میں بیعت نہ کریں۔ آپ پہلے کتب پڑھیں اور سوچیں۔ کیونکہ احمدیت قبول کرنے کے بعد آزمائشوں کا آنا ضروری ہے۔ ایمان کامل نہ ہونے کی صورت میں مشکل ہوگی۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ مجھے وہ کتابیں دو۔ ہم نے اسے ''نزول مسیح'' اور ''ختم نبوت'' دیں جنہیں وہ نماز عصر تک پڑھتا رہا۔ نماز عصر کے بعد کہنے لگا کہ مجھ سے احمدیت کے متعلق سوال کر کے دیکھ لیں، میں جواب دونگا۔ اس نے کہا کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ احمدیت سچی ہے۔ میں تو یہاں سے اب بیعت کر کے ہی جاؤں گا۔ چنانچہ میں اسے نظارت اصلاح وارشاد لے گیا۔ وہاں دفتر والوں نے سوال کیا کہ اگر آپ احمدی ہو جائیں گے اور لوگ آپ پر سوال کرینگے کہ کہ حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپؐ کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے، حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور وہ جھوٹا ہے۔ آپ اس کا کیا جواب دینگے؟ میرا بھائی کہنے لگا کہ میں اس کا جواب یہ دونگا کہ پاکستان کو قائد اعظم محمد علی جناح نے بنایا ہے لیکن اس ملک میں آپ (قائد اعظم) کے بعد تو اور بھی حکمران وزیر اعظم بن رہے ہیں۔ جبکہ نام تو ان کا ہے جنہوں نے یہ پاکستان بنایا ہے یعنی قائد اعظم محمد علی جناح کا۔ اسی طرح سے دین حق تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قائم ہوا ہے اور اس دین کو چلانے کے لئے کوئی نبی آئے تو وہ کام تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کرے گا۔ صرف اسی طرح کا ہی نبی آسکتا ہے۔ دفتر والوں نے کہا کہ اسے بیعت کرنے دو۔ چنانچہ اس نے بیعت فارم پُر کر کے دے دیا اور یوں اس نے احمدیت قبول کر لی۔ الحمد للہ

## اہل و عیال ربوہ میں

میرا بھائی میرا ٹھکانہ دیکھ چکا تھا لہٰذا اس نے جا کر میری بیوی کو بتایا کہ میں اپنے بھائی کو ربوہ مل کر آیا ہوں اور میں نے بھی بیعت کر لی ہے۔ دو دن بعد وہ میری بیٹی رضوانہ کو میرے پاس لے آیا۔ میرا گھر سے بستر

لانے کے بعد چچا نے میری بیوی اور چچی سے کہا قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ عہد کریں کہ محمد نواز کو اس گھر نہ آنے دو گی۔ ورنہ آپ بھی یہاں سے چلی جاؤ۔ بہر حال تین چار روز کے بعد وہ بھی اپنا گھر چھوڑ کر ربوہ چلی آئیں۔ اس طرح بیوی بچوں کی طرف سے جدائی کی تکلیف بھی خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے دور فرما دی اور ہم ربوہ میں آباد ہو گئے۔ الحمدللہ

## ایک پرانی رؤیا کی تعبیر

اب میں اس خواب کا ذکر کرتا ہوں جو مجھے احمدیت قبول کرنے کے بعد فیصل آباد میں آئی۔ جو میں تحریر کر چکا ہوں۔ جس کی تعبیر عظمت اللہ صاحب نے بتائی تھی۔ لیکن خوابوں کا علم دراصل اس وقت ہوتا ہے جب وہ پوری ہو جائیں۔ عظمت اللہ کی تعبیر بھی ٹھیک تھی۔ لیکن وہ خواب چار سال کے حالات کے متعلق تھی۔ جو مجھے پیش آنے والے تھے۔ کیونکہ بعض خوابیں تمثیلی ہوتی ہیں اور تمثیلی رنگ میں دکھائی جاتی ہیں۔ بعض لفظاً لفظاً پوری ہو جاتی ہیں۔

خواب میں دیکھا تھا کہ ہمارے گاؤں پر ایک جہاز اڑ رہا ہے۔ اور میرے پاس پستول ہے۔ میں جہاز کو گولی مار دیتا ہوں۔ جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر جاتا ہے۔ جہاز گرنے کی وجہ سے لوگ میرے پیچھے پکڑنے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ اس خواب میں میں نے جو جہاز اڑتا ہوا دیکھا اس سے مراد حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا جو سمجھتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور پستول سے مراد وہ دلائل ہیں جن کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کی گئی۔ اور جہاز گرنے سے مراد حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ پستول کا ٹارچ کی شکل اختیار کرنا، دلائل کے ذریعہ سے میرا احمدیت قبول کرنا اور روز روشن کی طرح میرا عقیدہ ظاہر ہونا اور لوگوں کا مخالفت کرنا ہے۔ جب تک میں اپنے گاؤں میں رہا، وہ روشنی زیادہ رہی اور مخالفت ہوتی رہی۔ سب لوگوں کو علم تھا کہ میں احمدی ہوں۔ جب میرے سسر کو سب رشتہ داروں نے اپنی بیٹی ہمارے پاس بھیجنے سے روک دیا اور وہ اپنے والدین کے ہاں رہی تھی اور ڈیڑھ سال کے انتظار کے بعد



میں اپنے گاؤں سے سسرال کے گاؤں چلا گیا۔ جو ہمارے گاؤں سے جنوب کی طرف 8 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ چونکہ ہمارے سسرال کے گاؤں میں میرے احمدیت قبول کرنے کا کسی کو علم نہیں تھا اور نہ ہی انہوں نے میری مخالفت کی اس وجہ سے میں کچھ عرصہ خاموش رہا۔ یہ وہ حالت ہے جب روشنی کم ہو کر ایک گولی بننے کی طرح دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے ساتھ چھوٹی انگلی کی طرف چمٹی رہی یعنی احمدیت کی محبت میرے دل میں رہی اور جس کمرہ میں داخل ہوا تھا اس کمرہ سے مراد وہ کمرہ تھا جو میں اور میری بیوی نے خود بنایا تھا اور اس کا دروازہ مشرق کی طرف تھا اور کمرہ میں جو بوڑھی عورت اور جوان عورت دیکھی تھیں وہ میری بیوی اور اس کی والدہ (میری چچی) تھیں۔ اس کمرہ سے میرا مغرب کی طرف اڑنا اور ایک ٹبہ پر جا کر رکنے سے مراد میرا سائیکل پر ربوہ جانا تھا۔ اونچے اور محفوظ ٹبہ سے مراد ربوہ تھا۔ ربوہ اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔ تو بیدار ہونے سے پہلے جو الفاظ میری زبان سے جاری ہوئے اور اب وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور ربوہ آ کر ہم اس حالت میں ہو گئے کہ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے اور جو اونچے ٹبہ پر آ کر صبح کی طرح روشنی معلوم ہوئی تھی وہ روشنی جو ربوہ میں علم و معرفت کی روشنی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان خوابوں کی وجہ سے میرا ایمان اور بھی مضبوط ہو گیا کیونکہ ہم نے جس امام کو مانا تھا اور جس کا دامن پکڑا تھا، اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ الہام اور خوابوں کے ذریعہ مجھے غیب پر اطلاع دیتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے مجھ جیسے نالائق کو بھی خوابوں کے ذریعہ سے بعد میں آنے والے حالات کی خبر دے دی تو بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ امام مہدی کے مقام پر فائز ہونے والے شخص کے ساتھ اور اس کے خلفاء کے ساتھ اللہ غیب کا اظہار نہ کرے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

## ربوہ میں مستقل رہائش

جب میری بیوی امۃ الحفیظ اور اس کی والدہ محترمہ غلام فاطمہ صاحبہ ربوہ پہنچیں تو اس وقت میں دفتر وقف جدید میں اپنی کلاس میں تھا۔ مکرم ماسٹر نذیر احمد صاحب شاد جو میری بیوی کے ماموں زاد بھائی تھے،

انہوں نے مجھے خبر دی کہ آپ کی اہلیہ اور ان کی والدہ صاحبہ ربوہ آگئی ہیں تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔انہوں نے کہا کہ کیا آپ ان کو اپنے پاس رکھ سکیں گے؟ میں نے کہا انشاء اللہ میں ان کو اپنے پاس رکھ سکوں گا۔

پڑھائی کے دوران مجھے جو وظیفہ ملتا تھا، میں اس میں سے کچھ پس انداز کر لیا کرتا تھا۔ اس وقت میرے پاس مبلغ 200 روپے جمع تھے۔چنانچہ ہم نے دارالعلوم غربی میں مکرم ماسٹر نذیر احمد صاحب کی مدد سے کرایہ پر ایک مکان لے کر اس میں رہائش اختیار کر لی۔ گندم اسوقت 40 روپے من تھی لیکن وقف جدید سے ہمیں یہ گندم 20 روپے من مارکیٹ سے نصف ریٹ پر مل جاتی تھی۔ مکان کا کرایہ 25 روپے ماہوار تھا۔میں کلاس کے بعد باہر سے جلانے کے لئے لکڑیاں وغیرہ اکٹھی کر کے لے آتا تھا۔اس طرح گذر اوقات ہونے لگی۔ پڑھتا بھی تھا اور ساتھ میں گھریلو کام بھی کیا کرتا تھا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے کلاس کے لڑکوں سے باوجود پرائمری پاس ہونے کے، میرے نمبر زیادہ آتے تھے۔ ہمارا سامان وغیرہ پیچھے گاؤں میں ہی تھا۔ ہم نے سوچا کہ کیوں نہ گاؤں سے اپنا سامان یہاں ربوہ لے آئیں۔لیکن یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں وہاں جانے سے پھر کوئی جھگڑا ہو جائے۔اور وہ سامان بھی نہ لانے دیں۔ چونکہ چوہدری صلاح الدین صاحب بہلولپوری جو ناظم جائیداد تھے، کا گاؤں بہلول پور ہمارے گاؤں چک نمبر 131 ر۔ب (جہاں میرے سسرال تھے) سے قریب ہی تھا اور گاؤں کے لوگ انہیں جانتے تھے۔انہوں نے ہمیں ایک آدمی کی طرف چٹھی لکھ کر دی کہ ان کو سامان دلوایا جائے۔ ہم کوٹ محمد یار سے کچھ آدمی ساتھ لے کر سسرالی گاؤں گئے اور چٹھی جا کر دی۔ گاؤں والوں نے چچا سے کہا کہ چونکہ وہ آپ کو چھوڑ کر ربوہ چلے گئے ہیں اور احمدی بھی ہو چکے ہیں اس لئے ان کا سامان بھی آپ دے دیں۔تو انہوں نے ہمیں سامان اٹھانے کی اجازت دیدی۔ ہم اپنا سامان اور کمرہ کی چھت کا سامان اٹھا کر ربوہ لے آئے۔ چنانچہ ربوہ میں ہمیں سامان کے حوالہ سے جو تکلیف



تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے دور فرما دی۔

## ہم میاں بیوی کا افسوس کیلئے گاؤں جانا

ہم احمدیت قبول کرنے کے بعد مخالفت کی وجہ سے اپنا گاؤں چھوڑ کر ربوہ آ چکے تھے۔لیکن وہ ہمارے رشتہ دار اور تعلق دار لوگ تھے۔ ہمارے گاؤں میں ایک آدمی فوت ہو گیا جو ہمارا بہت ہمدرد تھا۔اس کے افسوس کے لئے جانا تھا۔ہم نے پروگرام بنایا کہ 28 رمئی کو بدھ ہے اور 29 رمئی کو جمعرات ہے۔ان دنوں آخری جمعرات کو دفاتر میں چھٹی ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا کہ کلاس سے چھٹی کے بعد ربوہ سے روانہ ہونگے ساتھ جمعہ کی بھی چھٹی ہے اس لئے گاؤں جا کر افسوس کر آئیں گے۔لیکن 28 رمئی کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر نشتر کالج ملتان کے لڑکوں کا جھگڑا ربوہ کے لڑکوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ جس کا ہمیں علم نہ تھا۔ میں 28 رمئی کو کلاس سے چھٹی کے بعد گھر آیا اور اپنی بیوی کو سائیکل پر بٹھا کر 30 میل کا فاصلہ طے کر کے اپنے سسرالی گاؤں جہاں سے ہمیں نکالا گیا تھا اور وہاں جانے سے ہمیں خطرہ بھی تھا، پہنچ گیا۔ تعلقات کی وجہ سے ہمارا وہاں جانا ضروری بھی تھا۔ بہر حال ہم صرف وفات والے گھر ہی گئے اپنے سسرالی گھر نہ گئے۔ جو میرے حقیقی چچا تھے۔ احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے گاؤں سے نکالے جانے کے بعد پہلی دفعہ اس گاؤں گئے تھے۔

## 1974ء کے حالات اور الٰہی مدد

29 رمئی 1974ء کو ہمیں لوگوں سے علم ہوا کہ جماعت احمدیہ کے خلاف شہروں میں جلوس نکالے جا رہے ہیں۔ جھوٹی افواہ اڑا دی کہ ربوہ ریلوے اسٹیشن پر تیرہ لڑکوں کو مار دیا ہے اور ان کی آنکھیں نکال دی ہیں اور ان کے ناک اور کان کاٹ دیئے ہیں۔اس وجہ سے احمدیوں کے گھر اور دوکانیں جلائی جانے لگیں اور ان کو قتل کیا جانے لگا۔ سرگودھا اور چنیوٹ کے لوگ ربوہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ افواہ یہ تھی کہ ربوہ کے گرد فوج بیٹھی ہے

اور حالات بہت خراب ہیں۔ایسی خبریں سن کر بہت پریشانی ہوئی کہ اگر جماعت احمدیہ کے افراد نے ایسا کیا ہے تو اچھا نہیں کیا۔اس وجہ سے جماعت کا بہت نقصان ہوگا۔اس کے علاوہ گاؤں کے بعض افراد نے کہا کہ اس بہانہ سے یہ دونوں میاں بیوی بھی قابو آگئے ہیں، انہیں بھی مارو۔یہ بات سن کر میں نے کہا کہ احمدیت نہیں چھوڑیں گے چاہے ہمیں قتل ہی کیوں نہ کردو۔تھوڑی دیر میں اس گھر کے افراد کو جن کے ہم مہمان تھے پتہ چل گیا۔انہوں نے کہا کہ خبردار ہمارے مہمانوں کو اگر کسی نے پریشان کیا تو ہم اس سے برے طریقے سے پیش آئیں گے۔حالات خراب ہونے کی وجہ سے یہ پریشانی تھی کہ ہم اپنے گھر ربوہ کس طرح پہنچیں گے؟ کیونکہ چنیوٹ میں بھی مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی۔اور دریائے چناب کے پل پر سے گزرنا تھا۔اسوقت پنڈی بھٹیاں والا پل ابھی نہیں بنا تھا۔چنانچہ سخت گھبراہٹ تھی کہ اب ہم ان حالات میں ربوہ کیسے پہنچیں گے؟اس صورتحال میں میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ ربوہ تو ضرور جاؤنگا۔جس گھر میں ہم افسوس کے لئے گئے تھے،انہوں نے کہا کہ ایسی حالت میں یہاں ہمارے پاس ہی رہو۔جب حالات ٹھیک ہوجائیں گے تو واپس چلے جانا۔میں نے کہا کہ میری زندگی وقف ہے۔اگر اسوقت نہیں جاؤنگا تو یہاں ہی بیٹھا رہونگا۔جماعت کے لوگ کہیں گے کہ مشکل حالات میں ربوہ چھوڑ کر چلا گیا ہے۔لہٰذ امیں تو ضرور جاؤنگا۔اس پر انہوں نے کہا کہ پھر آپ چلے جائیں لیکن اپنی اہلیہ کو یہاں چھوڑ جائیں۔جب حالات بہتر ہوں تو انہیں بیشک لے جائیں۔میں ایسا کرنے سے بھی ڈرتا تھا۔لیکن پھر حالات کی سنگینی کی وجہ سے اسے وہاں چھوڑنے پر تیار ہوگیا۔

30رمئی 1974ء کو جمعہ تھا اور ہفتہ کے دن کلاس لگنے والی تھی۔چنانچہ میں 31رمئی کے دن وہاں سے اکیلا ہی روانہ ہوا۔راستہ میں ہمارا اپنا گاؤں کوٹ بدرالدین تھا۔وہاں پہنچا تو وہاں بھی حالات خراب تھے۔وہاں میرے ایک چچا جو میری مخالفت نہ کرتے تھے ،سے ملا تو انہوں نے کہا کہ گاؤں کی بجائے تم سیدھے ربوہ چلے جاؤ۔کہیں ایسا نہ ہو کہ



یہاں لوگ تمہیں دیکھ کر مشتعل ہوجائیں۔

جس جگہ سے میں چلا تھا وہاں سے ہمارا گاؤں 8 کلومیٹر دور تھا اور ہمارے گاؤں سے چنیوٹ کا فاصلہ 25 کلومیٹر کا تھا۔میں اپنے گاؤں سے چنیوٹ پہنچا۔احتیاطاً میں نے جناح کیپ اتار کر تھیلے میں رکھ لی تا کہ شرپسند پکڑ نہ سکیں۔چنیوٹ سے گذر کر دریائے چناب کے پل پر پہنچا۔خدشہ تھا کہ یہاں فوج ہوگی۔وہ شاید مجھے وہاں سے گذرنے نہ دے۔پہلے پل پر فوجی نہ تھے۔خیال آیا دوسرے پل پر فوجی ہونگے۔دوسرے پل پر بھی فوجی نظر نہ آئے۔پھر خیال کیا کہ تھانہ کے قریب ہونگے۔جب تھانہ کے پاس پہنچا تو وہاں بھی فوجی نہ تھے۔چنانچہ میں اڈہ سے گذرتا ہوا دفتر وقف جدید پہنچا۔کلاس لگی ہوئی تھی۔ پوچھا گیا کہ آپ کہاں تھے اور دیر سے کیوں آئے؟ میں نے بتایا کہ گاؤں گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے آج صبح چل کر تیس میل کا فاصلہ طے کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ہمارے استاد محترم مولوی غلام قادر تھے۔انہوں نے مجھے کہا کہ آپ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کو مل لیں جو ناظم وقف جدید تھے۔کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ جب وہ آئے تو اسے میرے پاس بھیجنا۔ چنانچہ میں حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کے پاس حاضر ہوا اور السلام علیکم کہا۔انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ آپ کہاں تھے اور دیر سے آنے کی وجہ پوچھی؟ چنانچہ میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا کہ حالات خراب تھے۔وہاں سے آج صبح چل کر تیس میل کا فاصلہ طے کر کے یہاں پہنچا ہوں۔اس لئے کلاس میں دیر سے پہنچا ہوں۔ناظم صاحب نے کہا کہ ہمیں فکر تھی کہ کہیں آپ کو پولیس نے نہ پکڑ لیا ہو۔کیونکہ پولیس لوگوں کو پکڑ رہی ہے۔اور ذرا خیال کر کے کلاس میں آیا جایا کریں۔اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔میں حضرت صاحب سے ملنے کے بعد واپس کلاس میں آکر دوبارہ شامل ہوگیا اور سبق پڑھنے لگا۔

حالات خراب ہونیکی وجہ سے حفاظت کے لئے ڈیوٹیاں لگائی جاتی تھیں۔کبھی بہشتی مقبرہ میں اور کبھی قصر خلافت میں ڈیوٹی ہوتی۔کلاس تو برائے نام تھی۔خوفناک حالات

تھے۔احمدیوں کی شہادتیں ہو رہی تھیں اور ان کو مقامی قبرستانوں میں دفن بھی کرنے نہیں دیا جاتا تھا۔اس وجہ سے اکثر جنازے ربوہ میں ہوتے تھے۔میں نے تو پہلی بار ابتلاء کا زمانہ دیکھا تھا۔اپنے گاؤں سے تو اپنے رشتہ داروں نے نکالا تھا۔لہٰذا ایسے حالات کی وجہ سے بہت گھبرا جاتا تھا۔لیکن جمعہ کے دن جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ خطبہ دیتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد جلد کرنے والا ہے اور ہماری ضرور حفاظت کریگا۔خطبہ سن کر دل پھر مضبوط ہو جاتا تھا۔اپنی بیوی کو چونکہ حالات کی سنگینی کی وجہ سے گاؤں چھوڑ آیا تھا۔اس وجہ سے بھی پریشانی تھی کہ خدا جانے وہ کن حالات میں ہوگی۔میرے ربوہ آجانے کے بعد میری بیوی کو اس کے والد (میرے چچا) کی طرف سے یہ پیغام ملے کہ وہ تو احمدیت چھوڑ کر مسلمان ہو گیا ہے۔اس نے داڑھی منڈوا دی ہے۔تھانیدار نے اسے پکڑ لیا تھا۔خان محمد ولد حیات محمد نے چھڑوایا ہے۔لہٰذا تو بھی مسلمان ہو جا اور احمدیت کو چھوڑ دے۔لیکن میری بیوی اپنے ایمان پر قائم رہی۔اور کہا کہ میں تو احمدیت نہ چھوڑوں گی۔

پندرہ بیس دن کے بعد میں اپنے گاؤں کوٹ بدرالدین گیا تو میری والدہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے تیری بیوی احمدیت چھوڑ کر مسلمان ہو گئی ہے۔تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔اور احمدیت کو چھوڑ دو۔میں نے کہا کہ میں احمدی اس کے لئے تو نہیں ہوا تھا۔اگر اس نے احمدیت چھوڑ دی ہے تو میں تو نہ چھوڑونگا۔

میں اپنے گاؤں سے سسرال کے گاؤں گیا اور اس گھر پہنچا جس گھر میں میں بیوی کو چھوڑ کر گیا تھا۔وہ اپنے والدین کے گھر بھی نہ گئی تھی۔میں جب اس کو ملا تو اس نے کہا کہ میں نے سنا تھا کہ آپ کو پولیس نے پکڑ لیا ہے۔اور خان محمد ولد حیات محمد نے چھڑوایا ہے۔اور آپ اپنا ایمان چھوڑ گئے ہیں۔آپ نے داڑھی بھی منڈوا دی ہے۔اس پر میں نے کہا کہ داڑھی تو پہلے سے بھی بڑھی ہوئی ہے کیونکہ ربوہ میں ڈیوٹیاں چل رہی تھیں، اس وجہ سے حجامت بنوانے کا موقع نہ مل سکا۔اگر داڑھی منڈوائی ہوتی تو اتنی جلدی کیسے بڑھی؟ یہ سب



خبریں جھوٹی ہیں۔بھلا میں احمدیت چھوڑ سکتا ہوں۔

ابتلاء کے دنوں میں بہت کوشش کی گئی کہ کسی نہ کسی طرح میاں بیوی میں بے اتفاقی پیدا ہو جائے اور دونوں احمدیت کو چھوڑ دیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ایمان پر قائم رہنے کہ توفیق دی۔ابھی تک مخالفت ختم نہیں ہوئی تھی اور جماعت احمدیہ کے خلاف جلوس نکالے جا رہے تھے۔اس وجہ سے دوبارہ انہوں نے میری بیوی کو کہا کہ ابھی نہ جائیں ساتھ مجھے بھی کہا کہ ابھی اس کو ساتھ نہ لے جائیں۔میں نے محسوس کیا کہ اسے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔لہٰذا میں اسے دوبارہ وہاں چھوڑ کر واپس ربوہ آگیا۔ربوہ آکر اپنی کلاس میں پڑھنے لگا۔ڈیوٹیاں بھی ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔قریباً ایک ماہ تک بیوی وہاں رہی۔اور ایک ماہ بعد میرا چھوٹا بھائی اسے ساتھ لے کر ربوہ آگیا۔اور یوں ابتلاء کا وقت گذر گیا۔

## ایک مولوی کو دعوت الی اللہ

میری ساس کا خاندان کوٹ محمد یار نزد چنیوٹ تھا۔جو قوم کے 'وسیر' اور احمدی تھے۔یہ لوگ باوجود احمدیت قبول کرنے کے اپنی لڑکیاں غیر احمدیوں میں بیاہتے رہے۔میری بیوی کے ماموں زاد بھائی ماسٹر منظور احمد کاتب الفضل کی پھوپھی غیر احمدی مولوی محمد شریف سے بیاہی ہوئی تھی جو غفور آباد چنیوٹ میں رہتے تھے۔اس وجہ سے لوگ ان کی مخالفت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یا تو بیوی کو طلاق دو یا مسجد کی امامت چھوڑ دو۔مولوی صاحب کا ذریعہ معاش امامت ہی تھا۔نہ تو وہ امامت چھوڑنا چاہتے تھے اور نہ ہی اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہتے تھے۔ماسٹر منظور احمد صاحب نے مجھے کہا کہ ایسی حالت میں اس کو دعوت الی اللہ کرنی چاہیے۔ہو سکتا ہے کہ وہ احمدی ہو جائے۔چنانچہ ہم دونوں ایک رات ان کے پاس غفور آباد گئے اور آپس میں دعوت الی اللہ کا مشورہ کیا کہ اگر ہم اس کو دعوت الی اللہ کریں گے تو وہ کہے گا کہ یہ تو مجھے دعوت الی اللہ کرنے آگئے ہیں۔میں نے کہا کہ اس کا حل یہ ہے کہ آپ صرف مجھ سے سوال کریں گے کہ تم کس طرح احمدی ہوئے ہو۔تو میں اپنے احمدی ہونے کا واقعہ

سناؤں گا۔ اس طرح اس کو دعوت الی اللہ ہو جائے گی۔

ماسٹر منظور احمد صاحب نے اس مولوی کے سامنے مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے کس طرح احمدیت قبول کی؟ میں نے جواب میں اپنے احمدی ہونے کا واقعہ سنانا شروع کیا۔ چنانچہ اس طرح سے ہم اس کو رات کے بارہ بجے تک دعوت الی اللہ کرتے رہے۔ وہ چپ ہو کر سنتا رہا اور کوئی بات نہ کی۔ جب دن چڑھا تو وہ کہنے لگا کہ آپ نے ساری رات ہمیں تنگ کیا ہے۔ ہمیں اس آیت کا مطلب بتاؤ اور یہ آیت دکھائی۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ... (المائدہ: 56) میں نے اس وقت تک اس آیت تک ترجمہ نہیں پڑھا ہوا تھا۔ لیکن قرآن کریم ترجمہ والا تھا۔ میں نے اس کو اس آیت کا ترجمہ سنایا اور اس کا مفہوم بتایا۔ وہ پھر کہنے لگا کہ مجھے اس کا مطلب سمجھاؤ۔ میں نے کہا کہ اس آیت کا مطلب تو میں آپ کو سمجھا چکا ہوں پتہ نہیں آپ کس قسم کا مطلب سمجھنا چاہ رہے ہیں؟ تھوڑی دیر بعد مجھے خیال آیا کہ اس آیت میں مرتدوں کا ذکر ہے۔ شاید مولوی صاحب نے یہ آیت مجھے اس لئے دی ہے کیونکہ میں اپنا پہلا عقیدہ چھوڑ کر احمدی ہو گیا ہوں۔ اور وہ اس آیت کی وساطت سے میری توجہ اس طرف کروانا چاہ رہے تھے کہ آپ مرتد ہو گئے ہو۔ آپ نے اسلام چھوڑ کر احمدیت قبول کر لی ہے۔

چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ مجھے خیال آیا ہے کہ کہیں آپ نے یہ آیت اس لئے پیش تو نہیں کی اور اس طرف بار بار توجہ دلا رہے ہیں کہ چونکہ اس آیت میں مرتدوں کا ذکر ہے اور آپ کے خیال میں میں مرتد ہوا ہوں۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں میں نے اسی لئے آپ کو یہ آیت دکھائی ہے کہ تا آپ کو یہ علم ہو جائے کہ آپ مرتد ہو گئے ہیں۔

میں نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ بریلوی ہیں یا دیوبندی؟ وہ کہنے لگے کہ بریلوی مسلمان ہوں۔ میں نے کہا مجھے بتاؤ کہ آپ سچے عقیدہ پر ہو یا دیوبندی؟ وہ کہنے لگے کہ ہم دیوبندیوں کو سچا مسلمان نہیں سمجھتے۔ انہوں نے سچا عقیدہ چھوڑ دیا ہے۔ میں نے



کہا کہ کیا شیعہ عقیدہ کے لوگ سچے ہیں یا جھوٹے؟ انہوں نے کہا کہ وہ بھی سچے عقیدہ پر نہیں ہیں۔ میں نے پھر کہا کہ پھر آپ کے نزدیک تو احمدیوں کی طرح دیوبندی اور شیعہ بھی مرتد ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان دارو جو تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائیگا، عنقریب اللہ تعالیٰ ایک اور قوم لے آئیگا جن سے وہ محبت کریگا اور وہ اس سے محبت کرینگے۔ وہ مومنوں پر نرم ہونگے اور کافروں پر سخت ہونگے۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ خوب وسعت والا اور خوب علم رکھنے والا ہے۔ آپ کے نزدیک احمدی بھی مرتد ہیں، اہل شیعہ بھی مرتد ہیں اور دیوبندی بھی۔ اگر اتنے مسلمان مرتد ہیں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق کہ اے ایمان دارو جو تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائیگا، عنقریب اللہ تعالیٰ ایک اور قوم لے آئیگا اور اس کی صفات بھی بیان فرمائی ہیں۔ اگر ہم سب مرتد ہو گئے ہیں تو مجھے وہ قوم بتائیں جو ہمارے مرتد ہونے کے بعد خدا تعالیٰ لے آیا ہے؟ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے کہ میں اب اس بات کا کیا جواب دوں۔ چنانچہ وہ پریشان ہو گئے۔ میں نے پھر کہا کہ مولوی صاحب مجھے تو اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں نے سچا ایمان چھوڑ کر نئے نئے عقیدے بنا لئے اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت امام مہدیؑ کو بھیج کر ایک اور جماعت قائم کر دی اور جو صفات مرتدوں کے بعد آنے والی جماعت کی ہیں، وہ تو سر دست ہماری جماعت احمدیہ میں ہی نظر آتی ہیں۔ مولوی صاحب میری باتیں سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر ہم دونوں واپس ربوہ آ گئے۔ بہر حال مجھے اس آیت کے متعلق کوئی علم نہ تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اس حوالہ سے میری خاص مدد فرمائی اور ایسا جواب سمجھا دیا کہ وہ مولوی لاجواب ہو گیا۔ الحمد للہ

**مکان کی تعمیر**

1974ء میں ہم دار العلوم غربی میں رہتے تھے۔ اسی محلہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دوسری بیٹی عطا فرمائی جسکا نام حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے

ازراہ شفقت سلطانہ کوثر تجویز فرمایا۔ ہم اسی مکان میں رہ رہے تھے کہ حکومت پاکستان نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ جمعہ کا روز تھا۔ صبح کے وقت مالک مکان نے مجھ سے کہا کہ مہنگائی زیادہ ہوگئی ہے لہٰذا آئندہ سے مکان کا کرایہ 30 روپے ماہوار دیا کریں۔ میں نے انہیں کہا کہ ہماری تنخواہ قلیل ہے، ہم بڑی مشکل سے گزارہ کر رہے ہیں۔ براہ کرم کرایہ نہ بڑھائیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو پھر آپ رہنے کے لئے کہیں اور مکان تلاش کر لیں۔ یہ سن کر بہت تکلیف ہوئی۔ لیکن مالک مکان کی یہ بات کہنی ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ نومبر 1974 کا پہلا جمعہ تھا۔ جلسہ سالانہ قریب تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جلسہ سالانہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ امسال مہمان زیادہ آئیں گے۔ ہر سال ہم نئے مکان بناتے ہیں پھر بھی مکانوں کی کمی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً فرمایا وَسِّعْ مَكَانَكَ کہ مکانوں کو وسیع کرو۔ حضورؒ نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ مکان بنائیں۔ جن کے پلاٹس ہیں وہ انہیں آباد کریں۔

ہم دونوں میاں بیوی جمعہ پڑھ کر واپس آرہے تھے۔ میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ نہ تو ہم احمدیت چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی ہمارے گاؤں والے ایسے حالات میں ہمیں گاؤں میں رہنے دیں گے۔ ہم نے ربوہ میں ہی رہنا ہے۔ آج ہم مکان کا کرایہ 25 روپے دے رہے ہیں اور وہ زیادہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر ہم دس سال کرایہ پر رہیں تو ہزاروں روپے ہمارے کرایوں پر ہی خرچ ہو جائیں گے۔ اگر ابھی ہمارا اپنا مکان بن جائے، چاہے کچا ہی ہو اور ہمارے ہزاروں روپے جو کرایوں پر خرچ ہو گا وہ بچ جائیگا۔ آپ زمین خریدیں اور میں مکان بناؤنگا۔ مطلب یہ کہ آپ زیور بیچ دیں اور زمین خرید لیں۔ چنانچہ ہم دوسرے دن ہی سنارے کے پاس گئے اور کچھ زیور بیچا۔ اس وقت سونا مبلغ 800 روپے تولہ تھا۔ ہم نے مبلغ 300 روپے فی مرلہ کے حساب سے چوہدری صلاح الدین صاحب بہلولپوری سے 5 مرلہ زمین خریدی۔ اسی جگہ گڑھا کھودا اور کچی اینٹیں بنانی شروع کر دیں۔

---

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هوالنّاصر

واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا
إنا فتحنا لك فتحا مبينا
لقد نصركم الله ببدر وأنتم أذلة
امام جماعت احمدیہ

لندن
۳-۷
۲۰۰۹

پیارے مکرم محمد نواز مومن صاحب معلم وقف جدید

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپکا خط ملا جزاک اللہ۔ اللہ سامان فرمائے اور مدد کرے اور آپکی نیک خواہش پوری ہو۔ آمین۔

اللہ آپ سب کا ہر معاملہ میں نگہبان ہو!

والسلام
خاکسار
مرزا مسرور احمد
خلیفة المسيح الخامس

← دارالشکر ربوہ
سنٹر دھرگ ضلع نارووال

اس وقت میں معلمین کلاس میں پڑھ رہا تھا۔ کلاس سے چھٹی ہوتی تو دارالعلوم غربی میں اپنے گھر آتا۔ ہم دونوں میاں بیوی ظہر وعصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے اور سائیکل پر اپنی زمین پر جاتے۔ میں مٹی بناتا اور بیوی ساتھ ہمسائیوں کے نلکا سے پانی لاتی۔ جب مٹی تیار ہو جاتی تو وہ مجھے مٹی پہنچاتی اور میں اینٹیں بناتا۔ ہم روزانہ اڑھائی تین سو اینٹیں بناتے تھے۔ ایک خاص تعداد میں اینٹیں جمع ہو گئیں کہ جن سے ایک کمرہ تیار ہو سکتا تھا تو کمرہ کی چاردیواری کرنے لگے۔ میں گارہ بنا دیتا تھا پھر بیوی مجھے اینٹیں اور گارہ دیتی اور میں اینٹوں کی چاردیواری بناتا رہا۔ جب کمرہ کی چاردیواری مکمل ہو گئی تو کمرہ کی چھت ڈالنے کے لئے ہمارے پاس رقم نہ تھی۔ محترم ضیاء الرحمٰن صاحب (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے) نے مشورہ دیا کہ آپ قرض حاصل کرنے لے لئے دفتر میں درخواست دیں۔ میں نے ضیاء الرحمٰن صاحب کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب کو قرضہ حسنہ کی درخواست بھجوادی کہ ہم نے کمرہ کی چھت ڈالنی ہے۔ ہمارے پاس تعمیر کمرہ کے لئے روپے نہیں لہٰذا ہمیں مبلغ 500 روپے قرض حسنہ دیا جائے۔ یہ درخواست منظور نہ کی گئی کہ قانون کے مطابق قرض لینے کا میں مجاز نہیں۔ اس کی وجہ میری طالبعلمی تھی۔ جب مجھے پتہ چلا کہ یہ درخواست منظور نہیں ہوئی تو میں نے ضیاء الرحمٰن صاحب کو کہا کہ درخواست مجھے دیں، میں خود حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب کو اس کے حوالہ سے ملتا ہوں۔

چنانچہ میں خود حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب کو ملا اور عرض کی کہ میاں صاحب ہم میاں بیوی احمدی ہو گئے ہیں۔ ہمارے خاندان نے ہمیں اس وجہ سے گاؤں سے نکال دیا اور ہم ربوہ آ گئے ہیں۔ ہم جمعہ پڑھنے گئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مکان بنانے کی تحریک فرمائی ہے۔ ہم کرایہ کے مکان میں رہ رہے تھے۔ حضورؒ کی اس مبارک تحریک پر عمل کرنے کیلئے ہم نے زمین خریدی۔ کچھ زیور تھا جو بیچ کر زمین خریدی۔ روپیہ ہمارے پاس نہیں تھا۔ ہم دونوں نے پہلے کچی اینٹیں بنائیں اور خود ہی کمرہ کی چاردیواری بنائی۔

چھت کے لئے ہمارے پاس رقم نہ بچی۔اس لئے میں نے مبلغ 500روپے کے لئے درخواست دی تھی جومنظور نہ ہوئی۔اس پر حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب نے فرمایا کہ آپ ابھی ہمارے کارکن نہیں ہیں اس لئے قانوناً آپ قرض نہیں لے سکتے۔میں نے کہا کہ ابھی میں کارکن تونہیں ہوں لیکن انشاء اللہ پاس ہوجاؤنگا۔کلاس میں میرے نمبرز سب سے زیادہ آتے ہیں۔لہٰذا جلد میں آپ کا کارکن بن جاؤنگا۔اگر آج مجھے مکان کی چھت کیلئے روپے نہ ملے تو ہم کس کے پاس جائینگے؟ براہ کرم آپ ہمیں مبلغ 500روپے بطور قرض حسنہ دے دیں۔چنانچہ اس پر حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ نے از راہِ شفقت منظوری مرحمت فرمائی اور منظوری کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے سامان لاکر خود میاں بیوی نے چھت ڈالی۔پھر کمرہ کی لیپائی کرکے جلسہ سالانہ شروع ہونے سے صرف چار دن قبل اپنے مکان میں شفٹ ہوگئے۔اس طرح سے ہم کرایوں سے بھی بچ گئے۔پھر سنٹر جانے سے پہلے چاردیواری بھی بنالی اور بطور باورچی خانہ کے ایک کمرہ تیار کرلیا۔ہم نے مزدوری کے طور پر ایک روپیہ بھی کسی کو نہ دیا کیونکہ تمام کام خود مل جل کرلیا۔میں امتحان میں بھی اچھے نمبروں سے پاس ہوا۔اوّل آنے والے بہاولپور کے عبداللطیف صاحب کا صرف ایک نمبر مجھ سے زائد تھا۔وہ بھی شاید اس وجہ سے کہ میں ان دنوں میں مکان کی تعمیر میں مصروف رہا۔ورنہ زیادہ نمبرز میرے ہی کلاس میں آیا کرتے تھے۔

ایک ایسے شخص کو جوگنٹھیا کا مریض تھا صرف احمدیت قبول کرنے کے جرم میں گھر سے نکال دیا گیا اور یہ سوچا گیا ہو کہ یہ کس طرح گھر سے نکل کرآباد ہونگے یا یہ کہ واپس آئیں گے اور ہم سے معافی مانگیں گے کہ ہم نے احمدیت چھوڑ دی ہے لہٰذا ہمیں معاف کردیں۔لیکن ایسے شخص پر اللہ ایسا غیر معمولی فضل فرماتا ہے کہ ایک سال کے کم عرصہ میں ہی نہ صرف وہ اپنی تعلیم مکمل کرلیتا ہے بلکہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھی پالتا ہے اور اپنا گھر بھی بناتا ہے۔یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات جو وہ اپنے بندوں کو دیتا ہے۔الحمدللہ



## بدمزہ چائے کی حوصلہ افزائی

جلسہ سالانہ 1974ء کے دوران حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب لنگر خانہ نمبر 3 کے ناظم تھے اور میری ڈیوٹی آپ کے ساتھ تھی۔حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب کی شخصیت،مرتبہ اور مقام خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے بھی جماعت میں نمایاں تھا۔آپ کا رعب دار چہرہ اور پھر ہمارے ناظم بھی تھے اس وجہ سے مجھے حجاب اور جھجک تھی اور دل میں ڈر بھی تھا کہ کوئی غلطی سرزد نہ ہو جو ناراضگی موجب بنے۔

27/دسمبر کی آدھی رات کو حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب جو لنگر خانہ نمبر 3 کے ناظم کے دفتر میں تشریف فرما تھے نے مجھے کہا کہ نواز صاحب چائے بنائیں اور کچھ سکّے اپنی جیب سے مجھے دیئے کہ ان کا دودھ لے آؤ۔اس وقت بارہ آنے کلو دودھ ملتا تھا۔پس میں ہوٹل گیا اور دودھ مانگا۔اس نے کہا کہ دودھ نہیں ہے۔میں نے کہا کہ میاں صاحب کے لئے چائے بنانی ہے تو ہوٹل والے نے دودھ دے دیا۔واپسی پر سٹور کیپر ہدایت اللہ شاد صاحب جو انسپکٹر بیت المال آمد برادر عظمت اللہ صاحب سے گڑ اور نمک مانگا کہ میں نے میاں صاحب کیلئے چائے بنانی ہے۔حالانکہ وہاں چینی اور پرچ پیالیاں بھی تھیں۔میری عقل بھی کچھ ایسی تھی کہ گاؤں میں چونکہ چائے گڑ کی بنائی جاتی تھی اس لئیمیں اُن سے گڑ اور نمک لے کر چائے بنانے لگا۔جب چائے تیار ہوگئی اور چکھی تو گڑ بھی زیادہ اور نمک بھی۔میں سخت پریشان ہوا کہ اب کیا کروں؟ میاں صاحب کہیں گے کہ یہ معلم بن کر کیا کام کریں گے جن کو چائے بنانا بھی نہیں آتی۔میں جب کمرہ میں داخل ہوا تو وہاں تین نوجوان اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔میں نے ڈرتے ڈرتے چائے پیش کی اور پیالے میز پر رکھے۔دیگچی سے بغیر کسی چھاننی کے چائے ڈالی۔جب آپؒ نے چائے پینے کے لئے گھونٹ بھرا تو آپ نے فرمایا کہ چائے بڑی مزیدار ہے۔دوسرے نوجوانوں نے بھی کہا کہ واقعی بڑی مزیدا ہے۔میں نے جب یہ حالت دیکھی تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

میں نے سوچا کہ لوگ کتنے بد بخت ہیں جن کو یہ خیال نہیں آرہا کہ یہ لوگ سچے ہیں اور ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ لوگ تو ایسے ہیں کہ اللہ نے بھول کر امامت کا تاج ان کے سر پر نہیں پہنایا۔ اگر یہ لوگ دنیا دار ہوتے تو چائے زمین پر پھینک دیتے اور ضرور ناراضگی کا اظہار کرتے۔ یہ ایسی چائے جو پینے کے قابل نہیں، اسے بڑی مزیدار کہہ رہے ہیں اور میری دل شکنی نہیں کی۔ ایسا نمونہ سوائے اللہ والوں کے کوئی نہیں دکھا سکتا۔

## مولوی محمد اظہر سے مکالمہ

جب ہم معلم کلاس پاس کر چکے اور معلم کے طور پر ہمیں مختلف جماعتوں میں بھیجنے لگے تو شاید حضرت صاحب کی طرف سے یہ ارشاد تھا کہ مخالفت بہت ہے لہذا ابھی ان کو جماعتوں میں نہ بھجوایا جائے۔ ان کو تفہیمات ربانیہ (مؤلفہ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری) اور دعوت الامیر (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) پڑھائی جائیں۔ پھر ان کو جماعتوں میں بھیجا جائے۔ چنانچہ 1975ء میں ہم ان کتب کا مطالعہ کر رہے تھے تو قاری عاشق حسین صاحب سانگلہ ہل والے احمدی ہوئے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آئے تھے۔ وہ میرے کلاس فیلو تھے۔ کیونکہ ہم دونوں مدرسۃ القیوم چک نمبر 119 بھلیر نزد سانگلہ ہل میں اکٹھے پڑھتے رہے۔ میں نے تو پڑھنا چھوڑ دیا تھا جبکہ وہ پڑھتے رہے اور مولوی بن گئے۔ ان کے ربوہ آنے تک میں ابھی ربوہ میں ہی موجود تھا۔ چنانچہ ان سے ملاقات ہوئی اور بہت خوشی ہوئی کہ میرا کلاس فیلو بھی احمدی ہو گیا ہے۔ ہمارے مدرسہ میں پڑھائی کے دوران مولانا محمد اظہر صاحب بھی پڑھتے تھے اور کچھ کتابوں کے وہ میرے استاد بھی تھے۔ ان کا اسوقت بھلیر چک نمبر 119 نزد سانگلہ ہل میں ایک ہسپتال ہے۔ وہ دیسی علاج کرتے ہیں۔ وہ طالبعلمی کے زمانہ میں جب میں بھی وہاں موجود تھا ہمارے استاد محمد صدیق صاحب جو شکر گڑھ کے رہنے والے تھے۔ ٹریننگ کے لئے مناظرے کرایا کرتے تھے اور خود نگرانی کرتے تھے اور ان کی برتری کے فیصلے کرتے تھے۔ انہوں نے مولوی محمد



اظہر صاحب کو احمدی بنایا اور ایک مولوی عبدالرؤف کو سنّی مولوی کے طور پر مقرر کیا کہ وہ آپس میں مناظرہ کریں۔ میری عمر اس وقت چھوٹی تھی۔ میں زیادہ مسائل کو نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن پتہ چلا کہ مولوی محمد اظہر نے جماعت احمدیہ کے دلائل دے کر مولانا مولوی عبدالرؤف کو لاجواب کر دیا ہے۔ جو تعلیم اور عمر دونوں میں مولوی اظہر سے سینئر تھے۔ وہ قاری عاشق حسین سانگلہ ہل والے کے دوست اور ہمارے بھی رشتہ دار تھے۔ ان کی بہن ہمارے گاؤں میں میرے ایک چچا سے بیاہی ہوئی تھی۔

میں نے قاری عاشق حسین صاحب سے پوچھا کہ آپ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہو گئے ہیں اور آپ سے پہلے اللہ نے مجھے احمدیت قبول کرنے کی توفیق دی۔ مولوی اظہر صاحب کا کیا حال ہے؟ وہ جماعت احمدیہ کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ کیا وہ احمدیت کے قریب آئے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ کتابیں تو پڑھتے تھے لیکن احمدی نہیں ہو رہے۔ آپ اس کو ملیں اور دعوت الی اللہ کریں۔

میں نے ان کو ربوہ سے خط لکھا کہ میں احمدیت قبول کر چکا ہوں اور قاری عاشق حسین صاحب بھی احمدی ہو گئے ہیں۔ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ بھی جماعت احمدیہ کی کتب پڑھا کرتے تھے۔ تو انہوں نے میرے خط کے جواب میں ایک لمبا سا خط تحریر کیا اور اعتراض لکھے اور لکھا کہ کوئی احمدی مولوی ان سوالات کا جواب دے۔ کیونکہ وہ کوئی نئے اعتراض نہیں تھے۔ وہی تھے جن کے جواب احمدی عالم کئی مرتبہ دے چکے تھے۔ ان سب اعتراضات کے جواب حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے اپنی کتاب تفہیمات ربانیہ میں دیئے ہوئے تھے۔ میں نے کسی احمدی علماء کو بتائے بغیر خود ہی جواب لکھے۔ جو بڑے سائز کے کاغذوں کے 32 صفحات پر مشتمل تھے۔ پہلے تو میں نے چاہا کہ ڈاک میں بھیج دوں پھر خیال آیا مخالفت ہے کہیں تھانہ میں دیکر مقدمہ نہ کرا دے۔ چنانچہ میں نے وہ کاغذات جن میں سوالات کے جواب تھے، ساتھ لئے اور خود چک نمبر 119 بھلیر نزد سانگلہ ہل چلا گیا۔ مولوی

صاحب ہمارے رشتہ دار بھی تھے۔اور میں ان کے پاس تین سال مدرسہ میں پڑھتا رہا تھا۔اس وجہ سے وہ میرے اچھی طرح سے واقف تھے۔کیونکہ وہ مناظر قسم کے آدمی تھے اور بہت مدلل تھے۔میں نے تو مدرسہ میں تین سال تعلیم حاصل کی تھی اور پھر پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے گاؤں واپس آکر کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیا تھا۔اس وجہ سے جو پڑھا تھا وہ بھی بھول گیا۔سکول کی تعلیم بھی صرف پرائمری تھی۔احمدی ہونے کے بعد ربوہ میں ایک سال مزید تعلیم حاصل کی تھی۔اس ایک سالہ تعلیم کے دوران اکثر حصہ جماعتی ڈیوٹیز میں ہی گزر گیا تھا۔علم کے لحاظ سے تو میرا اور ان کا مقابلہ کچھ نہ تھا۔لیکن ایک ہی ایسی بات تھی کہ میں نے امام مہدیؑ کو مانا ہوا ہے جس نے خدا تعالیٰ سے ہدایت پا کر لوگوں کو ہدایت دی تھی۔لہٰذا وہی میرا علم تھا اور مجھے احمدیت کی سچائی پر پورا ایمان اور خدا پر بھروسہ تھا کہ باوجود کم علمی کے وہ میری مدد کریگا۔اس وجہ سے میں ان کو خود ملنے چلا گیا تھا۔میں بہت دیر بعد ان کے پاس جا رہا تھا۔جب میں ان کے پاس رہا اسوقت قریباً 12 یا 13 سال کا تھا۔

مولوی صاحب نے مجھے جاتے ہی پہچان لیا اور بڑے تپاک سے ملے اور مزاحاً حال چال دریافت کیا پھر پوچھا آپ ٹھنڈا پئیں گے یا گرم۔میں نے کہا جو مرضی ہے پلا دیں۔انہوں نے ٹھنڈا میٹھا مشروب پلایا اور پھر اپنے شاگردوں کو میرا تعارف کرایا اور کہا کہ تم اپنا کام کئے جاؤ میں ان سے دو دو ہاتھ کرتا ہوں۔تم مریضوں کو دوا وغیرہ دو۔چنانچہ وہ مجھے اپنے گھر لائبریری میں لے گئے اور ہم دونوں نیچے قالین پر بیٹھ گئے۔انہوں نے قرآن کریم کھولا اور یہ آیت وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ دکھا کر کہا کہ ان آیات میں دو وحی کا ذکر ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل ہوئیں اور پہلے نبیوں پر نازل ہوئیں۔لیکن بعد میں مرزا صاحب پر نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں۔میں نے کہا مولوی صاحب آپ نے کبھی غور نہیں کیا۔یہاں ہی بعد میں آنے والی وحی کا ذکر ہے۔وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اور جس وحی کا آخرت کے ساتھ تعلق ہے۔مومن لوگ



اس پر یقین رکھتے ہیں۔سیاق وسباق کے لحاظ سے یہی معنے نکلتے ہیں کہ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ کہ وہ اس وحی پر یقین رکھتے ہیں جو بعد میں آنے والی ہے۔یہاں اسی وحی کا ذکر ہے جو امام مہدیؑ پر نازل ہونے والی تھی۔پھر مولوی محمد اظہر صاحب نے قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بیٹا میں نے مرزا صاحب کی بہت سی کتب پڑھی ہیں اور اشارہ کر کے دکھائیں کہ وہ میری لائبریری میں موجود ہیں۔لیکن مجھے آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ مرزا صاحب سچے ہیں۔آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ وہ سچے ہیں؟

میں نے کہا کہ ہمارا بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آسمان سے نازل ہونگے۔ایک احمدی نے مجھے وفات مسیح کی آیات دکھائیں۔میرا یقین ہو گیا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں۔نہ وہ آسمان پر زندہ گئے ہیں اور نہ وہ آسمان سے واپس آئینگے۔آنے والا مسیح امتی ہے۔میں نے خدا تعالیٰ سے دعا بھی کی تھی کہ اے خدا اگر یہ شخص سچا ہے تو اس کی سچائی مجھ پر کھول دے۔چنانچہ مجھے خوابوں کے ذریعہ سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں سچے اور کھرے ہیں۔اس وجہ سے میں احمدی ہو گیا۔اور میرا یہ چیلنج ہے کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہیں تو میں احمدیت چھوڑ دونگا۔کیونکہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ موجود ہوں تو حضرت مرزا صاحب کا مثیل مسیح کا دعویٰ سچا نہیں ہے۔اگر فوت ہو گئے ہیں تو آنے والا مسیح مثیل مسیح ہوگا اور امتی ہوگا۔جس کا حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ کیا ہے۔

مولوی صاحب کی لائبریری میں بڑی تفاسیر پڑی ہوئیں تھیں۔معالم تنزیل، در منثور وغیرہ انہوں نے نکالنا شروع کیں اور سورۃ مائدہ کی آیت وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ کی آیت نکال کر عربی تفاسیر سے دکھایا کہ دیکھو انہوں نے لکھا ہے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ پھر جب تُو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا تو تُو ہی ان پر نگران تھا۔میں نے کہا کہ میرا مطالبہ یہ نہیں کہ

مجھے تفاسیر سے دکھاؤ۔ میرا مطالبہ یہ ہے کہ مجھے قرآن کی آیات سے دکھاؤ کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ چلے گئے۔ تفاسیر تو انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق لکھی ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے فَلَمَّا تَوَفَّيتَنِي کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا۔۔۔ ورنہ توفی کا معنی موت ہے۔

مولوی صاحب نے کہا کہ وہ لوگ اپنے زمانہ کے بڑے بڑے عالم اور بزرگ گزرے ہیں۔ ان کو قرآن کریم کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے جھوٹی تفاسیر تو نہیں لکھیں لیکن وہ بڑے بزرگ اور عالم تھے۔ میں نے کہا مولوی صاحب یہ بتاؤ اور اپنے ایمان سے بتاؤ کہ حضرت مرزا صاحب کو تو آپ امام مہدی نہیں مانتے۔ آپ کا عقیدہ تو یہ ہے کہ امام مہدی آئیگا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہاں ہمارا عقیدہ ہے کہ امام مہدی آئیگا۔ میں نے پھر کہا کہ اپنے ایمان سے بتاؤ جو آپ کے عقیدہ کے مطابق امام مہدی آنے والا ہے اس کا علم زیادہ ہوگا یا ان علماء کا علم زیادہ ہوگا جنہوں نے تفاسیر لکھی ہیں؟ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ امام مہدیؑ کا علم یقیناً زیادہ ہوگا۔ میں نے کہا کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ میں وہی امام مہدی ہوں جس کی خبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اگر حضرت مرزا صاحب وہی امام مہدی ہیں جن کی خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تو ماننا پڑے گا کہ حضرت مرزا صاحب کا ان بزرگوں سے جنہوں نے یہ تفاسیر لکھی ہیں علم زیادہ تھا۔

میں نے کہا حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں دعویٰ کیا ہے کہ خدا فاعل، مفعول ذی روح ہو اور متوفی کا لفظ ہو۔ اگر کسی لغت والے نے یہ معنی کیا ہو کہ متوفی کے معنی آسمان پر زندہ جانے کے ہیں تو میں ایک ہزار روپے انعام دوں گا۔ آپ مجھے کسی عربی لغت سے خدا فاعل اور ذی روح مفعول ہونے کی صورت میں اس کے معنے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے کئے ہوں دکھائیں مَیں مان لوں گا۔ انہوں نے کہا کہ لغت تو عیسائیوں نے بھی لکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ آخر مسلمانوں نے بھی تو کچھ لکھی ہیں ان میں سے دکھاؤ اور اگر



کسی عیسائی لغت میں ثابت ہو جائے تو تب بھی مان لوں گا۔ باوجودیکہ ایسے معنے ان کے عقیدہ کے مطابق ہیں۔

مولوی صاحب کہنے لگے کہ ہم مرزا صاحب کی بات کس طرح مان لیں۔ وہ تو کسی ادارے کے سند یافتہ نہیں تھے۔ میں نے کہا اسی وجہ سے تو میں احمدی ہوا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کسی بڑے ادارے کے سند یافتہ نہیں تھے۔ وہ صرف قادیان میں بیٹھ کر پڑھتے رہے اور ان کے مقابلہ میں بڑے بڑے اداروں کے سربراہ آئے، ناکام ہو گئے اور حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غالب کیا۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو خدا نے علم دیا تھا جس کا علماء مقابلہ نہ کر سکے۔

ہماری بات چیت قریباً ایک گھنٹہ جاری رہی اور بہت سارے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ایک آدمی بولا کہ اس سے یہ پوچھیں کی مرزا صاحب فوت کہاں ہوئے تھے؟ اس پر مولوی صاحب نے اسے یہ کہہ کر خاموش کروادیا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کسی کے جھوٹے معبود کو بھی برا نہ کہو، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سچے خدا کو جھوٹا کہہ دے۔ مرزا صاحب ان کے بزرگ ہیں ان کو برا بھلا کہنا مناسب نہیں۔ جب ہم وہاں سے باہر نکلے اور ان کے ہسپتال جانے لگے تو انہوں نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ قرآن کریم میں یہ آیت ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ (ال عمران: 180) یعنی اللہ تمہیں غیب پر ہرگز آگاہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ اور کہا کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہو۔ ایک دفعہ دوبارہ میں ان کو ملنے گیا۔ اس وقت حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ لنڈن جا چکے تھے۔ وہ مجھے کہنے لگے کہ حضرت بنی کریم ﷺ کے زمانہ میں اسلام دور دور تک پھیل گیا تھا اور حضرت نبی کریم ﷺ کی چوتھی خلافت کے زمانہ میں بڑے بڑے ملکوں پر غلبہ ہو گیا تھا۔ مرزا غلام احمد صاحب کی چوتھی خلافت آئی تو ان کا خلیفہ

اپنا ملک چھوڑ کر لنڈن بھاگ گیا۔ اگر مرزا صاحب سچے ہوتے تو ان کو بھی نبی کریم ﷺ کی طرح کامیابی ہوتی۔ میں نے کہا کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ دعویٰ تو نہیں کیا کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ ہوں۔ انہوں نے تو دعویٰ کیا ہے کہ میں ہی مثیل مسیح ہوں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کو حضرت نبی کریم ﷺ کی طرح جلدی غلبہ ہو گیا تھا تو پھر آپ کو اعتراض کرنا چاہیے تھا۔ جبکہ پہلے مسیحؑ اور ان کے ماننے والے تین سو سال تک غاروں میں چھپتے رہے اور تین سو سال کے بعد ان کو غلبہ نصیب ہوا تو حضرت مرزا صاحب جنہوں نے مثیل مسیحؑ کا دعویٰ کیا ہے، نے بھی کہا ہے کہ

"آج سے لے کر تین سو سال نہیں گزریں گے کہ کیا عیسائی اور کیا یہودی اور کیا مسلمان اسی طرف دوڑیں گے۔ ایک ہی امام ہوگا اور ایک ہی پیشوا، میں تو تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ خدا نے چاہا کہ یہ بیج میرے ہاتھ سے بویا گیا۔ یہ بیج بڑھے گا پھولے گا۔ کوئی نہیں جو کو روک سکے"۔

(تذکرۃ الشہادتین)

اس پر مولوی صاحب کہنے لگے ہاں یہ پیشگوئی میری نظروں سے بھی گزری ہے۔ الغرض مولانا اظہر صاحب کو شریف النفس عالم پایا۔ اللہ اُن کا سینہ حق کیلئے کھول دے۔

☆......☆......☆



# عملی میدان میں قدم اور خدمت کے 35 سال

پہلی تقرری میری جماعت احمدیہ چک نمبر 5/3-L تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ میں ہوئی تھی اور یہ سنٹر میرے ذریعہ سے کھلا تھا۔ اس وقت احمدی لوگ ایک ڈیرہ پر اپنی زمینوں میں آباد تھے۔ بیت الذکر تو تھی لیکن معلم ہاؤس نہ تھا۔ مجھے ایک دوکان میں ٹھہرا دیا گیا۔ لوگ بڑے اچھے تھے، خدمت گزار اور احمدیت سے محبت رکھنے والے تھے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے بچے وہاں بڑے شوق سے پڑھتے رہے۔ چوہدری محمد صادق صاحب وڑائچ صدر جماعت تھے اور احباب جماعت کو دعوت الی اللہ کا بھی بہت شوق تھا۔ ہر وقت دعوت الی اللہ کرتے رہتے تھے۔ وہاں سے 10 کلو میٹر دور گڑھ مہاراجہ موڑ پر بھی محترم رانا عبدالحکیم پٹواری اور چوہدری عبدالقیوم رہتے تھے۔ میں چک نمبر 5/6-L کے بچوں کے علاوہ تیسرے دن گڑھ مہاراجہ موڑ پر بھی پڑھایا کرتا تھا اور کبھی کبھار نماز جمعہ بھی پڑھاتا تھا۔ احمد پور سیال میں محمد ابراہیم صاحب پٹواری رہتے تھے۔ وہاں بھی جماعت قائم تھی۔ ان کے پاس بھی میں جاتا تھا۔ نیک لوگ تھے۔ دونوں پٹواری صاحبان سلسلہ کا درد رکھنے والے مہمان نواز تھے۔ محبت کرنے والے تھے۔

## جن بھاگ گیا

گندم کی کٹائی کا موسم تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ہم رات کو ڈیرے پر سوئے ہوئے تھے۔ جہاں احمدی آباد تھے۔ ایک کنبہ احمدی گاؤں چک نمبر 5/3-L میں رہتا تھا۔ گاؤں سے ایک آدمی آیا کہ بشیر کو "جن" پڑ گیا ہے اور ان کے گھر والے آپ کو بلا رہے ہیں۔ اس وقت رات کے دس بج چکے تھے۔ میں سوچنے لگا کہ احمدی اور "جن" کا کیا تعلق؟ احمدیوں پر تو جنوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کو کیا ہو گیا ہے۔ چوہدری محمد صادق صاحب وڑائچ جو صدر جماعت تھے، وہ بھی قریب ہی سوئے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو آواز دی کہ گاؤں سے آدمی آیا ہے اور کہتا ہے کہ بشیر کو "جن" پڑ گیا ہے

اور وہ مجھے بلا رہے ہیں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں تاکہ پتہ چل سکے کہ وجہ کیا ہے؟ چنانچہ ہم دونوں ان کے گھر پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بشیر نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالی ہوئی ہے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہے اور سر کو زور زور سے ہلا رہا ہے۔ اور ایسی شکل بنائی ہوئی تھی کہ دیکھنے سے خوف آتا تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی نبض دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ٹھیک چل رہی ہے۔ اس سے لگتا ہے کہ یا تو یہ مکر کر کے گھر والوں کو پریشان کر رہا ہے یا اس کو ہسٹیریا ہو گیا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ اسے سرخ مرچ کا دھواں دیا جائے۔ اگر واقعی بے ہوش ہو گا تو ناک میں دھواں دینے سے اس کو چھینکیں وغیرہ آئیں گی اور اگر دماغ میں کوئی تکلیف ہو گی تو ٹھیک ہو جائیگی اور اس کو ہوش آ جائے گا۔ لیکن اگر مکر کیا ہو گا تو ڈرتے ہوئے مرچیں ناک میں ڈالنے اور دھواں دینے سے پہلے ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے اس کی نبض دیکھ کر کہا کہ اس کو ''جن'' پڑ گیا ہے جسے نکالنا میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ فکر نہ کریں ابھی نکل جائے گا۔ سرخ مرچ پیس کر کچھ تو اس کی ناک میں ڈالی جائیں گی اور دوسری مرچ سے اس کے ناک میں دھواں دیا جائیگا۔ انشاء اللہ ''جن'' اس کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

میں نے اس کی چھوٹی بہن حمیدہ سے کہا کہ جلدی کرو سرخ مرچ باریک کوٹ کر مجھے دو۔ میں نے اس کے ناک میں ڈالنی ہیں میرے کہنے سے اس نے کونڈی میں مرچ کوٹنی شروع کر دی۔ مرچ کوٹنے کی آواز آنے لگی۔ میں نے تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ اس کی نبض دیکھی جو کہ پہلے کی طرح ہی چل رہی تھی۔ میں نے ایسے ہی کہہ دیا کہ یہ پہلے کی نسبت ٹھیک ہے۔ امید ہے یہ مرچوں کا دھواں دینے سے پہلے ہی ٹھیک ہو جائیگا۔ میری بات سن کر بشیر نے ٹھیک ہونا شروع کر دیا۔ آنکھیں بند کر لیں، زبان بھی منہ کے اندر کر لی۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ اس نے تو آنکھیں بند کر لیں اور زبان بھی منہ کے اندر کر لی ہے تو میں نے پھر اس کی نبض دیکھی اور کہا کہ مزید ٹھیک ہو گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ ایک منٹ بعد بالکل



ٹھیک ہو جائیگا۔ اس پر بشیر نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور ٹھیک ہو گیا۔ مرچ ابھی کوٹی جا رہی تھی۔ میں نے آواز لگائی بشیر احمد! تو بشیر نے جواب دیا جی استاد جی اب مرچ کا دھواں دیا جائے یا نہ؟ بشیر نے کہا کہ اب میں ٹھیک ہوں۔ میں نے اس کے گھر والوں سے کہا کہ جب بھی اس کو ''جن'' پڑے تو یہی اس کا علاج ہے۔ مرچ کوٹ کر اس کے ناک میں ڈالی جائے اور ساتھ میں ان کا دھواں بھی دیا جائے۔ یہ بالکل ٹھیک ہو جایا کرے گا۔ بہرحال جب تک میں وہاں رہا وہ ٹھیک رہا۔ پھر اس کو ''جن'' نہ پڑا۔ اس طرح سے اس کے گھر والوں کی بڑی پریشانی دُور ہو گئی۔ گاؤں والے اس لطیفہ سے کافی محظوظ ہوتے رہے۔

## بیٹی کا قبر سے باہر نکلنا

میں چک نمبر 5/3-L ضلع جھنگ ہی میں تھا کہ مجھے خواب آئی کہ میری چھوٹی بیٹی سلطانہ کوثر فوت ہو گئی ہے اور میں اس کو عام قبرستان میں دفن کر رہا ہوں چونکہ قبر چھوٹی تھی اس وجہ سے میرے گھٹنے نیچے نہیں لگ رہے تھے۔ اس وجہ سے بچی کو قبر میں ڈالنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ اس کو ایک بازو سے پکڑ کر قبر میں ڈال دیا جائے جس طرح کہ کسی بچے کو اگر ایک بازو سے پکڑ کا اٹھایا جائے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ جب میں ڈالنے لگا تو میں نے اسی طرح ایک بازو سے پکڑ کر اسے قبر میں ڈالنا چاہا تو اسے تکلیف ہوتی ہے اور وہ رو پڑتی ہے۔ میں بے اختیار کہتا ہوں کہ یہ تو زندہ ہے اور میں اسے قبر سے باہر نکال لیتا ہوں۔ مڑ کر دیکھتا ہوں تو بچی کی والدہ سیاہ برقعہ پہنے کھڑی ہے۔ دن چڑھنے پر میں نے یہ خواب محترمہ شریفاں بی بی صاحبہ کو سنائی جو چوہدری منور احمد صاحب کی اہلیہ تھیں۔ وہ آنکھوں سے نابینا تھیں۔ پنجوقتہ نماز اور تہجد باقاعدگی سے ادا کرنے والی اور بہت نیک خاتون تھیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے (آمین) وہ کہنے لگیں مولوی صاحب آپ کی بیٹی قبر سے باہر نکال لی گئی ہے۔ وہ مرنے سے بچ گئی ہے۔ اس کی فکر نہ کریں۔ وہ ابھی نہیں مرے گی۔ بچی کئی دنوں سے بیمار تھی اور سوکڑے کی وجہ سے سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی اور بہت کمزور ہو گئی تھی۔ قریب تھا کہ وہ مر ہی

جائے۔اس کی والدہ نے اس رات جس میں مجھے خواب آئی تھی خط لکھا تھا کہ بچی زیادہ بیمار ہے آپ جلدی گھر آجائیں۔چار پانچ دن کے بعد مجھے خط پہنچا۔خط پڑھ کر میں ربوہ روانہ ہوگیا۔بچی کی حالت بہت خراب تھی۔کسی نے بتایا کہ لاٹھیانوالہ ضلع فیصل آباد میں ایک ڈاکٹر سوکڑے کا علاج کرتا ہے اور ہزاروں بچے ٹھیک ہوئے ہیں۔وہاں سے سارے ملک سے بچے علاج کروانے آتے ہیں۔آپ وہاں سے ہی اپنی بچی کا علاج کروائیں۔چنانچہ ہم دونوں میاں بیوی بچی کو لے کر لاٹھیانوالہ لے کر گئے۔وہاں سے دوالینا شروع کی۔پانچ چھ ماہ کے بعد وہ اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک ہوگئی (الحمد للہ) اللہ کے فضل سے ہی اب تک زندہ ہے اور دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کی ماں ہے۔اللہ اسے غیر معمولی عمر اور صحت عطا فرمائے اور اسے سکھ دے اور اس کی اولاد کو نیک خادم دین بنائے۔

## بستی وریام تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ کا سفر

میں چک نمبر 5/3 - L ضلع جھنگ میں ہی تھا کہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی طرف سے خط ملا کہ بستی وریام میں جا کر وہاں سے چندہ وقف جدید وصول کریں۔بستی وریام وہاں سے دریائے چناب کے دوسرے کنارے پر 30 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھی۔درمیان میں دریائے چناب تھا۔سڑک کے راستے وہاں سے پہلے ہیڈ تریموں کی طرف آنا تھا جو 80 کلومیٹر دور تھا۔پھر شورکوٹ کی طرف اس سے آگے بستی وریام تھی اور کل سفر ایک سو میل یعنی ڈیڑھ سو کلومیٹر تھا۔میں نے سوچا کہ کشتی پر دریا عبور کر لیتا ہوں۔یہاں سے بستی وریام جلدی پہنچ جاؤنگا۔لہٰذا میں اپنی سائیکل پر سوار ہو کر عبدالرحمٰن گاؤں پہنچا۔اپنی سائیکل ایک ماسٹر کے گھر رکھی اور دریائے چناب کی طرف پیدل چلنا شروع کر دیا۔جب دریا کے کنارے پہنچا تو گرمی زیادہ ہو چکی تھی اور آگے دریا کی ریت میں چلنا تھا۔دریا کے کنارے پر ایک شیشم کا درخت تھا،اس کی چھاؤں میں کھڑا ہوگیا۔قریب ہی ایک ڈیرہ تھا۔ڈیرے والوں نے مجھے وہاں کھڑا دیکھ کر ایک آدمی کو



چارپائی اور تکیہ دیکر میرے پاس بھیجا ساتھ ہی ایک جگ لسی کا بھی بھیج دیا۔میں چارپائی پر بیٹھ گیا اور لسی پی۔ان کا شکریہ ادا کیا۔انہوں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ چک نمبر 5/3-L سے آرہا ہوں اور بستی وریام جارہا ہوں۔جہاں جماعت کے مہر ظفر صاحب رہتے ہیں۔وہ کہنے لگے کہ آپ کا تعلق کس جماعت سے ہے؟ میں نے بتایا کہ جماعت احمدیہ سے۔ان کو علم نہیں تھا کہ جماعت احمدیہ کیا ہے۔چنانچہ میں نے ان کو کہا کہ جس جماعت کو قادیانی یا مرزائی کہتے ہیں۔انہیں حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کے متعلق بتایا کہ حضرت مرزا صاحب نے چودھویں صدی کے شروع میں دعویٰ کیا تھا کہ آنے والا مسیح موعود میں ہوں۔انہوں نے اپنے ماننے والی جماعت کا نام جماعت احمدیہ رکھا۔اب یہ جماعت تمام ملکوں میں پھیل چکی ہے۔
میرے پاس لجنہ اماء اللہ کی طرف سے شائع کیا ہوا مجلہ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے سفروں کا ذکر تھا ساتھ فوٹوز بھی تھیں۔میں نے ان کو وہ دکھائیں۔وہ میری باتوں کو بڑی دلچسپی سے سننے لگے اور بار بار فوٹوز دیکھنے لگے۔میں وہاں قریباً دو گھنٹے رہا۔جب وہاں سے جانے لگا تو آندھی آگئی۔اس وجہ سے کچھ مزید ٹھہرنا پڑ گیا۔آندھی جب کچھ تھمی تو پھر میں دریائے چناب کی طرف چلنے لگا۔دریا پر پہنچا تو وہاں کوئی کشتی وغیرہ نہ تھی۔میں نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر آدمی اپنی بھینسوں کو لے جارہے تھے۔انہوں نے بھی دریا عبور کرنا تھا۔چنانچہ وہ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی دریا میں داخل ہو چکے تھے اور دریا عبور کرنے لگے۔اس حصہ میں دریا کا پانی زیادہ گہرا نہیں تھا۔کمر تک آتا تھا۔چنانچہ میں بھی کپڑے اُتار کر وہاں سے دریا میں سے گزرنے لگا۔دریا کا یہ حصہ میں گذر گیا اور کپڑے اور جوتے وغیرہ پہن کر چلنے لگا۔اس دوران وہ لوگ مزید دور جا چکے تھے۔مجھے معلوم نہ تھا کہ آگے اور پانی بھی ہے۔چنانچہ میں چلتا گیا اور پانی کے دوسرے حصہ میں داخل ہونے لگا۔جبتک وہ لوگ پانی کا یہ حصہ بھی عبور کر چکے تھے۔میں دریا کا یہ حصہ پار کرنے کے لئے تیاری کرنے

لگا تو ان لوگوں نے مجھے آوازیں دیکر کہا کہ یہاں سے نہ آنا پانی گہرا ہے۔ اگر تیرنا نہیں جانتے تو پانی میں ہرگز داخل نہ ہونا۔ میں نے انہیں کافی آوازیں دیں کہ مجھے بھی اپنے ساتھ دریا پار کروادو۔ لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی اور چلے گئے۔ اسوقت سورج غروب ہورہا تھا۔ میں بہت پریشان ہوا کہ اب کیا کروں؟ یہاں رات تو رہ نہیں سکتا۔ کیا پتہ رات کو سیلاب آجائے۔ کہیں دریا میں ڈوب گیا تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ کہاں گیا۔ چنانچہ میں نے واپس دوڑنا شروع کیا۔ ایسا نہ ہو کہ واپسی کا راستہ بھول جاؤں۔ میں اپنے قدموں کے نشان کی شناخت کرتا ہوا وہاں پہنچا جہاں سے دریا کا پہلا حصہ پار کیا تھا۔ پھر وہاں سے گزر کر واپس اسی ڈیرہ پر پہنچا جہاں میں نے دعوت الی اللہ کی تھی۔ وہ ڈیرہ وہاں سے 3 کلومیٹر دور تھا۔ اندھیری رات اور تیز ہوا کی وجہ سے شائیں شائیں کی آوازیں آرہی تھیں اور خوفناک حالت تھی۔ پریشانی کی حالت میں وہاں پہنچا اور ڈیرے والوں کو ساری صورتحال بتائی۔ انہوں نے مجھے جانے سے پہلے روکا تھا کہ رات یہیں گزاریں اور صبح چلے جائیں۔ لیکن میں نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ میں انہیں بتا چکا تھا کہ میں احمدی ہوں نیز میں نے انہیں دعوت الی اللہ بھی کی تھی۔ اس لئے خوف تھا کہ کہیں یہ مخالفت کی وجہ سے نقصان نہ پہنچائیں۔ رات کی تاریکی میں مجھے مار کر یہیں ریت میں دفن کردیں۔ کسی کو کیا علم ہوگا۔ لیکن مجبوری کی وجہ سے مجھے دوبارہ انہیں کے پاس ہی آنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ گاؤں چلتے ہیں۔ یہاں ڈیرہ پر تو ہمارے پاس بستر وغیرہ بھی نہیں ہیں۔ پھر ان کے ساتھ میں ان کے گاؤں گیا اور ان کے گھر رات گزاری۔ خدا تعالیٰ سے بہت دعائیں کیں کہ اے اللہ تو ہی حفاظت کرنیوالا ہے۔ انہوں نے مجھے اونٹنی کے دودھ کے ساتھ روٹی کھلائی بستر اور چارپائی وغیرہ دی۔ اگلے دن صبح کو ہی میں واپس اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ دریا کا وہی حصہ پار کیا جو پہلے پار کیا تھا۔ اور دوسرے گہرے پانی کو پار کرنے کے لئے وہاں ہی بیٹھ کر کسی دوسرے آدمی کا انتظار کرنے لگا کہ اکٹھے پانی کا یہ گہرا حصہ پار کرتے ہیں۔ اس



انتظار میں ایک گھنٹہ گزر گیا۔ پھر کچھ آدمی آئے۔ ان کے پاس اونٹ بھی تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے بھی ساتھ میں دریا پار کروادیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کپڑے اور کتابیں وغیرہ اونٹ پر رکھیں اور اونٹ کی دم کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ چنانچہ میں نے اونٹ کی دم پکڑ لی اور آرام سے گہرے پانی کو پار کرلیا۔ کپڑے وغیرہ پہنے اور وہاں سے بستی وریام گاؤں جو وہاں سے 3 کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا، پہنچ گیا۔ سفر خطرناک تھا۔ آج بھی جب یہ یاد آتا ہے تو خوف آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ چندہ کی وصولی کے لئے چند دن میں وہاں رہا۔ وہ لوگ بڑے زمیندار تھے۔ ان کا بہت خوبصورت اور بہت بڑا دائرہ تھا جو انہوں نے مہمانوں کے کے لئے بنایا ہوا تھا۔ ان کے پاس اکثر مہمان بڑے آدمی ہی آتے تھے۔ مجھے انکو وہاں دعوت الی اللہ کرنے کا موقع بھی ملا۔

## تحصیل دار کو دعوت الی اللہ

وہاں ہمارے ایک احمدی مہر بشیر احمد صاحب جو خود بھی تحصیل دار رہ چکے تھے، ان کے پاس ایک تحصیل دار آیا۔ میں اسے دعوت الی اللہ کرنے لگا۔ اس نے کہا کہ آپ کے پاس کوئی کتاب ہے تو دو میں اس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اسے کچھ لٹریچر دیا جو وہ پڑھتا رہا۔ جب اسے کوئی اعتراض نظر آتا تو وہ مجھے بلاتا۔ میں اسے بڑے اچھے طریق سے بتاتا اور اس کے اعتراض کے جواب دیتا تھا۔ کئی بار اس نے مجھ سے سوالات کئے اور کئی دفعہ ہی میں نے ان کے جواب دیئے۔ مہر بشیر احمد صاحب جو پیدائشی احمدی تھے وہ تحصیل دار سے کہنے لگے کہ ہمارے تو دادا نے بیعت کی تھی اس لئے ہم تو پیدائشی احمدی ہیں اور میری تو مذہب کے ساتھ دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن میں معلم صاحب کو دیکھ رہا ہوں کہ یہ نئے احمدی ہیں اور کس طرح دیوانہ وار آپ کے سوالوں کے جواب دیتے چلے جارہے ہیں۔ ہر وقت تیار ہیں کہ کب سوال ہو اور کب وہ اس کا جواب دیں۔ میرا ایمان بھی پہلے سے زیادہ مضبوط ہوا ہے اور یقین بڑھ گیا ہے کہ جس شخص کو ماننے والے اتنے دیوانہ وار دعوت الی اللہ کرنے والے ہیں

وہ شخص جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

میں کچھ دن بستی وریام گاؤں میں رہا اور چندہ وقف جدید کی وصولی کی پھر وہاں سے شورکوٹ شہر پہنچا۔ وہاں سے بذریعہ کشتی دریا پار کیا اور حضرت سلطان باہوؒ کے مزار پر پہنچا۔ وہاں سے احمد پور سیال جانے والی بس میں سوار ہوا اور عبدالرحمان گاؤں کے اڈہ پر پہنچا۔ وہاں سے اپنی سائیکل لی اور اپنے سنٹر چک نمبر 5/3-L پہنچا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس نے بحفاظت مجھے واپس اپنے سنٹر پہنچایا۔ الحمد للہ

## حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات

یہ 1977ء کی بات ہے کہ ابھی میں چک نمبر 5/3-L ضلع جھنگ میں ہی تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات کے لئے منظوری لی۔ انہی دنوں جنرل ضیاء الحق نے وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کا تختہ اُلٹ کر خود ملک کی بھاگ ڈور سنبھال لی اور بھٹو کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ ابھی پندرہ دن ہی گزرے تھے کہ ضلع جھنگ کے لوگوں کو ملاقات کے لئے بلایا گیا تھا۔ اس لئے میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی ملاقات کرنے کے لئے ساتھ آیا تھا۔ جب جھنگ کے لوگ دارالضیافت سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے تو میرے دل میں کئی خیال آنا شروع ہوگئے کہ دوسرے لوگ تو پرانے یا پیدائشی احمدی ہیں اور حضرت صاحب بھی انکو جانتے ہیں۔ جبکہ میں ایک نئے خاندان میں سے احمدی ہوا ہوں اور دستی بیعت بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی اس سے قبل کوئی تعارف یا واقفیت تھی۔ دل میں خواہش تھی کہ حضور میرے ساتھ بھی کچھ بات کریں۔ چنانچہ ہم سب قصر خلافت پہنچے اور ہمیں ایک بڑے کمرہ میں قالین پر بیٹھا دیا گیا۔ اور ہم حضرت صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت صاحب کی کرسی ایک اونچی جگہ پر رکھی گئی تھی۔ جب حضرت صاحب اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ تشریف لائے اور کرسی پر بیٹھے خدا تعالیٰ کی قدرت کچھ ایسے ظاہر ہوئی کہ حضرت صاحب نے سب سے پہلے مجھے مخاطب ہوکر کہا کہ جن لوگوں کے



گھر میں چکیاں ہیں ان کو خبر ہوتی ہے کہ آٹا کس طرح پیسا جاتا ہے۔ پہلے دانے چھوٹے ہوتے ہیں پھر اور زیادہ چھوٹے ہوتے ہیں اور پھر آٹا پس جاتا ہے۔ آج بھی ایک سیاست دان جس طرح چاہتا فیصلہ کر دیتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اسے پکڑا۔ چھوڑا تو پھر اٹھنے لگا۔ خدا نے پھر پکڑ لیا ہے۔ اب یہ پس جائے گا، آٹا ہو جائے گا۔

پھر فرمایا آپ کو پتہ ہے کہ چکی میں دانے کون سے بچتے ہیں؟ وہ بچتے ہیں جو کلّی کے ساتھ ساتھ لگ جاتے ہیں۔ جو کلّی کو چھوڑ کر دور جاتے ہیں وہ پس جاتے ہیں۔ وہ کلّی کیا ہے؟ وہ خلافت ہے۔ جو خلافت کے ساتھ وابستہ رہے گا وہ بچایا جائیگا اور جو خلافت کو چھوڑے گا اور وابستہ نہیں رہے گا وہ پس جائے گا۔ حضرت صاحب کے الفاظ ہم نے پورے ہوتے دیکھے ہیں۔ پس اس دن سے چکی چل گئی۔ چکی کے دو پاٹ ہوتے ہیں۔ ایک نیچے اور ایک اوپر۔ نیچے والا تو نہیں چلتا جبکہ اوپر والا چلتا ہے اور آٹا بنتا ہے۔ پاکستان میں سیاسی پارٹیاں چکی کے پاٹوں کی طرح لوگوں کو پیس رہی ہیں۔ جو پارٹی اوپر آتی ہے وہ دوسروں کو پیسنے لگتی ہے اور ہزاروں لوگ پس گئے ہیں اور پس رہے ہیں۔ اور معلوم یہی ہوتا ہے کہ جب تک خلافت کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتے، لوگ ظلم وستم کی چکی میں پستے رہیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو لوگ خلافت سے وابستہ ہیں ہر ملک میں دوسروں کی نسبت امن میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے سب لوگوں کو خلافت کے ساتھ وابستہ رکھے۔ آمین

## 5/3-L سے ربوہ ماحول میں تبادلہ

ربوہ ماحول میں محمد احمد شاہ صاحب بطور معلم وقف جدید کام کر رہے تھے۔ ان کا تبادلہ کسی اور جگہ ہوگیا کیونکہ ان کا اپنا گھر بیت الذکر طاہر آباد کے ساتھ تھا۔ چنانچہ میرا ربوہ تبادلہ ہو جانیکی وجہ سے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تعلیم وتربیت کا کام کرکے رات میں اپنے گھر چلا جایا کرونگا۔ لیکن یہ سن کر کہ یہاں کسی معلم کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کوئی بچہ پڑھنے والا

ہے۔ میں پریشان ہوا کہ ماہانہ رپورٹ میں کیا لکھوں گا۔ میں نے صدر صاحب سے پوچھا کہ ربوہ کے نزدیک کوئی اور جماعت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ 8 کلومیٹر دور مغرب کی طرف ڈاور جماعت ہے۔ چنانچہ میں نے جماعت ڈاور کا دورہ کیا۔ مکرم سلطان احمد صاحب دودھ کا کاروبار کرتے تھے۔ وہ مجھے ملے۔ ان کی والدہ صدر لجنہ تھیں۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر بٹھایا۔ آدمی تو کوئی ملا نہیں تھا اور نہ ہی کوئی جماعت کا انتظام تھا۔ صدر لجنہ سے میں نے جماعت کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے بتایا کہ پندرہ گھرانے احمدی ہیں۔ احمدیہ بیت الذکر گر چکی ہے اور نمازوں میں بہت کمزوری ہے۔ بچے ہیں لیکن کوئی پڑھانیوالا نہیں ہے۔ میں نے ناظم صاحب کو جماعت احمدیہ ڈاور کے متعلق رپورٹ دی کہ وہاں معلم کی ضرورت ہے۔ اس پر ناظم صاحب نے فرمایا کہ آپ وہاں پڑھا آیا کریں۔ چنانچہ میں نے اپنا بستر اور کتابیں اٹھائیں اور ڈاور چلا گیا۔

وہاں معلم ہاؤس وغیرہ نہیں تھا۔ صدر لجنہ جو چوہدری محمد شفیع صاحب کی اہلیہ تھیں کے ایک لائن میں چار کمرے تھے۔ ایک کمرہ میں وہ خود رہتے اور دوسرے کونے پر ان کے بیٹے سلطان احمد صاحب جن کی شادی ہو چکی تھی رہتے تھے۔ درمیان میں جو کمرے تھے ان میں سے ایک میں میں نے اپنی کتابیں اور اپنا بستر رکھ کر رہنا شروع کر دیا۔ دو صفیں بھی مجھے مل گئیں جو میں نے اس کمرہ میں بچھا کر اسے نماز سنٹر بنا لیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ نماز کے لئے اذان دی جاتی۔ نماز پڑھنے والے بچے اور بچیاں ضرور آتے۔ چنانچہ میں نے گھروں میں جا کر سمجھانا شروع کیا کہ آپ تو پرانے احمدی ہیں۔ آپ کا تو فرض ہے کہ نمازیں ادا کریں تا کہ نومبائعین آپ سے نمونہ حاصل کریں۔ تا کہ ان کی تربیت ہو۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں نیا احمدی ہوں آپ لوگ نمازوں میں شامل نہیں ہو رہے۔ یہ تو بہت افسوس کی بات ہے۔ وہ لوگ مخلص احمدی تھے لیکن بیت الذکر نہ ہونے کی وجہ سے سستی کا شکار ہو گئے تھے۔ بہر حال توجہ دلانے پر وہ بیدار ہو گئے۔ پھر تو مرد و زن باجماعت نمازوں



کی ادائیگی کے لئے نماز سنٹر میں آنے لگے۔ رمضان کے بابرکت مہینہ کی وجہ سے اتنی تعداد ہو جاتی کہ جگہ تنگ پڑ جاتی تھی اور پھر کچھ احباب تو گھر سے کپڑے اور جائے نماز لے آتے اور باہر بچھا کر باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔

میں نے پڑھے لکھے نوجوان لڑکوں کو توجہ دلائی کہ بڑے تو اَن پڑھ ہیں لیکن آپ پڑھے لکھے ہو لہٰذا آپ احباب کو نمازوں میں بیدار کرنے میں میری مدد کریں۔ اس وقت چوہدری محمد علی صاحب نے ایم ایس سی کی ہوئی تھی اور عبدالغفار صاحب بی اے کا امتحان دینے والے تھے۔ ایک کو صدر اور ایک کو سیکرٹری مال نامزد کروایا۔ اس طرح ان نوجوانوں نے میری مدد کی۔ اس طرح سے کمزور احباب جماعت نمازیں بھی ادا کرنے لگے اور چندہ جات بھی ادا کرنے لگے۔ بلکہ بقایا داران نے بھی ادائیگیاں کیں۔ میں صبح کے وقت ڈاور کے بچوں اور بچیوں کو پڑھاتا اور ناشتہ کے بعد کھیتوں میں احمدیوں کے ڈیروں پر جا کر ان کے بچوں کو پڑھاتا تھا۔ چوہدری محمد علی صاحب اور عبدالغفار صاحب کے بھائی کھیتوں میں رہتے تھے۔ جمعرات کو اپنے گھر ربوہ آ جاتا اور پھر نماز جمعہ ڈاور میں پڑھاتا۔ تربیتی کام اچھی طرح چل پڑا۔ دو تین ماہ گزر گئے۔ پھر سردیوں کا موسم آ گیا اور اس کمرہ میں نمازوں کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ کیونکہ گھر والوں کو اس کمرہ کی ضرورت تھی۔ پھر میں نے پڑھنے والے بچوں سے پوچھا کہ کسی گھر میں کوئی کمرہ خالی ہو تو بتایا جائے۔ ایک لڑکی نے بتایا کہ ہمارے گھر میں ایک کمرہ خالی ہے۔ ہمارا چچا فوج میں ہے وہ اپنی بیوی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ میں نے صفیں اور اپنا بستر وہاں جا رکھا اور نماز سنٹر بنایا اور کام شروع کر دیا۔ احباب جماعت کو توجہ دلائی کہ بیت الذکر تعمیر کی کوشش کی جائے اور لوگوں سے روپے وغیرہ اکٹھے کئے گئے۔ احباب جماعت نے اینٹیں منگوائیں اور بیت الذکر بنانا شروع کی۔ لیکن یہاں گاؤں میں مخالف لوگ احمدیوں سے طاقتور تھے۔ حکومت بھی خلاف تھی۔ چنانچہ انہوں نے پہلے تو احمدی افراد پر جھوٹا الزام لگا کر گرفتار کرا دیا۔ جب احمدی احباب پولیس کی

حراست میں تھے تو غیراز جماعت لوگوں نے بیت الذکر کی بنیادیں اکھیڑ دیں اور اینٹیں بھی مال غنیمت سمجھ کر ساتھ لے گئے۔ اس طرح بیت تعمیر ہوتے ہوتے رہ گئی۔

## غیراز جماعت کا آپس میں لڑائی جھگڑا

ڈاور میں اہل سنت جماعت اور دیوبندی بھی تھے۔ دیوبندی بڑے زمیندار تھے۔ ان کی مسجد بھی علیحدہ تھی اور اہل سنت جماعت کی مسجد بھی علیحدہ تھی۔ کیونکہ پاکستان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ وہ اذان ختم ہونے کے بعد کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰہِ پڑھ لیتے ہیں۔ دیوبندی مولوی نے نماز عشاء کے بعد سپیکر میں درس دیا جو شرک اور بدعت کے متعلق تھا اور اپنے درس میں لوگوں کو یہ بتایا کہ اذان سننے کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰہِ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ... والی دعا پڑھتے تھے۔ اذان کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنا سنت نہیں ہے۔ یہ بعد کی ایجاد ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھنا سنت نہیں ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے میری سنت کے بغیر جو کام کیا جائے وہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ کلمہ طیبہ کی بجائے دعا پڑھنی چاہیے۔

یہ درس سن کر اہل سنت کے مولوی نے اپنی مسجد سے سپیکر کھولا اور گاؤں کے لوگوں کو کہا کہ اے لوگوں سن لو مولوی صاحب موصوف کیا کہہ رہے ہیں؟ کہ نماز کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنا بدعت ہے یہ نہیں پڑھنا چاہیے۔ اذان کی آواز سن کر نماز پڑھنے تو کوئی آتا نہیں تھا۔ کلمہ پڑھ لیتے تھے۔ آج اے مسلمانوں کلمہ پڑھنے سے بھی چھٹی ہوگئی ہے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اذان سننے کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنا بدعت ہے۔ لوگوں کا یہ بات سننا تھا کہ طیش میں آگئے اور بندوقیں اور ڈنڈے لے کر لڑائی کو تیار ہو گئے۔ مناظرہ سپیکروں پر ہو رہا تھا۔ سب لوگ سن رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اہل سنت والجماعت کی مسجد سے بتایا گیا کہ اذان سننے کے بعد کلمہ شہادت پڑھنا عین سنت ہے۔ کلمہ شہادت میں بھی توحید اور رسالت کا ذکر ہے



اور کلمہ طیبہ میں بھی ایک ہی بات ہے۔ دیوبندی مولوی نے کہا کہ کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت میں کوئی فرق نہیں تو پھر آپ لوگ اس طرح کریں کہ کلمہ شہادت کی جگہ نماز میں لاالٰہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھا کریں اور ایک نئی نماز تیار کریں۔ میں دیکھونگا تم ایسا کس طرح کرسکو گے؟ پھر دیوبندی مولوی نے کہا کہ یہ جو کبھی کسی کی وفات پر فاتحہ خوانی اور قل اور ساتواں اور چہلم وغیرہ کرتے ہو یہ کہاں سے آئے ہیں؟ کیا یہ حضرت نبی پاک ﷺ نے کیا تھا؟ کیا یہ ان کی سنت تھی یا پھر صحابہؓ نے یہ کام کیا تھا؟ اس کے جواب میں سنت اہل جماعت کے مولوی نے کہا کہ یہ سنت نہیں ہے۔ پہلے زمانہ میں لوگ غریب تھے وہ مولویوں کو تنخواہیں وغیرہ نہیں دے سکتے تھے تو انہوں نے سوچا کہ مولویوں کو بطور تنخواہ کے روٹیاں اور گندم وغیرہ دے دیا کریں تا کہ ان کا گزارہ بھی ہوتا رہے اور وہ نمازیں اور بچوں کو پڑھاتے رہیں۔ آہستہ آہستہ لوگ کم علمی کی وجہ سے یہی سمجھتے رہے کہ یہ باتیں شریعت کا حصہ ہیں لہٰذا ثواب سمجھتے ہوئے یہ کام کررہے ہیں۔

یہ واقعہ میں نے اس لئے لکھ دیا ہے کہ غیراز جماعت علماء کس طرح آپس میں اختلافات پیدا کر لیتے ہیں اور لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑانے کے لئے تیار کر لیتے ہیں۔ کیونکہ دیہاتوں میں قریبی رشتہ داریاں ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے لڑائی سے بچاؤ ہوگیا اور چند آدمیوں نے ایک دوسرے کو مل کر لڑائی ختم کروانے کی کوشش کی۔

## ایک مولوی سے مکالمہ

ہمارا گاؤں ربوہ سے قریباً 40 کلومیٹر دور ہے۔ ہمارے خاندان میں علماء اور حکیم اور شاعر بھی رہ چکے ہیں۔ نیز پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہی ہمارے خاندان کے لوگوں کی شہرت بہت اچھی تھی۔ جب میں ڈاور میں گیا تو لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ فلاں خاندان سے احمدی ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے ان کو بڑا افسوس تھا کہ پڑھے لکھے خاندان سے یہ قادیانی ہو گیا ہے۔ کئی لوگوں نے مجھے کہا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں

نے حضرت مرزا صاحب کی کتب پڑھیں اور خدا تعالیٰ سے بھی دعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کی صداقت میرے پر کھولی اور میں احمدی ہو گیا۔ اگر آپ لوگ بھی کتابیں پڑھیں اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کر کے رہنمائی لیں تو آپ پر حقیقت واضح ہو جائیگی۔ انشاء اللہ

میں نماز فجر کے بعد ڈاور گاؤں کے بچوں کو پڑھاتا تھا۔ ناشتہ کے بعد گاؤں سے باہر دوڈیرے تھے وہاں بڑی بچیوں کو جو سکول نہیں پڑھتی تھیں ان کو پڑھاتا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ میں اوور کوٹ پہنے ہوئے اور اوپر ایک چادر اوڑھ کر اپنی سائیکل پر جا رہا تھا۔ سائیکل پرانی تھی اور اس کے پیڈل لکڑی کے تھے۔ جو سائیکل چلنے کے دوران آواز پیدا کرتے تھے۔ قریب ہی مولوی مخدوم کا گھر تھا۔ اس کے پاس سے میں گزرتا تھا۔ وہ ایک دن اپنے گھر کے پاس آگ جلا کر بیٹھا ہوا تھا اور ان کے پاس پانچ چھ آدمی بیٹھے آگ پر اپنی سردی کو ختم کرنے کے لئے ہاتھ وغیرہ سینک رہے تھے۔ جب میں سائیکل پر سے ان کے پاس سے گزرنے لگا تو مولوی نے مذاق کیا کہ مولوی صاحب کی سائیکل کو اب ریٹائرمنٹ دے دینی چاہیے۔ میں نے سائیکل روک کر قریب دیوار کے ساتھ لگائی اور مولوی کو السلام علیکم کہا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا اور آگ سینکنے لگا۔ مولوی نے اپنے پاس بیٹھے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ایک دفعہ لوگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ میں خدا تعالیٰ کا نبی ہوں۔ ہمیں اپنی صداقت کا کوئی نشان دکھائیں تو حضرت نبی کریم ﷺ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک آپ کی دائیں بغل سے اور دوسرا بائیں بغل سے گزر کر صفا مروہ پہاڑیوں پر جا گرا اور پھر اشارہ کیا تو آسمان پر چلا گیا یا ایک گوہ نے آپ کے اشارہ سے کلمہ شہادت پڑھنا شروع کر دیا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ۔ لوگوں نے کہا کہ بڑا جادوگر ہے بڑا جادوگر ہے۔



مولوی صاحب حضرت نبی کریم ﷺ کے معجزات سنانے لگے تو مجھے خیال آیا کہ مولوی صاحب نے حضرت نبی کریم ﷺ کے معجزات اس لئے سنانے شروع کئے تھے کہ معجزات سنا کر وہ مجھے کہیں گے آپ لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ ہمیں بھی ان کا کوئی معجزہ سنائیں۔ معجزات تو حضرت مسیح موعودؑ کے بھی ہیں لیکن معجزات اور نشانات ایمان لانے والوں کو ہی نظر آتے ہیں۔ انکار کرنے والے ہمیشہ یہی کہتے آئے ہیں کہ ہمیں کوئی معجزہ یا نشان دکھاؤ۔ میں نے سوچا کہ معجزات سب نبیوں کو ایک جیسے نہیں دیئے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کو اور قسم کے معجزات دیئے گئے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کو اور قسم کے دیئے گئے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اور قسم کے معجزات دیئے گئے تھے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کو معجزات دیئے گئے ہیں ایمان والوں کو تو نظر آتے ہیں لیکن انکار کرنے والوں کو نظر نہیں آتے۔ جب مولوی صاحب حضرت مسیح موعودؑ کو مانتے ہی نہیں تو وہ معجزات کس طرح سمجھ سکیں گے۔ مولوی صاحب ابھی معجزات سنا ہی رہے تھے اور مجھے ابھی تک سوال نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا مولوی صاحب یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ ہم لوگ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے اور ہم مسلمان ہیں۔ ہمیں کیا علم کہ ہمارے بزرگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی صداقت کے کون سے نشان اور معجزات دیکھے اور ایمان لائے تھے اور کس طرح ایمان لائے تھے۔ ہم ان کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ہم نے ان سے سنا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے یہ معجزات تھے۔ آپ نے چاند کی طرف اشارہ کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ آپ نے گوہ کو کلمہ پڑھایا۔ آپ نے کنکروں کو کلمہ پڑھایا اور کئی قسم کے معجزات انہوں نے دکھائے۔ ہم لوگ تو حضرت نبی کریم ﷺ کے معجزات مانتے ہیں۔ لیکن اس وقت دنیا کے لوگوں کی تعداد پانچ ارب تک پہنچ گئی ہے اور ان میں سے ایک ارب مسلمان ہیں اورر دوسرے سب غیر مسلم ہیں جو حضرت نبی کریم ﷺ کو نبی نہیں مانتے۔ مولوی صاحب اگر کوئی عیسائی یا یہودی یا ہندو یہ سوال کرے کہ اے مسلمانو تم لوگ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا

رسول مانتے ہو۔ہمیں بھی ان کی صداقت کا کوئی نشان بتائیں۔اگر ہم ان کو یہ کہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی صداقت کا یہ نشان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے آپ کو کہا کہ ہمیں اپنی صداقت کا کوئی نشان دکھائیں تو حضرت نبی کریم ﷺ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور چاند کے دوٹکڑے ہوگئے۔ایک آپ کی دائیں بغل سے اور دوسرا بائیں بغل سے گزر کر صفامروہ پہاڑیوں پر جاگرا اور پھر اشارہ کیا تو آسمان پر چلا گیا یا ایک گوہ نے آپ کے اشارہ سے کلمہ شہادت پڑھنا شروع کردیا۔اب نہ تو ہمارے پاس چاند کے ٹکڑے ہیں جو دکھائیں کہ یہ ٹکڑے حضرت نبی کریم ﷺ نے کئے تھے اور نہ ہمارے پاس کوئی ایسی گوہ ہے جو کلمہ شہادت پڑھتی ہو۔اگر ہم ان کو یہ معجزات سنائیں تو وہ تو نہیں مانیں گے وہ کہیں گے دیکھو مسلمان کتنے بیوقوف ہیں کہ اتنا بڑا چاند حضرت نبی کریم ﷺ کی بغلوں سے کس طرح گزر گیا۔اگر چاند زمین پر گرتا تو زمین تباہ ہوجاتی اور نظام شمسی درہم برہم ہوجاتا۔

مولوی صاحب! آپ کے کہنے کے مطابق جن لوگوں نے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے انہوں نے کہا کہ بڑا جادوگر ہے بڑا جادوگر۔آج چودہ سو سال بعد اس سائنسی زمانہ میں وہ یہ معجزات کس طرح مانیں گے۔مولوی صاحب یہ معجزات جو حضرت نبی کریم ﷺ نے دکھائے تھے۔ہم ان کی صداقت بیان کرنے کے لئے پیش نہیں کرسکتے۔مولوی صاحب مجھے یہ بتائیں کہ اس زمانہ میں اگر کوئی عیسائی یا یہودی یا ہندو آپ سے سوال کرے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا ہمیں کوئی نشان بتائیں تو آپ اس کو کیا جواب دینگے؟ تو مولوی صاحب نے اپنا منہ دوسری طرف کرلیا اور دوسرے لوگوں سے اور قسم کی باتیں کرنا شروع کردیں۔میں نے پھر توجہ دلائی کہ مولوی صاحب مجھے بتائیں کہ آپ کیا جواب دینگے۔وہ کہنے لگے ہمیں کیا ضرورت کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو تبلیغ کریں۔وہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں۔میں نے کہا کہ مولوی صاحب یہ ہمارا فرض ہے کہ اگر کوئی عیسائی یا یہودی یا ہندو ہم سے سوال کرے کہ تمہارے پاس حضرت محمد ﷺ کی



صداقت کا کیا نشان ہے۔تو ہم ان کو حضرت نبی کریم ﷺ کی صداقت کے نشان بتائیں۔کیونکہ ہم ان کو اللہ کا رسول مانتے ہیں اور ہماری جماعت کے مبلغین غیر ملکوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے نشان بیان کرتے ہیں اس لئے وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لارہے ہیں اور دین حق قبول کررہے ہیں۔آپ کہتے ہیں ہمیں کیا ضرورت۔مولوی صاحب نے بڑی مشکل سے جان چھڑائی کہ ہمیں کیا ضرورت۔عیسائی، یہودی، مسلمان ہوں یا نہ ہوں بہرحال میرا خیال تھا۔مولوی صاحب علمی طور پر جو خدائی کتابوں میں نبیوں کی صداقت بیان کی گئی ہے بیان کرینگے تو سب نبیوں کے نشان ملتے جلتے ہیں تو میں مولوی صاحب کو کہوں گا کہ مولوی صاحب یہ نشان تو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے بھی ہیں اور یہ باتیں حضرت مسیح موعودؑ میں پائی جاتی ہیں۔لیکن مولوی صاحب کو نبیوں کی صداقت کے معیار کا علم ہی نہیں تھا۔وہ کیا بیان کرتے اور کیا سناتے۔

**ڈاور میں تعلیم وتربیت وتبادلہ**

پھر میں پہلی بات کی طرف آتا ہوں۔ڈاور جماعت میں نہ تو معلم کی رہائش کا انتظام تھا اور نہ کوئی ایسی موزوں جگہ تھی جس میں وہ مجھے ٹھہراتے۔میں لوگوں کے گھروں میں کلاسیں لگاتا رہا۔دو ماہ کے بعد دوسرے گھر والوں کو مجبوری ہوگئی۔پھر تیسری جگہ ملی۔کل چھ ماہ ڈاور کی جماعت میں رہا پھر طاہر آباد والے صدر صاحب نے دفتر درخواست دی کہ ہمیں معلم دیا جائے۔اس پر ناظم صاحب نے کہا کہ معلم تو آپ کے پاس ہے۔انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے پاس نہیں آتے۔ناظم صاحب نے مجھے بلایا تو میں نے انہیں ساری رپورٹ بیان کردی۔اس پر ناظم صاحب نے طاہر آباد کے صدر کو خط لکھا کہ معلم کا تبادلہ کرنا ہمارا کام ہے۔آپ کے پاس معلم صاحب آئیں گے، بچوں کو پڑھائیں گے۔اس پر میں نے یہ پروگرام بنایا کہ رات کو میں اپنے گھر رہا کروں اور اگلے روز نماز فجر طاہر آباد میں ادا کیا کروں گا اور اس کے بعد طاہر آباد کے بچے پڑھا کر ڈاور میں پہلے ڈیرے والے بچوں کو پڑھایا کرونگا اور جب سکول

سے چھٹی ہو جائے تو ڈاور گاؤں کے بچوں کو پڑھایا کرونگا۔ چنانچہ میں نے اس پروگرام کے مطابق عمل شروع کردیا۔

چونکہ اس طرح سے ربوہ سے آمدورفت کا سفر روزانہ قریباً 20 کلومیٹر بن جاتا تھا اور میری سائیکل بھی پرانی تھی۔ چنانچہ میں نے ناظم صاحب کی خدمت میں درخواست کی کہ مجھے نئی سائیکل دی جائے۔ ناظم صاحب نے درخواست دیکھتے ہی ہیڈ کلرک مکرم صوبیدار شرافت احمد کو کہا کہ فوراً رپورٹ دو کہ کتنی سائیکلیں پڑی ہیں اور کتنی درخواستیں ہیں جو معلمین نے سائیکل حاصل کرنے کے لئے دی ہیں اور یہ بھی بتایا جائے کہ کون سے معلم اچھا کام کر رہے ہیں؟ رپورٹ دی گئی کہ 30 معلمین کی طرف سے سائیکل کے لئے درخواستیں آئی ہوئی ہیں جبکہ صرف پانچ سائیکلیں ہیں۔ اچھا کام کرنے والوں میں میرا نام بھی آ گیا۔ چنانچہ اسی وقت ہی مجھے نئی سائیکل عنائت فرمائی گئی۔ الحمد للہ

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ ناظم صاحب میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ 8 ماہ تک میں ربوہ ماحول میں کام کرتا رہا اور ہر روز 20 کلومیٹر سفر کرتا ہوا تین جگہوں پر پڑھانے جایا کرتا تھا۔ 8 ماہ کے بعد چک نمبر 5/3.L ضلع جھنگ والوں نے درخواست دی کہ ہمیں محمد نواز معلم دوبارہ دیا جائے۔ امیر صاحب ضلع اور قائد صاحب ضلع جھنگ کی کوششوں سے دوبارہ مجھے چک نمبر 5/3.L بھیج دیا گیا۔ چنانچہ میں نے دوبارہ وہاں جا کر کام شروع کر دیا۔

### خواب

چک نمبر 5/3.L گاؤں میں ایک سکول تھا۔ ہمارے اکثر احمدی افراد اسوقت ایک ڈیرے پر اپنی زمین میں رہتے تھے اور سکول گاؤں میں تھا۔ ڈاک وغیرہ سکول میں آتی تھی۔ میں سکول سے ڈاک لینے گیا تو وہاں ایک شیعہ ٹیچر تھے۔ اس کی اور میری وحی اور الہام کے موضوع پر بحث ہوتی رہی وہ کہتا تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد وحی والہام کا دروازہ بند ہے اور سچی خوابیں بھی کسی کو نہیں آسکتیں۔ اس پر میں نے کہا کہ شریعت والی وحی کا دروازہ بند ہے کیونکہ شریعت مکمل ہو چکی ہے۔ لیکن غیر تشریعی وحی والہام



اور سچی خوابوں وغیرہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ وحی والہام سے مشرف تھے۔ جہاں تک سچی خوابوں کا تعلق ہے تو وہ تو مجھے بھی آتی ہیں اور پوری ہوتی ہیں لیکن وہ یہی کہتا تھا کہ سچی خوابیں اب نہیں آسکتیں۔

اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ چوہدری محمد صادق صاحب صدر جماعت نے مجھے رسالہ ''لاہور'' دیا جس کے سرورق پر ذوالفقار علی بھٹو کے جنازے کا فوٹو ہے اور خیال یہ ہے کہ اسے پھانسی دے کر مارا گیا ہے۔ چنانچہ میں نے یہ خواب اس شیعہ ٹیچر کو جا سنائی اور کہا کہ دیکھنا یہ خواب پوری ہوتی ہے یا نہیں بہر حال یہ خواب میرا وہاں سے تبادلہ ہو جانے کے بعد پوری ہوئی۔ اس وقت میرا تبادلہ آنبہ کالیہ ضلع شیخوپورہ ہو گیا تھا۔

### دوسری خواب

ابھی میں چک نمبر L-5/3 ضلع جھنگ میں ہی تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے گاؤں میں ہوں۔ ہمارے گاؤں میں مولا داد موچی کا گھر ہے۔ ان کے گھر میں میں تازہ گڑ کی پیسیاں بنا رہا ہوں اور میری خالہ کے پاس ایک نومولود بچہ ہے اور پاس ہی میری بیوی لنگڑی ہو کر چل رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے والد صاحب کہتے ہیں کہ تو چھوٹی عمر میں بیمار رہی تھی اس لئے اب ٹانگ میں درد ہے۔ کچھ دنوں کے بعد گھر سے خط آیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا ہے تو میں گھر آیا تو بچہ کو دیکھا۔ یہ بچہ ہو بہو اسی طرح کا تھا جیسا میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ میں نے وہ خواب اپنی بیوی کو سنائی۔ اس نے کہا میرے پاؤں کے انگوٹھا میں چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے اس میں ریشہ پڑ گیا تھا۔ اس وجہ سے میں کئی دنوں سے لنگڑا کر چل رہی ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح خواب میں بچہ دکھایا تھا اسی طرح کا بچہ عطا فرمایا جس کا نام محمود احمد سلطان ہے۔ ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔ میری بیوی کو عزیزم محمود کی پیدائش کے وقت تک تکلیف رہی۔ وہ بھی خدا تعالیٰ نے مجھے خواب میں دکھا دی تھی۔ یہ سب برکتیں اور فضل حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لانے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جس مامور کو ہم نے مانا ہے اس کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ

الہام اور خوابوں کے ذریعے غائبانہ راز ہم پر کھولتا ہے۔ اگر ماننے والوں کو سچی خوابیں نہ آئیں تو ان کا ایمان کس طرح مضبوط ہوسکتا ہے؟ اس لئے ایمان لانے والوں کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لئے ان کو بھی سچی خوابیں دکھاتا ہے۔ الحمد للہ

## آنبہ کالیا ضلع شیخوپورہ میں تبادلہ

نومبر 1978ء میں میرا تبادلہ آنبہ کالیہ ضلع شیخو پورہ میں کر دیا گیا۔ آنبہ کالیہ شیخو پورہ سے (آنبہ) 15 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ میں اپنا بستر اور سامان لے کر پہنچ گیا۔ اس وقت وہاں احمد خاں صاحب منگلا معلم تھے۔ جن کی رہائش کالیہ میں تھی۔ آنبہ اور کالیا دونوں گاؤں ہیں۔ درمیانی فاصلہ 10 ایکڑ ہے اور دونوں گاؤں کے صدر جماعت ملک محمد موسیٰ خاں صاحب تھے اور کالیا میں رہتے تھے۔ معلم ہاؤس بھی کالیا میں ہی تھا۔ آنبہ گاؤں کی مسجد احمدیوں اور غیر احمدیوں کی مشترکہ ہے۔ آج تک وہ ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ آنبہ میں معلم ہاؤس تو نہ تھا لیکن معلم صاحب کے مشورہ سے میں نے اپنا سنٹر آنبہ میں رکھا۔ آنبہ کی مسجد احمدیوں اور غیر احمدیوں کی مشترکہ تھی اور مسجد کے ایک طرف احمدیہ لائبریری تھی جسمیں دو چار پائیاں آجاتی تھیں۔ چنانچہ میں نے اس میں اپنی رہائش رکھ لی۔ آنبہ مسجد میں بڑے محراب کے دونوں طرف دو چھوٹی چھوٹی محرابیاں ہیں۔ ایک دائیں طرف اور دوسری بائیں طرف واقع ہے۔ دائیں طرف غیر احمدی احباب جبکہ بائیں طرف احمدی احباب نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ صبح کا درس احمدیہ جماعت کا ہوتا تھا اور جمعہ بھی احمدیہ جماعت کے افراد بیت الذکر میں ہی ادا کرتے تھے۔ غیر احمدی کسی اور مسجد میں جمعہ پڑھتے تھے۔ رمضان کے مہینہ میں نماز تراویح اور عیدیں غیر احمدی مسجد میں پڑھتے تھے۔ جبکہ احمدی احباب بیت الذکر سے باہر نماز تراویح اور عیدیں ادا کرتے تھے۔ نماز مغرب غیر احمدی پہلے پڑھ لیا کرتے تھے اور احمدی بعد میں۔ دوسری نمازیں کبھی احمدی پہلے اور کبھی غیر احمدی پہلے ادا کر لیا کرتے تھے۔ جبکہ بیت الذکر میں درس ہمیشہ احمدیوں کا ہوتا تھا۔



اس طرح احمدی اور غیر احمدی بڑے سلوک سے رہا کرتے تھے اور آج یعنی 2009ء تک آنبہ کی مسجد دونوں فرقوں کی مشترکہ ہے اور مزے کی بات ہے کہ کبھی آج تک لڑائی جھگڑا نہیں ہوا۔ جب میں آنبہ میں گیا تو جماعت احمدیہ پر پابندیاں نہ تھیں اور میں نماز فجر کے بعد سپیکر میں درس قرآن دیا کرتا تھا اور اس کے معاً بعد کلاس لیتا تھا جس میں احمدی و غیر احمدی بچے دونوں شامل ہوا کرتے تھے۔ شروع کلاس میں دعا کے طور پر سپیکر میں ''وہ پیشوا ہمارا......'' کلام حضرت مسیح موعودؑ بڑے ترنم کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ پہلے میں نظم کا شعر پڑھتا پھر بچے میرے پیچھے یہ شعر دہراتے اور خوش الحانی کے ساتھ نظم پڑھی جاتی تھی جسے احمدی و غیر احمدی بہت پسند کیا کرتے تھے۔ جس دن نظم سپیکر پر نہ پڑھی جاتی تو غیر احمدی مطالبہ کرتے کہ وہ نظم ضرور پڑھی جائے۔ پہلی کلاس بیت الذکر آنبہ میں لگائی جاتی تھی۔ بچوں کو ترجمہ قرآن، ناظرہ اور قاعدہ یسرنا القرآن کے بعد نماز سپیکر میں کہلوائی جاتی تھی۔ اس کلاس میں 30 کی تعداد میں احمدی و غیر احمدی بچے پڑھنے والے ہوتے تھے۔ پھر آنبہ سے سائیکل پر کالیہ گاؤں جاتا تھا۔ وہاں ملک محمد موسیٰ صاحب صدر جماعت کی بیٹی بچوں اور بچیوں کی نگرانی کیا کرتی تھی اور قاعدہ اور ناظرہ قرآن پڑھاتی تھیں۔ جبکہ ترجمہ پڑھنے والوں کو میں پڑھاتا تھا۔ ناشتہ کے بعد چوہدری عبدالغفور صاحب کے گھر 5 بچیاں ترجمۃ القرآن پڑھتی تھیں اور نماز ظہر کے بعد رائے عبداللطیف صاحب کے گھر چھوٹی اور بڑی بچیوں کی کلاس لگائی جاتی تھی۔ اسی طرح نماز عصر کے بعد حکیم عبدالمنان صاحب کے گھر بڑی بچیاں ترجمۃ القرآن پڑھنے والی اور ناظرہ و قاعدہ پڑھنے والوں کی کلاس لگائی جاتی تھی۔ اسی طرح سارا دن بچوں کو پڑھانے میں مصروف ہوتا تھا۔

## ترجمۃ القرآن مکمل کیا

چونکہ دفتر وقف جدید میں معلم کلاس کے دوران سورۃ الاعراف تک کل 9 پارے تک ترجمہ سیکھا ہوا تھا اور ترجمۃ القرآن اپنی پہلی تقرری کے دوران ہی میں نے پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ چک نمبر 5/3.L ضلع جھنگ

میں 9 پارہ تک ترجمۃ القرآن سیکھایا تھا۔وہاں سے میرا تبادلہ ہوگیا۔جماعت احمدیہ آنبہ کالیہ میں بھی ترجمۃ القرآن پڑھا رہا تھا اور 5/6 پارے بچیاں پڑھ چکی تھیں۔ایک دن میں حکیم عبدالمنان صاحب کے گھر بڑی بچیوں کو ترجمۃ القرآن پڑھا رہا تھا تو شیخوپورہ سے ان کی ایک بھانجی جو مکرم محمد یوسف صاحب شاہد مربی سلسلہ کی چھوٹی ہمشیرہ تھی، اپنے ماموں کے گھر آنبہ گئی۔اس کو پتہ چلا کہ معلم صاحب بچیوں کو ترجمۃ القرآن پڑھاتے ہیں۔وہ کلاس کے دوران ترجمۃ القرآن لے کر آئیں اور مجھے کہا کہ ماموں جی مجھے سورۃ یٰسین کا ترجمہ سیکھادیں۔میں نے چھٹیوں کے کچھ دن یہاں گزاروں گی۔وہ میٹرک کا امتحان دے کر آئی تھی۔میں ہمیشہ سے پڑھاتے وقت ترجمۃ القرآن اپنے پاس نہیں رکھتا تھا صرف ناظرہ قرآن سے ترجمہ پڑھاتا تھا۔اور پڑھائی کے دوران پڑھنے والوں کو بھی ناظرہ قرآن سے ہی ترجمہ سنتا تھا۔میں نے جب دیکھا کہ وہ ترجمۃ القرآن لے کر آئی ہے تو میں نے اس سے قرآن کریم لیا اور کہا کہ بیٹی سادہ قرآن لے آئیں میں اس سے آپ کو پڑھاؤں گا۔اس کے قرآن لانے کے دوران میں نے سورہ یٰسین کی ابتدائی آیات کا ترجمہ دیکھ لیا اور ترجمۃ القرآن واپس کردیا۔ناظرہ قرآن سے اسے سبق دیا۔اس طرح سے کسی کو معلوم نہ ہونے دیا کہ میں نے سورہ یٰسین تک ترجمۃ القرآن نہیں سیکھا ہوا۔اسی وقت میں نے پکا ارادہ کرلیا کہ قرآن کریم کا ترجمہ مکمل کروں گا۔کیونکہ ہوسکتا ہے کسی اور جماعت میں جاؤں اور وہاں بچے کہیں کہ ہم نے مکمل ترجمہ قرآن سیکھنا ہے تو کیا میں کہوں گا کہ مجھے قرآن مکمل نہیں آتا۔مجھے ترجمۃ القرآن مکمل طور پر آنا چاہیے۔پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیر احمدی مولوی کوئی آیت پڑھے اور وہ بحث کرے اور وہ آیت قرآن کریم میں ایسی جگہ پر ہو جس کا مجھے ترجمہ ہی نہ آتا ہو تو میں کس طرح اس آیت کے بارہ میں کچھ کہہ یا بتا سکتا ہوں۔چنانچہ میں نے جماعت آنبہ کالیہ میں ترجمۃ القرآن اور تفسیر صغیر کو دیکھ کر چھ ماہ میں ترجمۃ القرآن مکمل کرلیا۔اس دوران میری یہ حالت تھی کہ سوتے میں بھی میں ترجمۃ القرآن پڑھ



رہا ہوتا تھا۔محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے ترجمہ قرآن کریم لفظ بلفظ آتا ہے۔یہ اللہ کا ہی فضل ہے کہ اس نے مجھے قرآن کریم سیکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔الحمد للہ علی ذلک

## غیر احمدی مولویوں سے مکالمہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں عبدالمنان صاحب کے گھر سے بچیوں کو پڑھا کر بیت الذکر میں آیا۔نماز مغرب کا وقت تھا۔بیت الذکر سے ایک آدمی نے اذان دی جو بہت خوش الحان آواز میں تھی۔جب میں مسجد میں آیا تو پتہ چلا کہ تین افراد باریش بیٹھے ہیں۔میں نے بڑی داڑھیوں کو دیکھ کر محسوس کیا کہ غیر احمدی مولوی آئے ہیں۔میں سب کو گلے لگ کر مِلا۔چونکہ اذان ہو چکی تھی۔مغرب کی نماز پہلے غیر احمدی پڑھتے تھے۔جب وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کر لیتے تھے پھر ہم نماز شروع کرتے تھے کیونکہ باہر سے آنے والے مولویوں کو پتہ نہیں تھا کہ اس مسجد میں دو فرقے نماز پڑھتے ہیں۔مولوی صاحب نے نماز پڑھانے کے بعد درس دینا شروع کردیا۔میں نے احمدی احباب سے کہا کہ تکبیر کہیں۔تکبیر کے بعد میں نے وہاں مسجد میں نماز پڑھانی شروع کردی۔غیر احمدی افراد نے مولوی صاحب کو کہا کہ سپیکر بند کردیں اور اپنا درس بھی روک دیں کیونکہ (احمدی) نماز ادا کررہے ہیں۔چنانچہ مولوی نے درس بند کردیا۔ہم نے نماز ادا کی۔اس کے بعد میں کھانا کھانے چلا گیا۔جب کھانا کھا کر واپس مسجد میں آیا تو مولوی صاحبان کھانا تناول کررہے تھے۔ایک نے مجھے عربی میں کہا کہ کھانا کھالیں۔میں نے اپنی زبان میں کہا کہ میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔تو وہ کہنے لگا کہ آپ ان میں کس طرح پھنس گئے ہیں؟ کیونکہ میری غیر موجودگی میں انہیں بتایا تھا کہ اس مسجد میں احمدی بھی نماز پڑھتے ہیں اور ان کا مولوی نیا احمدی ہوا ہے۔میں نے مولوی صاحب کو کہا کہ آپ کھانا کھائیں۔میں بھی یہاں مسجد میں ہی رہتا ہوں۔بعد میں بات کریں گے۔نماز عشاء ہم نے پہلے پڑھ لی اور غیر احمدیوں نے بعد میں پڑھی۔میں اور کچھ اور احمدی افراد نماز ادا کرنے کے بعد بیٹھے رہے کہ مولوی صاحبان سے کوئی بات چیت

ہوگی۔ میرے پاس رسالہ لاہور ثاقب زیروی صاحب کا تھا۔ میں اسی کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جب غیر احمدی نماز پڑھ چکے تو مولوی میری طرف آیا اور میرے پاس بیٹھ کر کہا کہ موسیٰؑ کے زمانہ میں ایک شخص بلعم باعور گزرا ہے وہ بہت نیک تھا اور اس کا قد بہت لمبا تھا کہ سمندر اس کو ٹخنوں تک آتا تھا اور سمندر سے مچھلی پکڑ کر سورج کی گرمی سے بھون کر کھاتا تھا۔ وہ گمراہ ہوگیا۔ آپ بہت نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ مذہب اسلام چھوڑ کر کس طرح مرزائی ہوگئے ہیں؟ میں نے کہا مولوی آپ بڑی اچھی کہانی سناتے ہو۔ یہ کہانی اور لوگوں کو بھی سناتے رہے ہوگے۔ وہ کہنے لگا جی ہاں۔ میں نے کہا مولوی آپ کی یہ کہانی سن کر لوگ بہت خوش ہوتے ہونگے کہ مولوی نے بہت اچھی کہانی سنائی ہے۔ مولوی نے کہا ہاں جی۔ میں نے کہا مولوی صاحب کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ یہ سچی بات ہوگی یا جھوٹی؟ اس پر وہ کہنے لگا کہ غور تو میں نے نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ آج غور کریں۔ میرے پاس جو رسالہ تھا اس میں لکھا تھا کہ سمندر کی گہرائی کی جو تحقیق ہو چکی ہے وہ ساٹھ میل ہے۔ ابھی علم نہیں کہ سمندر کتنا گہرا ہے۔ جو میں رسالہ میں پڑھ چکا تھا میں نے وہ رسالہ مولوی کے سامنے رکھا اور کہا کہ سمندر کے متعلق اگر سمجھ لیا جائے کہ اس کی گہرائی ساٹھ میل ہے اور جس شخص کو سمندر ٹخنے تک آتا تھا اس کا گھٹنا کتنہ لمبا ہوگا! پھر کمر کہاں ہوگی؟ پھر اس کا سر کتنا اونچا ہوگا؟ اور وہ کس ماں نے جنا ہوگا اور وہ کہاں سوتا ہوگا؟ اور کہاں سے وہ کپڑا لا کر تہبند وغیرہ باندھتا ہوگا۔ مولوی کہنے لگا کہ یہ بات سچی نہیں ہوسکتی۔ میں نے کہا ایسی باتیں تفاسیر میں لکھی ہوئی ہیں جن کو عقل ماننے کو تیار نہ ہے۔ ایسی تفاسیر میں حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کا ذکر ہے اور ایسی تفاسیر میں ختم نبوت کے مسائل ہیں۔ اب جو بات آپ میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں، قرآن کریم نکالتے ہیں اور قرآن کریم جو فیصلہ کرے مان لیں گے۔ مولوی پہلے ہی دباؤ میں آچکا تھا اور اپنی کہی بات پر شرمندہ تھے اور وہ اس کے بعد کوئی بات کرنا نہ چاہتے تھے۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے تھکاوٹ ہے میں آرام کرنے لگا ہوں۔ غیر



احمدی لڑکے بھی ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا بھی کہ مولوی صاحب معلم صاحب سے سوال و جواب کریں۔ ہمیں بھی کوئی پتہ چلے کہ سچائی کس میں ہے؟ اس پر مولوی نے کہا کہ مجھے تھکاوٹ ہے میں سفر کر کے آیا ہوں۔ میں نے آرام کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دین کے کاموں میں آپ کو تھکاوٹ ہو جاتی ہے لیکن مولوی اپنے بستر میں جا کر لیٹ گیا جو مسجد میں بچھایا گیا تھا اور غیر احمدی لڑکے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ ہمارے مولویوں کے پاس کچھ بھی نہیں سوائے باتوں کے۔

## عیسائی پادری سے مکالمہ

ایک دن میں سیم نالہ کے قریب سفر کر رہا تھا اور سائیکل پر شیخوپورہ جارہا تھا۔ جب بھوئیں پور گاؤں کے قریب پہنچا تو سیم نالہ کے کنارہ پر تین چار آدمی کھڑے دیکھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ان کو دعوت الی اللہ کی جائے۔ اس نیت سے میں سائیکل سے نیچے اترا اور راستہ بھی پوچھا کیونکہ مجھے علم بھی نہ تھا کہ یہ لوگ عیسائی ہیں۔ میں نے انہیں دعوت الی اللہ کرنا شروع کر دی کہ نماز وغیرہ ادا کیا کرو۔ انہیں بھی میرے بارہ میں نہیں پتہ تھا کہ میں احمدی ہوں۔ انہوں نے سمجھا کہ کوئی سنی یا وہابی مسلمان ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کریم محمد صاحب نے خود بنایا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ سورۃ جن اور سورۃ یٰسین محمد صاحب نے اپنی عقل سے بنائی ہے اور دوسرا حصہ قرآن پہلی کتابوں تورات، انجیل اور زبور سے لے کر قرآن میں لکھا ہے۔ پہلے تو میں سمجھتا تھا کہ یہ مسلمان ہونگے۔ جب انہوں نے قرآن کریم کے متعلق اعتراض کیا تو مجھے پتہ چل گیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں عیسائی ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ مسلمان نہیں ہیں اور نہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سچا رسول اور قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں۔ آپ نے اعتراض کیا ہے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ ہمارا حق یہ ہے کہ قرآن کریم کی سچائی بیان کریں۔ اگر سورۃ جن اور سورۃ یٰسین محمد (ﷺ) نے اپنی عقل سے بنائی ہے۔ میں ان سورتوں سے تم سے کوئی بات نہ کرونگا۔ آپ نے کہا ہے کہ دوسرا

حصہ قرآن کریم کا تورات، زبور اور انجیل سے لیا گیا ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ قرآن کریم کی شروع کی آیت الم۔ ذلک الکتاب لا ریب فیہ نہ تو سورۃ جن ہے اور نہ ہی سورۃ یٰسین۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری کس کتاب سے یہ آیات نکال کر یہاں لگائی ہیں۔ تورات سے لی ہیں یا زبور سے لی ہیں یا انجیل سے لی ہیں؟ وہ کہنے لگے ان کتابوں کی زبان عربی نہیں ہے۔ قرآن تو عربی زبان میں ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ مجھے آپ یہ بتائیں کہ ان کتابوں کی زبان عربی نہیں ہے۔ وہ مفہوم جو اس آیت کا ہے وہ تمہاری کس کتاب سے نکالا گیا ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ چلو یہ بتاؤ کہ سورۃ الاخلاص یہ سورۃ جن ہے نہ سورۃ یٰسین۔ ان آیات کا مفہوم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری کس کتاب سے نکال کر قرآن کریم میں لگایا ہے؟ وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ میں نے کہا کہ جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا اس زمانہ کے لوگوں نے بھی یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ کلام خدا کا کلام نہیں۔ حضرت محمد ﷺ خود بناتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی مدد کرتے ہیں تو خداتعالیٰ نے بطور چیلنج کے فرمایا تھا کہ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ .... اے لوگو اگر تم کو اس کلام کے بارہ میں شک ہو جو میں نے اپنے بندہ پر اتارا ہے تو اس کی مانند ایک سورۃ ہی لے آؤ اور پنے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

اور آج میں بھی تمہیں یہ کہتا ہوں کہ اپنے سارے پادریوں کو اکٹھا کر لو اور قرآن کریم کی سورۃ جیسی ایک سورۃ بنا کر لے آؤ اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ اگر قرآن کریم خدا کا کلام نہ ہو گا پھر تو تم بھی بنا لو گے۔ ابھی تک ان کو علم نہیں تھا کہ میں احمدی ہوں۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ سنی یا وہابی مولوی ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگے محمد صاحب کی تو چودہ صدیاں ہیں آپ کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ آسمان پر ہیں اور وہ



آسمان سے اتریں گے اور آپ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ تو آپ بھی اس وقت عیسائی ہو جائینگے (یہ 1979ء کا واقعہ ہے۔ چودھویں صدی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی بعد میں ہوئی تھی) میں نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے چودھویں صدی تک ذکر کیا تھا کہ چودھویں صدی میں ایک شخص آئے گا۔ چودھویں صدی کے بعد کے واقعات وہ بتائے گا۔ انہوں نے کہا کہ وہ کون؟ میں نے کہا حضرت امام مہدی ؑ اور وہ آ گیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ جو لوگ آج موجود ہیں وہ مریں گے لیکن وہ حضرت عیسیٰ ؑ کو آسمان سے اترتا نہیں دیکھیں گے اور پھر ان کی اولادیں ہونگی اور وہ بھی مریں گی لیکن وہ حضرت عیسیٰ ؑ کو آسمان سے اترتا نہیں دیکھیں گی۔ اور پھر ان کی اولادوں کی اولاد ہو گی لیکن وہ بھی حضرت عیسیٰ ؑ کو آسمان سے اترتا نہیں دیکھیں گے۔ اور آج کے دن سے تین سو سال نہیں گزریں گے کیا عیسائی اور یہودی اور مسلمان اسی طرف دوڑیں گے۔ ایک ہی امام ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ خدا نے چاہا ہے کہ یہ بیج اس کے ہاتھ سے بویا جائے۔ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 65) اور یہ بات آپ نے 1903ء میں ارشاد فرمائی تھی۔ اب قریباً اسّی سال گزر چکے ہیں آپ کے کہنے کے مطابق اب تک حضرت عیسیٰ ؑ آسمان سے نہیں اترے۔ کہنے لگے وہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ جنہوں نے خدا سے خبر پا کر کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ فوت ہو چکے ہیں اور آسمان پر زندہ نہیں ہیں اور نہ ہی آسمان سے زندہ واپس آئیں گے۔ پھر ان کو اس طرح سے پتہ چلا کہ میں احمدی ہوں۔ پھر وہ کہنے لگے کہ ہم احمدی ہو جائیں گے ہماری مدد کی جائے۔ میں نے کہا کہ صرف احمدی کرنے کیلئے مدد نہیں کی جاتی۔

## میرے بھائیوں کی شادی

میں جماعت احمدیہ آنبہ کالیہ میں ہی تھا کہ میرے دو بھائیوں اور ایک بہن اور بیوی کے ایک بھائی اور تین

بہنوں کی شادیاں تھیں۔ جب احمدی ہو جانے کی وجہ سے مجھے گاؤں سے نکال دیا گیا تھا۔ ہم اپنے گاؤں چلے تو جاتے تھے لیکن کسی کی وفات ہو جاتی تو افسوس کے لئے جاتے تھے۔ جس پر لوگ ہماری مخالفت کیا کرتے تھے۔ ہم کہہ دیے تھے کہ ہمیں تمہاری مخالفت کی کوئی بھی پرواہ نہیں ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ ہماری مخالفت کی جارہی ہے۔ یہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ جب کوئی مامور من اللہ دنیا میں آیا ہے لوگوں نے اس کی مخالفت کی جارہی ہے۔ اگر آپ لوگ ہماری مخالفت کرتے ہو تو یہ آپ کا حق ہے۔ کیونکہ ہم نے بھی ایسے شخص کو مانا ہے کہ جس کا دعویٰ ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ اس لئے جتنی بھی ہماری مخالفت کرو گے ہم برداشت کرینگے اور ہم ان کی مخالفانہ باتیں سن کر درگزر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم گمراہ ہو گئے ہیں تو آپ کا حق ہے کہ ہمیں تبلیغ کریں اور ہمارے ساتھ قرآن کریم پر بات کریں اور ہمیں سمجھائیں۔ اگر آپ ہمیں قرآن کے ذریعے جھوٹا ثابت کرو گے اور ہمارے ساتھ دلائل کے ساتھ بات کرو گے۔ اگر ہمارے دل میں یہ بات آگئی کہ ہم حق کو چھوڑ کر دوسری طرف چلے گئے ہیں تو پھر ہی ہم احمدیت چھوڑ سکتے ہیں۔ اگر دلائل کے ذریعہ تم ہمیں نہیں سمجھا سکتے تو ہم جس پر ایمان لا چکے ہیں ہم اس کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے خواہ تم ہمیں قتل ہی کیوں نہ کردو۔ اگر آپ لوگ ہمیں دلائل کے ذریعہ نہیں سمجھا سکتے تو ہمیں اپنی حالت میں رہنے دو۔ جب بھی ہم اپنے گاؤں جاتے تو بہت بحث ہوتی اور باتیں سن سن کر ہمارے رشتہ دار ہمارے ساتھ ملنے جلنے لگ پڑے تھے۔ لیکن ہمارے چچا (جو میرے خسر بھی تھے) انہوں نے ہمیں اپنے گاؤں سے نکالا تھا، وہ ہمارے ساتھ ناراض تھے۔ ان کے علاوہ ہمارے والد کے دوسرے بھائی بھی احمدی ہونے کی وجہ سے ناراض تھے کہ یہ احمدی کیوں ہو گئے ہیں۔ پہلی بار ہمیں شادی پر بلایا گیا تھا۔ میرا چھوٹا بھائی احمد خاں میرے پاس آنبہ کالیہ آیا اور ہمیں بتایا کہ ہماری شادی ہے اور بڑے بھائی ہونے کے ناطے آپ ہماری شادی میں ضرور شامل ہوں۔ میں نے کہا کہ مجھے



بہت خوشی ہے کہ آپ کی شادی ہو رہی ہے اور مجھے شادی پر بلایا گیا ہے۔ میں آپکا بڑا بھائی ہوں۔ آپ کی شادیوں میں ضرور شامل ہونگا اور جو بھی میں آپ کی مدد کرسکا وہ بھی ضرور کرونگا۔ وہ تو مجھے اپنی شادی کی دعوت دیکر چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد جب میں اپنے گھر ربوہ جانے لگا تو راستہ میں دارالاحسان اسٹیشن کے قریب چک نمبر 131 ر۔ب بھچوانہ ضلع فیصل آباد ہے۔ اس گاؤں کے پاس سے ہی گزر کر میں نے ربوہ جانا تھا۔ پھر وہاں سے 8 کلومیٹر دور ہمارا اپنا گاؤں کوٹ بدرالدین ہے جہاں ہمارے سارے خاندان کے لوگ رہتے ہیں۔ جب میں دارالاحسان کے قریب پہنچا تو مجھے خیال آیا کہ میرے خسر نے میرے دوسرے بھائی کو اپنی بیٹی کا بھی رشتہ دیدیا ہے اور ہمیں بھی شادی پر بلایا ہے۔ میں اپنے سسرالی گاؤں میں جاؤں لیکن میں اپنے خسر سے ڈرتا تھا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ لڑائی جھگڑا ہو۔ پہلے انہوں نے ایک بار ڈنڈوں سے مجھے مارا تھا کہ کیوں میں احمدی ہوا ہوں۔ چونکہ وہ میرے چچا اور خسر بھی تھے اس لئے ان کے ساتھ کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جو بے ادبی کا موجب بنے۔ ہم ان کا احترم والد کے برابر کیا کرتے تھے۔ لیکن احمدیت قبول کرنا ایمانیات کا حصہ ہے۔ اس کا تعلق آخرت سے ہے۔ ہم ان کے کہنے پر احمدیت نہ چھوڑ سکتے تھے۔ اس وجہ سے ہی ہم نے اپنے گاؤں کو چھوڑ دیا اور ربوہ آگئے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی بیوی جو تیسری بیوی تھیں وہ میری والدہ کے ماموں کی بیٹی تھیں۔ پہلے تو وہ بھی مخالف تھیں لیکن وہ ملتی جلتی تھیں اور بیوی کے چھوٹے بہن بھائی ملتے جلتے تھے۔ لیکن چچا سے ڈرتے بھی تھے۔ انہوں نے چچا کو ہمارے ساتھ صلح کرنے کو راغب کیا تھا۔

## ایک امتحان جو گزر گیا

میں سورج ڈوبنے کے بعد اپنے چچا کے گھر چک 131 ر۔ب بھچوآنہ پہنچا۔ چچا گھر پر ہی تھے۔ میں نے آگے ہو کر السلام علیکم کہا اور پیار لیا۔ انہوں نے سر پر ہاتھ رکھا۔ پھر میں باقی گھر والوں کو ملا اور ڈرتے ہوئے رات گزاری۔ ایسی کوئی بات ہو جائے کہ جس سے لڑائی بڑھ جائے۔ چنانچہ اگلے

روز صبح سویرے وہاں سے نکل کر اپنے گاؤں کوٹ بدرالدین پہنچا اور اپنے والدین اور بھائیوں سے ملا اور رات کو وہیں ٹھہر گیا۔ چچا نے اپنے گھر چک 131 ر۔ب بھچوانہ میں تو میرے ساتھ کوئی ایسی بات نہ کی لیکن وہ دوسرے روز ہمارے گاؤں کوٹ بدرالدین پہنچ گئے۔ ان کا اصل گاؤں تو یہی تھا لیکن مولوی اور حکیم ہونے کی وجہ سے وہ اپنا گاؤں چھوڑ کر چک 131 ر۔ب بھچوانہ چلے گئے تھے۔ کوٹ بدرالدین میں ان کے بھائی اور دیگر سب رشتہ دار تھے۔ چنانچہ چچا بھی وہیں ہمارے گاؤں پہنچ گئے اور اپنے ایک بھائی کے گھر مجھے بلوایا۔ میں، والد اور میرا چھوٹا بھائی مل کر ان کے گھر گئے۔ چچا نے کہا کہ مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ وٹے میں دیں کیونکہ ہمارے خاندان میں وٹہ سٹہ کے طور پر رشتہ کر لیتے ہیں۔ انہوں نے جو ہمیں رشتہ دیا تھا وہ وٹہ کے طور پر نہیں دیا تھا اور دوسری بیٹی میری دوسرے بھائی کو بھی دے رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے سوچا ہوگا کہ یہ خود تو احمدی ہو گئے ہیں، اپنی لڑکیاں اپنے خاندان میں دیں۔ اس وجہ سے وٹہ سٹہ کے طور پر میرے بیٹی کا رشتہ لینے کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا چچا آپ کو علم ہے کہ ہم احمدی ہو چکے ہیں۔ آپ ہی نے کہا تھا کہ یا ہمیں چھوڑ دو یا پھر احمدیت کو چھوڑ دو۔ ہم احمدیت تو نہ چھوڑ سکتے تھے لہٰذا ہم نے آپ سے تعلق توڑ لیا۔ ہماری جماعت ہمیں غیر از جماعت میں رشتہ کرنے سے روکتی ہے۔ پھر اگر کوئی ایسا کرے تو اسے جماعت سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس لئے اگر ہم نے احمدیت چھوڑنی ہی ہوتی تو ہم آپ کو چھوڑ کر ربوہ نہ جاتے۔ ہم نے احمدیت کے لئے بہت قربانیاں دی ہیں، تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ اس لئے ہم قطعاً احمدیت نہیں چھوڑ سکتے۔ لہٰذا میں اپنی بیٹی کا رشتہ غیر احمدیوں میں ہرگز نہیں دے سکتا۔ چچا نے کہا کہ میں رشتہ لونگا۔ کیونکہ میں نے تمہیں اپنی بیٹی کا رشتہ دیا ہے۔ لہٰذا میں وٹہ لونگا۔ میں نے کہا کہ آپ نے رشتہ وٹہ سٹہ پر نہیں دیا تھا بلکہ خدا کے نام پر مفت دیا تھا۔ چچا نے کہا کہ میں بھی آپ سے خدا کے نام پر رشتہ مانگتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو اپنی مرضی سے خدا کے نام پر رشتہ دیا تھا جس کا آپ کو ثواب



ہوگا۔ زبردستی تو خدا کے نام پر رشتہ نہیں دیا جاتا۔ ثواب اس کام میں ہوتا ہے جو اپنی مرضی سے کیا جائے۔ اس لئے میں اپنی بیٹی کا رشتہ خدا کے نام پر نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کہا میں لوں گا۔ میں نے کہا میں نہیں دے سکتا اور اٹھ کر اپنے گھر واپس آ گیا۔ گھر آ کر میں نے اپنے والد اور بھائیوں سے کہہ دیا کہ ایسی حالت میں میں آپ کی شادیوں میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اگر شادی میں شامل ہونگے تو اس طرح ہمیں مجبور کیا جائیگا کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ دوں۔ بیٹی کا رشتہ نہ دینے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ چچا کہیں کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ (بھائی کے لئے) نہیں دیتا۔ اور بارات کے وقت ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے۔ میں کسی غیر احمدی کو اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں دے سکتا۔ اس وجہ سے میں شادیوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اپنی توفیق کے مطابق جو مالی مدد میں اپنے بھائیوں کی اس وقت کر سکتا تھا میں نے کی اور ربوہ آ گیا۔

ربوہ آ کر میں نے اپنی بیوی کو سارا واقعہ کہہ سنایا اور کہا کہ اگر ہم شادیوں میں شامل ہونگے تو وہاں ہم سے بیٹی کا رشتہ مانگا جائے گا۔ اور ہم غیر احمدیوں میں رشتہ نہیں کر سکتے۔ ہم تین بھائیوں کی ایک ہی بہن تھی جس کی شادی ہونے والی تھی۔ یہ وقت ہمارے لئے بڑی آزمائش کا تھا۔ اور یہ آزمائش میرے چچا اور خسر کی طرف سے پیدا ہوئی تھی۔ احمدیت کے بعد ہمیں پہلی دفعہ گاؤں میں شادی میں شمولیت کے لئے بلایا گیا تھا۔ اس خدشہ کے پیش نظر کہ وہاں مزید ابتلاء اور آزمائش میں نہ پڑ جائیں، ہم نے وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اس طرح ہم نے ان شادیوں میں شرکت نہ کی۔

خاندان والوں نے محسوس کیا کہ ہم شادیوں میں شامل نہیں ہوئے۔ کیونکہ ہمارے خاندان کے لوگ آپس میں رشتہ داریاں کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ایک دوسرے کا بہت احساس کرتے ہیں۔ میری بیوی کے بھائی نے بھی محسوس کیا کہ اس کی بہن شادی میں شامل نہیں ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ ہم شادی میں ضرور شامل ہونگے لیکن ہم شادی میں شامل نہ

ہوئے۔ دوسرے روز ہمارے خاندان کی ایک عورت آئی جو میری بیوی بچوں کو ساتھ لے گئی اور جب بیوی اپنے میکے گئیں تو ان کے والد (میرے چچا) نے ان سے کہا کہ میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔ اس شادی کے بعد ہمارے خاندان کے اکثر لوگوں کے تعلقات ہمارے ساتھ ٹھیک ہو گئے اور ان کو علم ہو گیا کہ یہ اب اپنے عقیدہ پر پکے ہو گئے ہیں۔ یہ کسی حال میں بھی اب احمدیت کو چھوڑنے والے نہیں۔ اس کے بعد کسی رشتہ دار نے رشتہ لینے کا مطالبہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری دو بیٹیوں کی اور ایک بیٹے کی شادی ربوہ میں ہو چکی ہے اور میرے سارے خاندان کے لوگ شادیوں میں شامل بھی ہوئے تھے۔ اللہ نے ہمیں اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رشتہ داروں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ یہ اچھا نہیں ہوا کہ وہ شادی میں شامل نہیں ہوئے اس کے بعد ہمارے خاندان کے اکثر لوگوں نے مخالفت چھوڑ دی۔

## محمود احمد سلطان کا عقیقہ

ہم نے اپنے بیٹے محمود احمد کا عقیقہ ربوہ میں کیا اور اس غرض سے کیا کہ ہمارے خاندان کے لوگ کسی نہ کسی طرح ربوہ آئیں۔ ہم نے عقیقہ پر اپنے رشتہ داروں کو بلایا اور پہلی بار ہمارے خاندان کے رشتہ دار ہمارے پاس ربوہ آئے اور پھر میں نے اپنی بیٹیوں اور بیٹے کی شادیوں پر بھی رشتہ داروں کو بلایا۔ ان سب نے شادیوں میں شرکت کی۔ اس کے بعد وہ ہمیں بھی اپنی شادیوں میں بلاتے ہیں۔ عقیدۃً وہ اپنے عقیدہ پر قائم ہیں اور ہم اپنے عقیدہ پر قائم ہیں۔ باوجود عقیدہ کے اختلاف کے ہمارے رشتہ دار اسی طرح پیار و محبت سے پیش آتے ہیں جس طرح کوئی ایک احمدی کسی دوسرے احمدی سے پیار کرتا ہے۔ چچا جنہوں نے ہمیں گاؤں سے نکالا تھا وہ ہم سے اسی طرح پیار و محبت سے پیش آتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ ان کو ہم سے محبت ہے۔ وہ اپنی ساری اولاد سے بشمول میری بیوی اور میرے ساتھ بہت پیار کرتے ہیں۔ ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو ہم نے ان کے سامنے کوئی ایسی بات



نہیں کی کہ جو ان کی بے ادبی ہو اور غریبوں اور مسکینوں کی طرح اپنا ایمان بچاتے ہوئے گاؤں چھوڑ کر آ گئے۔ ہو سکتا ہے وہ دل سے ڈرتے ہوں کہ میں نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے اور وہ دل میں خدا سے ڈرتے ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہم سے ناراض ہو۔ کیونکہ آج کل ان کا یہی کام ہے کہ نمازیں پنجوقتہ اور نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ سارا دن قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ ان کی عمر 87 سال کے قریب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دل سے احمدیت کو سچا جانتے ہوں لیکن ظاہر نہ کرتے ہوں۔ ہماری تو یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی ساری اولاد بھی احمدی ہو جائے۔ آمین۔

ہم آزادی کے ساتھ اپنے گاؤں جاتے ہیں اور اپنے عقیدہ پر قائم ہیں اور جب گاؤں جاتے ہیں تو بغیر کسی جھجک کے وہاں دعوت الی اللہ بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محسوس کر چکے ہیں کہ احمدی جماعت کے عقائد کا سوائے اس کے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے امام مہدی کا دعویٰ کیا ہے اس کے سوا کوئی فرق نہیں۔ جماعت کے سب کام مسلمانوں والے ہیں اس وجہ سے ان کی نفرت کم ہو گئی ہے۔ لیکن مذہبی بحث ضرور ہوتی ہے۔ کیونکہ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ لوگ احمدیت قبول کر لیں اور ان کو اختلافی مسائل سمجھ آ جائیں۔

## میرے بھانجے کی وفات

ہمارے گاؤں میں ہمارا بھانجہ فوت ہو گیا۔ ہم افسوس کے لئے اپنے گاؤں گئے۔ اس وقت ہمارے چھوٹے بھائی فوج میں تھے۔ والد صاحب نے مجھے کہا کہ آپ افسوس پر آنے والے دوستوں کے پاس بیٹھ کر افسوس کریں۔ میں نے اپنے والد صاحب کو کہا کہ ہم فاتحہ خوانی نہیں کرتے جبکہ افسوس پر آنے والے لوگ تو مجھے فاتحہ خوانی کیلئے کہیں گے اور میں فاتحہ خوانی نہیں کرونگا۔ اس سے وہاں مذہبی گفتگو شروع ہو جائیگی۔ بہر حال والد صاحب نے آنے والے دوستوں

کے استقبال کے لئے مجھے وہاں بٹھا دیا۔ اب جو آدمی آتا مجھے کہتا کہ فاتحہ کے لئے ہاتھ اُٹھاؤ۔ میں کہتا کہ تم آپس میں فاتحہ خوانی کر لو۔ کیونکہ ہمارے عقیدہ کے مطابق یہ کام حضرت نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا اور نہ ہی صحابہ کرامؓ اور نہ پہلے بزرگوں نے کیا ہے۔ یہ بعد کی ایجاد ہے۔ اس لئے ہم فاتحہ خوانی نہیں کرتے۔ جن لوگوں کو میرے احمدی ہونے کا علم نہ تھا اس بات سے ان کو بھی علم ہو گیا۔ چنانچہ مذہبی بات شروع ہو گئی کیونکہ بنیادی مسئلہ وفات مسیحؑ کا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہوں تو حضرت مرزا صاحب مثیل مسیح نہیں بن سکتے۔ اگر فوت ہو گئے ہیں تو آنے والا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ آنے والے مسیح موعودؑ امتی ہیں اس وجہ سے حیات و وفات کا مسئلہ شروع ہو گیا۔ میں نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں اور دوسرے کہنے لگے کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں۔ میں نے کہا کہ تین حالتیں ہمیں ہر طرف نظر آتی ہیں: ۱۔ کمزوری ۲۔ مضبوطی ۳۔ پھر کمزوری۔ پھر میں نے کہا کہ سورج کی گرمی صبح کم ہوتی ہے، دوپہر کو سب سے زیادہ ہوتی ہے اور پچھلے پہر کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب سردی کا موسم آتا ہے تو پہلے سردی کم ہوتی ہے۔ دسمبر جنوری میں سردی بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ درختوں یا کھیتوں کی جانب دیکھو۔ پہلے ان کے شگوفے نکلتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ کھیت اپنے جوبن پر آجاتے ہیں اور پھر پک کر چورہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان جب پیدا ہوتا ہے کمزور ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ جوان ہو جاتا ہے۔ اور پھر بوڑھا ہونے لگتا ہے اور اس کی ہڈیاں کمزور ہونے لگتی ہیں، سر کانپنے لگتا ہے، آنکھیں کمزور ہو جاتی ہیں اور آخر کار وہ فوت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی حال نبیوں کا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ (الانبیاء:9) کہ میں نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ایک حالت میں رہنے والے تھے اور نہ ہی غیر معمولی عمر پانے والے لوگ تھے۔



جس طرح ہم دیکھتے ہیں کھیتوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو کھیتی کو پانی نہ دیا جائے تو وہ سوکھ جاتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی کھانے پینے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب تک وہ زندہ ہو اس کو کھانے پینے کی ضرورت رہتی ہے اور جس طرح کھیتی کو پانی دیا جاتا ہے تو وہ ایک حالت میں نہیں رہتی۔ پہلے وہ کمزور ہوتی ہے پھر اپنے جوبن پر آجاتی ہے۔ پھر باوجود اس کے کہ پہلے کی طرح پانی ہوتا ہے اس کھیتی کا پک کر رنگ بدل جاتا ہے اور وہ چورہ کی طرح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان وہی خوراک کھاتے ہوئے وہ بچہ سے جوان ہو جاتا ہے اور وہی خوراک کھاتا ہوا بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہوں اور وہ اس جسم کے ساتھ ہوں جو ماں کے پیٹ سے نکلا تھا جس کو کھانے پینے کی ضرورت تھی اور وہ کھاتے پیتے ہوئے جوان ہو گیا تھا۔ اگر وہ اسی وجود کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہوں تو ان کو کھانے پینے کی ضرورت ہو گی کیونکہ ان کو زمین پر رہتے ہوئے کھانے پینے کی ضرورت تھی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (المائدہ:76) کہ نہیں ہے مسیح بیٹا مریم کا مگر ایک رسول۔ مگر گزر چکے ہیں ان سے پہلے رسول اور ان کی ماں صدیقہ تھی اور وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

ہمارے عقیدہ کے مطابق وہ فوت ہو گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے کہ وہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اگر زندہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ فرماتا کہ وہ کھانا کھاتے ہیں۔ بہرحال حضرت عیسیٰؑ کو زمین پر رہتے ہوئے جب کھانے پینے کی ضرورت تھی اور وہ کھانا کھاتے تھے۔ اگر وہ آسمان پر زندہ ہوں تو ان کو وہاں بھی کھانے کی ضرورت ہو گی تو وہاں کھیتیاں وغیرہ تو ہیں نہیں اس لئے وہ کھانا کہاں سے کھاتے ہوں گے؟ تعزیت کے لئے آنے والے بعض لوگوں نے کہا کہ کیا خدا تعالیٰ وہاں ان کو کھانے پینے کیلئے نہیں دے سکتا؟ وہ تو پتھر میں جو کیڑا ہے اسے بھی روزی دیتا ہے۔ میں نے کہا کہ چلو ان کو وہاں کھانا مل بھی جاتا ہو گا تو جو

شخص کھاتا پیتا بچے سے جوان ہوگیا وہ کھاتا پیتا بوڑھا بھی تو ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مِنكُم مَن يُتَوَفّٰى وَ مِنكُم مَّن يُرَدُّ اِلٰى اَرذَلِ العُمُرِ لِكَيلَا يَعلَمَ مِ بَعدِ عِلمٍ شَيئاً ( النحل:71) کہ بعض تم میں سے فوت ہوجاتے ہیں اور بعض کو رزیل عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ یعنی باوجود علم ہونے کے انسان جب بوڑھا ہوجاتا ہے تو پھر بے علم ہوجاتا ہے۔ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگ بھی جب زیادہ عمر کے ہو جائیں تو ان کی آنکھوں کی روشنی کم ہوجاتی ہے اور سر کانپنے لگتا ہے اور عقل کمزور ہوجاتی ہے۔ وہ بچوں کی طرح باتیں کرنے لگتا ہے اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے۔

ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ جن کے متعلق حدیث قدسی ہے کہ لولاک لما خلقت الافلاک یعنی اگر میں نے ان کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو ساری مخلوق کو پیدا نہ کرتا۔ جب آپ بچے سے جوان ہوگئے تھے اور 63 سال کی عمر میں ان پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہوگئے تھے تو حضرت عیسیٰ ؑ جن کی عمر اب دو ہزار سال ہو چکی ہے، کیا وہ بوڑھے نہیں ہوئے ہونگے؟ وہ تو اتنے بوڑھے ہو چکے ہونگے کہ جب وہ دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے تو لوگوں کو تبلیغ کیسے کرینگے؟ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ کو وہاں ایسا جسم دیا ہے کہ جس کو نہ کھانے کی ضرورت ہے اور نہ پینے کی اور نہ ہی وہ جسم بوڑھا ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ جب اللہ نے حضرت عیسیٰ ؑ کو ایک اور جسم دیا ہے جس کو وہاں کھانے پینے کی ضرورت نہیں اور نہ وہ بوڑھا ہوتا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جس جسم کو کھانے پینے کی ضرورت تھی اس جسم سے خدا تعالیٰ نے اس کی روح نکال کر ایک ایسا جسم دیا جس کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں اور نہ وہ بوڑھا ہوسکتا ہے۔ ہم یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر نہیں بلکہ روحانی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں۔ ایسا روحانی جسم کہ جس کو کھانے پینے کی احتیاج نہیں اور نہ ہی وہ بوڑھا ہوتا ہے۔ اسی طرح باقی تمام انبیاء بھی جسم عنصری یعنی روحانی جسم کے ساتھ آسمان پر ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی



کتاب کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا اور آپ ؐ نے وہاں انبیاء کو دیکھا۔ وہ سب ان کی روحیں تھیں۔ مہمان کہنے لگے کہ ہم تو حضرت عیسیٰ ؑ کو آسمان پر زندہ مانتے ہیں۔ وہ فوت نہیں ہوئے۔ میں نے کہا کہ کوئی بشر آسمان پر زندہ نہیں جاسکتا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو ہمارے سامنے آسمان پر جائیں اور وہاں سے ایک کتاب لائیں۔ ہم اس کو پڑھ کر پھر مانیں گے کہ واقعی آپ ؐ اللہ کے رسول ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قُل سُبحَانَ رَبِّی هَل كُنتُ اِلَّا بَشَراً رَّسُولاً (بنی اسرائیل: 94) کہ محمد رسول اللہ آپ لوگوں کو کہہ دیں کہ میرا رب ان باتوں سے پاک ہے۔ میں تو ایک بشر رسول ہوں۔ مطلب یہ کہ میں آسمان پر زندہ نہیں جاسکتا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ کو بھی خدا تعالیٰ نے کہہ دیا ہے کہ تو لوگوں کو کہہ دے کہ میں ایک بشر رسول ہوں۔ میں آسمان پر زندہ نہیں جاسکتا۔ اس طرح سے حضرت رسول کریم ﷺ سے زیادہ اور کون پیارا نبی ہوسکتا ہے جو اوپر آسمان پر زندہ چلا جائے۔ اس پر ان مہمانوں نے کہنا شروع کردیا کہ یہ تو معراج کو بھی نہیں مانتے۔ میں نے کہا کہ ہم روحانی معراج مانتے ہیں اور وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ لیکن جب وہ بیدار ہوئے تو آپ ؐ زمین پر تھے۔ ایک مہمان نے کہا کہ اگر یہ بات قرآن کریم سے ثابت ہوجائے کہ حضرت رسول کریم ﷺ آسمان پر جسم کے ساتھ گئے ہیں تو آپ احمدیت چھوڑ دینگے؟ میں نے کہا اگر قرآن کے الفاظ سے یہ بات ثابت کردو تو میں احمدیت چھوڑ دونگا۔ یہ نہیں کہ کسی مولوی کے ترجمہ سے دیکھا جائے۔ تراجم تو ہر عقیدہ کے مولوی نے اپنے لحاظ سے کئے ہوئے ہیں۔ اگر قرآن کریم کے عربی الفاظ سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ کوئی نبی بھی زندہ آسمان پر گیا ہے تو میں احمدیت چھوڑ دونگا۔ میرے ایک چچا محمد شریف پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ میرے والد جو قرآن پڑھا کرتے تھے وہ مسجد میں فلاں جگہ پڑا ہوا ہے وہ لے آو۔ چنانچہ میں خود قرآن

کریم لینے کے لئے مسجد گیا اور قرآن کریم لے آیا۔ وہاں مسجد کے مولوی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے مجھے قرآن کریم لے جاتے دیکھا تو وہ بھی میرے پیچھے پیچھے لوگوں میں آ گئے۔ میرے چچا کا بیٹا ماسٹر الطاف بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ اچھا ہوا مولوی صاحب آپ آ گئے اب ہم اس کو قرآن کریم سے حضرت نبی کریم ﷺ کا جسم کے ساتھ آسمان پر جانا ثابت کرتے ہیں اور اس کو احمدیت سے توبہ کراتے ہیں۔ اس پر میں نے پھر کہا کہ ہاں اگر قرآن کے الفاظ سے یہ بات ثابت کر دو تو میں احمدیت چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ مولوی نے قرآن کریم کی ورق گردانی شروع کر دی اور سورہ نجم سے افق اعلیٰ کا ترجمہ نکال کر کہا کہ یہ ہے آسمان پر جانا۔ ماسٹر الطاف نے دیکھ کر کہا کہ مولوی صاحب افق کے معنی آسمان نہیں ہیں۔ افق اسے کہتے ہیں کہ جہاں انسانی آنکھ کو آسمان و زمین ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بہر حال مولوی صاحب قرآن کریم سے کسی نبی کے زندہ آسمان پر جانے کا ثبوت نہ دے سکے۔ اتنے میں میرے دوسرے چچا محمد نذیر صاحب بول پڑے کہ ایک تو یہ ہمارے خاندان کا آدمی ہے اور دوسرا یہ احمدی ہو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارا خاندان پڑھا لکھا ہے جس سے یہ احمدی ہو گیا ہے۔ یہ تمہارے قابو میں نہیں آ سکتا۔ جب لوگ لاجواب ہو گئے تو ایک آدمی نے کہا کہ اس سے یہ پوچھو کہ مرزا صاحب کہاں فوت ہوئے تھے؟ ابھی میں نے تو کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ میرے پاس بیٹھے ہوئے میرے والد صاحب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اس شخص کو گالیاں نکالنا شروع کر دیں کہ بے حیاء تمہیں شرم نہیں آتی۔ جب تمہیں کوئی بات نہیں آتی تو بیہودہ باتیں شروع کر دیتے ہو۔ بہر حال والد صاحب نے اس شخص کو خوب ڈانٹا۔ میرے والد صاحب احمدی تو نہ تھے لیکن باتیں سن کر وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ سچی باتیں کرتا ہے اور وہ میری بے عزتی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت خلیفة المسیح الثالث ؒ فوت ہوئے تو میرے والد باقاعدہ مجھ سے افسوس کرنے ربوہ آئے اور کہا کہ آپ کے حضرت صاحب فوت ہو گئے ہیں مجھے بہت افسوس ہوا ہے۔ اس لئے میں آپ



کے پاس افسوس کرنے آیا ہوں۔

### آنبہ میں مذاکرہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں اپنی رہائش گاہ کے ایک کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ہماری جماعت کے چند افراد آئے اور ان کے ساتھ غیر از جماعت بھی تھے۔ کچھ سوال و جواب ہوئے۔ ان میں چوہدری ظفر احمد تھے۔ ان کے دو بھائی چوہدری نصیر احمد صاحب اور چوہدری ریاض احمد صاحب احمدی ہو چکے تھے اور مخلص احمدی اور داعی الی اللہ بھی تھے۔ لیکن ان کے بڑے بھائی ظفر احمد احمدی نہ تھے۔ سوال و جواب کے دوران انہوں نے کہا کہ احمدیوں نے تو قرآن کریم کا ترجمہ ہی بدل کر اپنے عقیدہ کے مطابق مختلف کر لیا ہے۔ میں نے کہا کہ پہلے علماء نے جو تراجم کئے تھے انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق کئے ہوئے تھے۔ ہماری جماعت کے علماء نے جو قران کریم کا ترجمہ کیا ہے وہ ٹھیک ہے۔ پہلے علماء نے قرآن کریم کے اپنے عقائد کے مطابق تراجم کرتے ہوئے یہ خیال نہیں کیا تھا کہ ان کی طرف سے کئے گئے قرآن کریم کے تراجم پر اعتراض ہونگے۔ اس لئے غیر مذاہب کی طرف سے قرآن کریم کے متعلق اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہماری جماعت کے بزرگوں نے جو ترجمہ کیا ہے اس پر آپ لوگ اس لئے اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ترجمہ آپ کے عقائد کے خلاف ہے۔ غیر مذاہب کے لوگ ہمارے ترجمے پر اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تراجم اس معیار کے مطابق ہیں جو خود خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت کا معیار ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُ فِیْہِ اخْتِلَافاً کَثِیْراً (النساء:۸۳) پس تم قرآن پر تدبر نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا۔ چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت کا یہ معیار ٹھہرایا ہے کہ یہ خاص ایسی کتاب ہے کہ جس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ پس یہ ثابت ہوا کہ خدائی کلام ہی ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

ہماری جماعت نے اس آیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور عربی لغت کے مطابق ایسا ترجمہ کیا ہے کہ کسی آیت کا مطلب بھی کسی دوسری آیت کے خلاف نہیں۔ اس وجہ سے غیر مذاہب والے اس ترجمہ پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ اگر وہ اعتراض کریں تو ان کو قرآن کریم کی صداقت بیان کی جاسکتی ہے۔ جبکہ دوسرے مسلمان علماء نے جو تراجم کئے ہیں ان پر اعتراضات ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر دوسرے مسلمانوں کے علماء نے سورۃ النساء کی آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ بلکہ اٹھالیا اس کو اللہ نے آسمان کی طرف۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ کو آسمان کی طرف اٹھالیا ہے اور قرآن کریم کی دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل) کہ جب لوگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اگر آپ ؐ سچے رسول ہیں تو ہمارے سامنے آسمان پر جائیں اور وہاں سے کتاب لائیں اور ہم اس کو پڑھیں پھر آپ ؐ پر ایمان لائیں گے۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیں کہ میرا ربّ ان باتوں سے پاک ہے۔ نہیں ہوں میں مگر ایک بشر رسول۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس لئے آسمان پر زندہ نہیں جاسکتا کیونکہ میں ایک بشر رسول ہوں۔ اب پہلی آیت کا مطلب کہ اللہ نے عیسیٰ ؑ کو آسمان پر اٹھالیا ہے اور دوسری آیت میں کہا گیا ہے کہ آپ ؐ بشر رسول ہیں اس وجہ سے آسمان پر نہیں جاسکتے۔ ان دونوں آیات کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور قرآن کریم کی آیات کے درمیان اختلاف قرآن کریم کی صداقت کے خلاف ہے۔

دوسری جگہ مسلمان علماء سورۃ الاحزاب کی آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ نہیں ہے محمد باپ کسی کے تم مردوں میں سے لیکن وہ اللہ کا رسول اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔ دوسرے حصہ قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے کہ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ



(الحج: 76) کہ اللہ چنتا ہے فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسول۔ اسی طرح سورۃ اعراف آیت 36 میں اللہ فرماتا ہے يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ کہ اے بنی آدم جب آئیں تم میں رسول تم میں سے بیان کریں تم پر میری آیات۔ پہلی آیت میں یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ نہیں ہے محمد باپ کسی کے تم مردوں میں سے لیکن وہ اللہ کا رسول اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔ دوسری آیت میں نبیوں کے آنے کا ذکر ہے اور پہلی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ختم ہونے کا ذکر ہے۔ پہلی اور دوسری آیت کے مطلب میں فرق پیدا ہو گیا اور اختلاف پیدا ہو گیا۔ جو کہ قرآن کریم کی صداقت کے صریحاً خلاف ہے۔ اگر کوئی یہودی یہ کہہ دے کہ ایک طرف قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اور دوسری طرف حضرت نبی کریم ﷺ کو یہ کہا کہ آپ کہہ دیں کہ میں ایک بشر رسول ہوں، آسمان پر نہیں جاسکتا۔ یا یہ کہیں کہ ایک طرف تمہارے قرآن کریم میں یہ لکھا ہے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ہیں۔ آپ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ جبکہ دوسری طرف آپ یہ کہتے ہیں کہ رسول آ سکتے ہیں۔ تو یہ واضح اختلاف ہے۔ تمہارا قرآن کبھی کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ۔ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے۔ یہ انسان کا بنایا ہوا ہے۔ جس کو یہ علم نہیں کہ ایک آیت میں کچھ کہا گیا ہے اور دوسری میں کچھ اور کہا گیا ہے۔ تو اس کا جواب آپ نہیں دے سکتے۔ ہماری جماعت نے جو ترجمہ کیا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں پیدا ہو سکتا۔ کیونکہ ہماری جماعت کا جو ترجمہ ہے اس میں بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کا ترجمہ یہ نہیں کیا گیا کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ ؑ کو آسمان پر زندہ اٹھالیا ہے۔ اس وجہ سے کوئی اعترض پیدا نہیں ہو سکتا۔ دوسری آیت جس کا میں نے ذکر کیا ہے کہ کہ سورۃ احزاب کی آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہماری جماعت خاتم النبیین کا ترجمہ یہ نہیں کرتی کہ ختم کرنے والے ہیں نبیوں کے بلکہ یہ کرتی ہے کہ وہ مہر ہیں نبیوں کی یا وہ سب نبیوں سے افضل ہیں اور حضرت نبی کریم

ﷺ ایسی مہر ہیں کہ ان کے ذریعہ پہلے نبیوں کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ سچے تھے اور بعد میں آنے والے نبی بھی ان کی تصدیق سے ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم ضد بھی کرے کہ خاتم النبیین کا مطلب نبوت ختم کرنے والے کے ہیں تو ہم تو کہیں گے کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق جو نبوت حضرت آدمؑ سے چلی تھی وہ حضرت نبی کریم ﷺ پر ختم ہو گئی ہے۔ وہ بلا واسطہ نبوت تھی۔ اس طرح کا نبی قیامت تک نہیں آ سکتا اور جہاں اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ کہ اللہ تعالیٰ چنتا ہے انسانوں میں سے اور فرشتوں میں سے رسول اور يٰبَنِيٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ کہ اے بنی آدم جب آئیں تم میں رسول تم میں سے بیان کریں تم پر میری آیات سنائیں تو ہم کہیں گے کہ یہاں جو نبیوں کے آنے کا ذکر ہے پہلے نبیوں جیسے نبی آنے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہاں ان نبیوں کے آنے کا ذکر ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی میں آئینگے۔ جس طرح اللہ سورۃ نساء آیت 70 میں فرماتا ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کہ جو اللہ اور رسول یعنی حضرت محمد ﷺ کی پیروی کرے گا اللہ ان پر انعام کرے گا وہ نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے ہونگے اور یہ سب اچھے دوست ہیں۔ تو اس طرح سے ہماری جماعت نے جو تراجم کئے ہیں ان پر کوئی اعتراض پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے وہ تراجم ٹھیک ہیں۔

## اپنے ماموں سے مکالمہ

ایک دفعہ میں اپنے گاؤں گیا تو ماموں سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فارسی کا ایک شعر پڑھا اور کہا کہ یہ ولی نعمت اللہ کا شعر ہے جو دہلی میں 800 سال پہلے گزر چکے ہیں کہ ’’احمد نام کے شخص ہونگے اور وہ نبوت کا دعویٰ کرینگے اور جھوٹی تفسیریں لکھیں گے اور لوگوں کو گمراہ کرینگے‘‘، تو مرزا صاحب وہ



احمد ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں۔ میں نے کہا کہ ولی نعمت اللہ کا کوئی ایسا شعر نہیں ہے۔ ان کی پیشگوئی میرے پاس موجود ہے کہ جو سید اسماعیل شہید نے اپنی کتاب احوال المہدی جو 1268ھ میں تحریر کی تھی۔ وہ اصل پیشگوئی ہے جو حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ سے پہلے شائع ہو چکی تھی۔ وہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی صداقت کے لئے ’’نشان آسمانی‘‘ میں درج کی ہے۔ اس میں تو یہ لکھا ہے۔

الف۔ح۔م۔د۔می خوانم نام آن نامدار می بینم
دور او چوں شد اوبتمام۔ پسرش یادگار می بینم

کہ امام مہدی کا نام احمد ہوگا اور جب اس کا دور گزر جائیگا تو اس کا بیٹا یادگار ہوگا یعنی جانشین ہوگا۔ میں نے ماموں سے کہا کہ یہ اصل شعر ہے اور جو آپ نے پڑھا ہے وہ ان کا نہیں ہے۔

پھر میں نے ان سے یہ کہا کہ مجھے یہ بتائیں کہ ہمارے گاؤں میں سوائے میرے اور تو کوئی احمدی نہیں ہوا۔ وہ کہنے لگے نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اپنے ایمان سے یہ تو بتائیں کہ ہمارے خاندان کے لڑکے جو میرے ہم عمر ہیں، ان کا دین سے تعلق زیادہ ہے یا میرا؟ وہ کہنے لگے کہ اخلاق کے لحاظ سے تو آپ ہی اچھے ہیں۔ میں نے کہا کہ ماموں جی میں بھی دوسرے لڑکوں ہی کی طرح تھا۔ میں مرزا غلام احمد پر ایمان لانے کے بعد پنجوقتہ نماز کا پابند ہو گیا ہوں، باقاعدہ نماز تہجد ادا کرتا ہوں اور تلاوت قرآن کریم کرتا ہوں۔ نیز لوگوں کو دینی تعلیم بھی دیتا ہوں۔ اگر یہی گمراہی ہے۔ جس طرح کہ میں گمراہ ہو گیا ہوں تو آپ کی مسلمانی سے تو یہ گمراہی اچھی ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ اپنی وفات سے قبل انہوں نے مجھے کہا تھا کہ مرزا صاحب نیک آدمی تھے۔

## کلائی پکڑنے کا مقابلہ

ایک دن ہمارے ایک احمدی نوجوان نے کہا کہ گاؤں کا ایک مولوی ہے جو کہتا ہے کہ میں تمہارے مولوی سے کلائی پکڑنا

چاہتا ہوں اور کہتا ہے کہ اگر تمہارا مولوی میری کلائی باندھ دے تو میں احمدی ہو جاؤنگا۔ میں نے کہا کہ اگر وہ کلائی پکڑنا چاہتا ہے تو اس کو بلا لو میں اس سے کلائی پکڑ لیتا ہوں۔ چنانچہ وہ مولوی کو بیت الذکر لے آئے اور میرے ساتھ انہوں نے کلائی پکڑی۔ میں نے اس کی کلائی روک دی۔ جس پر وہ مولوی کہنے لگا کہ میں نے تو سمجھا تھا کہ چھوٹا سا مولوی ہے جس کی کلائی میں آسانی سے روک لونگا۔ کہنے لگا میں پھر کبھی دوبارہ پکڑونگا۔ اس کے بعد نہ وہ احمدی ہوا اور نہ ہی دوبارہ مجھے نظر آیا۔

## مولوی نے پوچھا کہ حضرت سلمانؑ کی والدہ کون تھیں؟

آنبہ جماعت میں مسجد احمدیوں اور غیر احمدیوں کی مشترکہ ہے اور دونوں فرقے اس میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ایک دن نماز فجر ہم نے پہلے ادا کر لی تھی اور میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ جب غیر احمدی مولوی نے فجر کی نماز پڑھائی تھی جبکہ مقتدی ابھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران مولوی رحمت اللہ نے لوگوں کے سامنے مجھے بلایا اور پوچھا کہ حضرت سلمانؑ کی والدہ کے متعلق بتائیں کہ وہ کون تھیں؟

میں نے کہا کہ مولوی صاحب داؤدؑ کی یہ کہانی تفاسیر میں لکھی ہے۔ جو بائبل سے لی گئی ہے۔ ہمارے حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ

سب پاک ہیں پیامبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

تو ہم تو سب نبیوں کو پاک سمجھتے ہیں۔ انبیاء یا ان کے پیاروں کی طرف ہم کوئی ایسی بات منسوب کرنا مناسب نہیں سمجھتے جو ان کی شان کے خلاف ہو۔

## نگر پارکر (سندھ) میں پہلی تقرری

نگر پارکر (سندھ) کا علاقہ ربوہ سے جنوب مغرب کی طرف قریباً 1400 کلومیٹر دُور ہے۔ وہاں جماعت احمدیہ نے غیر مسلموں کی خدمت کے لئے ہسپتال بنایا ہوا ہے۔ وہاں



معلمین کے انچارج نگر پارکر کے شہر میں رہتے ہیں اور نگر پارکر شہر کے ارد گرد مختلف دیہات ہیں۔ میں معلمین کے سنٹرز ہیں جو معلمین کی رہائش کے لئے بنائے گئے ہیں۔ جو معلمین شروع میں اس علاقہ میں گئے تھے ان کو تو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض معلمین نے درختوں کے سایہ میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا تھا۔ پھر اس کے بعد معلمین کی رہائش کے لئے لکڑی کے چورے (عارضی رہائش کے کمرے) بنائے گئے جن کے بنانے کے لئے لکڑیاں گول دائرہ میں زمین میں گاڑی جاتی ہیں اور گنبد کی شکل بنا کر اوپر گھاس وغیرہ ڈال کر رسیوں سے باندھ دیا جاتا ہے تاکہ تیز ہوا سے اوپر کی گھاس نہ اڑ جائے۔ چونکہ وہاں اس علاقہ میں تیز ہوائیں چلتی رہتی ہیں اس کے علاوہ گرمی سردی کے اثرات سے انسان محفوظ رہ سکے۔

ہمارے زمانہ میں اکثر معلمین چوروں میں گزارہ کرتے تھے اور چوروں میں خطرناک قسم کے سانپ بھی اپنا گھر بنا لیتے ہیں جن سے ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ میرا تبادلہ چونکہ آنبہ کالیہ ضلع شیخوپورہ سے پہلی بار 1981ء میں نگر پارکر کے علاقہ میں ہوا تھا۔ بعض معلمین سے وہاں کے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ وہ علاقہ رہنے سہنے کے لحاظ سے بہت مشکل اور خطرناک ہے اور بعض معلمین نے جو بطور معلم کے کام کر چکے تھے، انہوں نے تو مجھے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آپ کے لئے تو وہاں رہنا مشکل ہے اس لئے آپ ناظم صاحب سے کہیں کہ مجھے وہاں نہ بھجوایا جائے میرا وہاں رہنا مشکل ہے۔ امید ہے ناظم صاحب آپ کی بات مان لیں گے اور آپ کو وہاں نہیں بھیجیں گے۔ اس پر میں نے کہا کہ میں انہیں ایسا ہرگز نہ کہوں گا۔ ابھی تک تو میں وہاں نہ گیا ہوں اور نہ ہی کوئی تکلیف وہاں کی دیکھی ہے۔ میں کیوں کہوں کہ مجھے وہاں نہ بھیجا جائے۔ انشاء اللہ میں ضرور وہاں جاؤں گا۔ اگر وہاں زیادہ تکلیف ہوئی اور اس علاقہ کی تکلیف میں برداشت نہ کر سکا تو پھر لکھوں گا کہ حضور میرے لئے اس علاقہ میں رہنا مشکل ہے اس لئے براہ مہربانی میرا تبادلہ پنجاب

میں کسی جگہ کر دیا جائے۔

جلسہ سالانہ 1980ء کے موقع پر آنے والے معلمین جنہوں نے جلسہ سالانہ کے بعد چھٹی لی ہوئی تھی، وہ واپس اپنے سنٹرز میں نگر پارکر کے علاقہ میں جانے والے تھے۔ دفتر کے کارکنوں نے کہا کہ آپ بھی ان کے ساتھ چلے جائیں۔ جس پر میں نے بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کرلیا اور ربوہ ریلوے اسٹیشن سے حیدر آباد کی سیٹ بک کروالی۔ جنوری کے آخر میں ربوہ سے حیدر آباد کیلئے روانہ ہوئے۔ اس دن میرے بیٹے محمود احمد سلطان کو نمونیہ اور بخار تھا اور میرے بیوی بچے مجھے الوداع کرنے کیلئے ربوہ ریلوے اسٹیشن آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں دعا کے ساتھ اپنے بچوں کو خدا کے سپرد کر کے نگر پارکر میں دین کی خدمت کیلئے روانہ ہوگیا۔

ہمارے وفد کے ساتھ غلام احمد چشتی صاحب (مرحوم) بھی تھے جو نگر پارکر کے علاقہ میں مقرر تھے۔ جو بہت ہی نیک اور بزرگ انسان تھے۔ انہوں نے سفر کے دوران میرے ساتھ بہت ہمدردی کی اور دلاسہ دیا۔ ربوہ سے 6 بجے شام ریل گاڑی پر سوار ہوئے تھے۔ دوسرے دن 12 بجے کے قریب گاڑی حیدر آباد پہنچی۔ وہاں سے بذریعہ ریل گاڑی ہی میر پور خاص پہنچے۔ رات بیت الذکر میر پور خاص میں گزاری۔ دوسرے روز نوکوٹ پہنچے اور بیت الذکر نوکوٹ میں رات بسر کی۔ اور تیسرے دن نوکوٹ سے نگر پارکر جانے والے ایک ٹرک پر بیٹھے جو نگر پارکر شہر کے تاجروں کا سامان لے کر جا رہا تھا۔ نیچے سامان اور بھیڑ بکریوں کی طرح لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ٹرک چودہ گھنٹوں کا سفر کر کے نگر پارکر پہنچا۔ ہم محترم احسان الٰہی صاحب جو معلمین کے انچارج تھے سے ملے۔ وہ بہت اچھے طریقے سے ہمیں ملے۔ ہمارے ساتھ محترم غلام احمد چشتی صاحب سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے ہر مشکل میں ساتھ دیا۔ حالانکہ سفر بہت مشکل اور دراز تھا لیکن ان کی ہمدردی اور ان کے ہم سفر ہونے کی وجہ سے کوئی زیادہ مشکل یا پریشانی نہ ہوئی۔



چونکہ میں نے انگریزی علاج پہلے کبھی نہیں کیا تھا اس وجہ سے پریشان ہوا کہ ایمرجنسی میں ٹیکہ کیسے لگاؤں گا۔ بہر حال آہستہ آہستہ یہ جھجک ختم ہوگئی۔ دیسی علاج تو ہمارے خاندان میں کئی پشتوں سے کیا جارہا تھا اور کچھ یونانی حکمت میں جانتا بھی تھا۔ نبض وغیرہ دیکھ کر بیماری کا پتہ لگ جاتا تھا۔ کئی بیماریوں کی پہچان تھی لیکن ڈاکٹری علاج کی کچھ رہنمائی حکیم عبدالمنان صاحب نے کی جن کا دواخانہ آنبہ گاؤں میں تھا۔ وہ وہاں لوگوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ میں نے غلام چشتی صاحب سے ٹیکہ لگانا سیکھا تھا۔ وہی مجھے دھنا گام سنٹر چھوڑنے گئے تھے۔ وہاں پر انہوں نے میرا تعارف مقامی لوگوں سے کروایا۔ نگر پارکر آتے ہوئے راستہ میں سادالواس گوٹھ میں ان کا سنٹر پہاڑ کے دامن میں تھا اور دوسری طرف پہاڑ کے دامن میں دھنا گام سنٹر واقع تھا۔ میرا سنٹر نگر پارکر شہر سے مشرق کی طرف 17 کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔ ریتلا اور پتھریلا راستہ تھا جو پیدل چلنے کے لحاظ سے بہت مشکل تھا۔ پہلے دن غلام احمد چشتی صاحب مجھے گھوڑے پر سوار کر کے چھوڑنے آئے اور کھانے پینے کا سامان جو نگر پارکر شہر سے لیا تھا، گھوڑے پر لاد کر چھوڑ آئے۔ عام طور پر نگر پارکر کا سفر پیدل طے کرنا پڑتا تھا۔

## کچھ دھنا گام سنٹر کے بارہ میں

اس وقت سنٹر دھنا گام گوٹھ دھنا گام سے دو ایکڑ دور پہاڑ کے دامن میں تھا اور چورا تھا اور اردگرد جھاڑیاں اور چورا میں سانپوں کا بہت خطر رہتا تھا کہ کہیں سوتے ہوئے اوپر سے نہ گر پڑیں۔ دو تین دن تو بڑے مشکل سے گزارے۔ تین چار دن ایک نو مسلم علی محمد صاحب میرے پاس سوتے رہے۔ پھر انہوں نے بھی مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ دور دراز کا سفر کر کے وہاں میں پہنچا تھا۔ پہلے تو بہت گھبرایا لیکن سوائے اللہ تعالیٰ کے وہاں حفاظت کرنے والا کون تھا۔ چنانچہ میں نے رات کو سونے کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کرنا شروع کردی۔ تلاوت کرتے ہوئے مجھے نیند آ گئی پھر تو مجھے نیند لانے کا نسخہ مل گیا۔ جب بھی نیند

آنا مشکل نظر آتی میں تلاوت قرآن کریم شروع کر دیتا جس سے مجھے نیند آجاتی تھی۔ بہر حال آہستہ آہستہ اس علاقہ میں رہنے کا عادی ہو گیا۔ وہاں میں مختلف وقتوں میں بغیر کسی گھبراہٹ کے سات سال رہتا رہا۔

سنٹر دھنا گام میں ایک چورا تھا اور کھڑکی پر ٹین کے پترے لگائے گئے تھے جن پر کیل لگا کر چورا کا دروازہ بنایا گیا تھا۔ زمین پر اندر ریت تھی۔ لپائی وغیرہ نہیں ہوئی تھی اور نہ سامان رکھنے کے لئے کوئی جگہ تھی۔ ایک چارپائی تھی اور آٹا رکھنے کیلئے ٹین کھانا پکانے کیلئے ضروری سامان دیگچیاں وغیرہ اور کھانے پینے کے برتن موجود تھے۔ میرے وہاں جانے سے قبل بشیر احمد صاحب گجر معلم وقف جدید رہتے رہے تھے۔ میں نے چورا کے اندر سے صفائی کی اور ٹین میں آٹا ڈال کر ایک کونہ میں رکھا اور گڑ، دالیں، بسکٹ صابن اور دوائیں وغیرہ سب زمین پر رکھے اور وہاں رہنا شروع کر دیا۔ معلمین وہاں علاج معالجہ کا کام بھی کرتے تھے تو لوگ معلمین کو ڈاکٹر کہتے تھے۔ جلسہ سالانہ پر اکثر معلمین ربوہ چلے جاتے تھے اور بعد میں سنٹر خالی ہوتے تھے۔ اس وجہ سے لوگوں کو علاج کرانے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ وہاں سوائے معلمین کے کوئی ڈاکٹر نہ ملتا تھا اور غربت کے باعث مقامی ڈاکٹرز سے علاج کروانا مہنگا پڑتا تھا۔ اس لئے وہ لوگ انتظار میں رہتے تھے کہ معلمین اپنے سنٹرز میں واپس آئیں اور ہمارا علاج کریں۔ چند دنوں کے بعد لوگوں کو علم ہوا کہ سنٹر دھنا گام میں ایک ڈاکٹر آ گیا ہے۔ مریض آنا شروع ہو گئے۔ دھنا گام سے ایک میل دور ایک گاؤں چنیدہ ہے وہاں کی ایک وانڈی سے مریضوں کا علاج کرانے کیلئے مسلمان کمہار ایک گھوڑی پر مجھے لے گئے۔ وہاں جا کر مریضوں کا علاج کیا اور ان کو دعوت الی اللہ کی۔ علاج وغیرہ کر کے جب واپس سنٹر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چورا میں کتے پھر رہے ہیں۔

### کتوں کا چورا میں داخل ہونا

چورا میں داخل ہو کر کتے وہاں پر موجود گڑ، صابن بسکٹ وغیرہ کھا گئے نیز ٹین سے آٹا بھی کھا گئے۔ یہ



صورتحال دیکھ کر میں بہت پریشان ہوا۔ کیونکہ وہاں سے خورد ونوش کی اشیاء لانا بھی مشکل کام تھا۔ ٹین میں جو آٹا تھا وہ اوپر سے کتے کھا گئے تھے۔ اوپر سے آٹا اتار کر میں نے ہندوؤں کو دے دیا کہ وہ مویشیوں کو کھلا دیں اور باقی آٹا میں بادل نخواستہ کھانے کو تیار ہو گیا۔ کیونکہ قریب سے آٹا ملتا نہیں تھا۔ میں نے چورا کے ارد گرد چکر لگا کر دیکھا کہ کتے کہاں سے اس میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن کوئی پتہ نہ چل سکا۔ یہ خیال کر کے کہ کہیں لکڑیوں میں سے گزر کر اندر داخل ہو گئے ہونگے۔ جنگل سے بیری کی لکڑیاں کاٹ کر چورے کے ارد گرد ڈال کر مٹی ڈال دی تا کہ کتے دوبارہ چورا میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس طرح میں نے اپنی طرف سے چورا کو محفوظ کر لیا اور دوبارہ سے اپنا سامان دالیں، بسکٹ، صابن اور گڑ وغیرہ لے آیا۔ یہ سامان زمین سے اونچا رکھنے کیلئے میں نے چورا میں اوپر دو ڈنڈے لے کر چورا میں پھنسائے اور اوپر سے رسیاں ڈال کر باندھ دیئے اور ان پر لکڑی کی پھٹیاں رکھ کر زمین سے ایک گز اونچی جگہ بنا کر وہاں آٹے کا ٹین اور دوسرا کھانے پینے کا سامان رکھ دیا اور خیال کیا کہ اب کتے دوبارہ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

### دوبارہ کتوں کا چورا میں داخل ہونا

دھنا گام سے 10 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک کالکی گوٹھ ہے۔ وہاں بھی مسلمان کمہار رہتے وہ ان کے رشتہ دار تھے وہ مجھے اپنے مریضوں کا علاج کرانے کیلئے اونٹ پر لے گئے اور وہاں جا کر میں نے ان کے مریضوں کا علاج کیا اور پھر وہ مجھے واپس بھی چھوڑ گئے۔ اونٹ پر میں نے پہلی بار سفر کیا تھا۔ اس کے چلنے کی وجہ سے میرا سارا جسم درد کرنے لگا۔ جب میں واپس سنٹر میں آیا اور دروازہ کھول کر چورا کے اندر داخل ہوا تو پتہ چلا کہ کتے دوبارہ چورا میں داخل ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے پاؤں سے آٹے والا ٹین نیچے گرا دیا اور سارا آٹا جو پہلی بار بچ گیا تھا زمین پر گر گیا ہے اور وہ کھا گئے تھے۔ دو تین دن باجرے کا آٹا ادھار مانگ کر کھاتا رہا پھر نگر پار کر شہر آیا اور مشن ہاؤس سے آٹا لے کر سنٹر پہنچا۔ وہاں معلمین کے کھانے

کیلئے آٹا تیار کر کے رکھا ہوتا تھا اور اپنے کھانے پینے کے لئے پیدل چل کر اور سر پر اٹھا کر لایا اور پریشان تھا کہ کتے تیسری بار بھی آٹا اور کھانے پینے کا سامان خراب نہ کر دیں۔ پھر مجھے ایک ترکیب سوجھی کہ کیوں نہ کھانے پینے کا سامان چھت کے قریب رکھا جائے۔ پھر ڈنڈے چورا میں پھنسا کر رسیوں سے باندھ کر اونچی جگہ چھت کے قریب بنائی اور آٹا اور دوسرا سامان کھانے پینے کا چھت کے قریب رکھ دیا۔ یہ اتنا اونچا رکھا کہ میں چارپائی پر کھڑا ہو کر سامان اتارتا تھا اور رات کو قریب ہی بندھے ہوئے مویشیوں کا گوبر اکٹھا کر کے اس میں ریت ملا کر چورا کے اندر کی طرف اِرد گرد دو فٹ اونچی دیوار تیار کی۔ وہاں سے چونکہ مٹی نہیں ملتی تھی اس لئے ریت ملائی جاتی تھی۔ اور ریت اور گوبر ہی ملا کر چورا کے اندر لپائی وغیرہ کی اور چورا کے اندر سے ریت نیچے دبا دی تا کہ چورا میں رہنا آسان ہو جائے نیز صفائی رہے۔ اور کانٹے وغیرہ کاٹ کر سامنے باڑ تیار کر کے صحن تیار کیا۔

## تیسری بار کتے پھر چورا میں داخل ہو گئے

ابھی موسم سردی کا ہی تھا اور میں مچھر دانی لگا کر چورا میں سویا ہوا تھا۔ آدھی رات دھنگانہ گوٹھ سے جو دھنا گام سے 10 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا، کسی مریض کا علاج کرانے کے لئے مجھے لینے آئے۔ پہلے تو میں نے انکار کیا کہ رات کو میں نہیں جاؤنگا کیونکہ ابھی میں اس علاقے کا واقف نہیں ہوا۔ چنانچہ انہوں نے علی محمد صاحب کو جا کر کہا کہ ڈاکٹر صاحب کو کہہ دیں کہ ہمارے ساتھ جائیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ہمارے رشتہ دار ہیں اس لئے ان کے ساتھ ضرور جاؤ۔ چنانچہ میں آدھی رات کو اپنا بستر اسی طرح چھوڑ کر ان کے ساتھ مریض کا علاج کرنے چلا گیا۔ وہاں جا کر مریض کا علاج کیا اور صبح واپس آیا تو چورا کا دروازہ کھولا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کتے چورا میں داخل ہوئے ہیں اور چارپائی پر چڑھ کر اونچی رکھی گئی کھانے پینے کی اشیاء تک پہنچنے کے لئے چھلانگیں لگاتے رہے۔ مچھر دانی پھاڑ دی اور بستر زمین پر گرا دیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں بہت پریشان ہوا اور شدید غصہ بھی آیا کہ ان



کتوں نے تو ناک میں دم کر دیا ہے۔

## سات کتوں کو مار دیا

دوسرے دن میں غلام احمد صاحب چشتی کے پاس گیا۔ وہ سادالواس میں رہتے تھے۔ میں نے انہیں کتوں کے بارہ میں سب کہہ سنایا۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس کُچلا ( کتوں کو مارنے کا زہر ) ہے وہ لے جاؤ اور کتوں کو کھلاؤ۔ وہ مر جائینگے اور اس طرح آپ کو ان کتوں سے خلاصی مل جائیگی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے 4 کچلے دیئے۔ میں نے واپس آ کر میٹھی روٹیاں بنائیں اور کچلا اس میں ڈال کر ملا دیا اور گوٹھ دھنا گام کے رہنے والوں کو کہہ دیا کہ یہ آوارہ کتے مجھے بہت تنگ اور پریشان کر رہے ہیں اور میرا نقصان کرتے ہیں اس لئے اگر ان میں سے کسی کے پالتو کتے ہیں تو وہ انہیں باندھ لے کیونکہ میں ان کتوں کو زہر دیکر مارنے لگا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ بیشک مار دو۔ چنانچہ میں نے کتوں کو زہر دیا اور وہ مر گئے۔ میں نے پھٹی ہوئی مچھر دانی سوئی دھاگہ سے مرمت کی۔ ان سات کتوں کے مرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ یہ کتے چورا میں کس جگہ سے اندر داخل ہوتے تھے۔ چورا کی جو کھڑکی تھی اس پر ٹین کے پترے لگا کر انہیں کیلوں سے لگایا گیا تھا جو اکھڑ چکے تھے۔ وہ ٹین کے پترے بظاہر بند ہی نظر آتے تھے لیکن تھوڑا ہلانے سے وہ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے کتے اندر داخل ہو جاتے تھے اور اسی طرح واپس نکل بھی جاتے تھے۔ وہ تو میں نے ایک کتے کو اس کھڑکی سے نکلتے دیکھا تو مجھے پتہ چلا کہ کتے کس جگہ سے اندر داخل ہوتے ہیں بہر حال میں نے وہاں کیل لگا کر دوبارہ سے کھڑکی کو بند کیا اور اس طرح سے میرا چورا ان کتوں سے محفوظ ہو گیا۔

## پانی کے متعلق کچھ ذکر

پانی انسانی زندگی کے لئے انتہائی ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر انسان کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ نگر پارکر سندھ کے علاقہ میں اکثر جگہوں کا پانی نمکین اور سخت کڑوا ہے جو انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ میٹھا پانی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ اگر بارش ہو جائے تو تالابوں میں پانی بھر لیا جاتا ہے۔ کسی جگہ چھ ماہ

کے لئے پانی اکٹھا ہو جاتا ہے کہیں کم اور کہیں زیادہ۔ پھر اسی پانی میں سے انسان بھی پیتے ہیں اور انسانوں کے علاوہ مویشی گھوڑے، گدھے، کتے اور جنگلی جانور بھی وہیں سے پانی پیتے ہیں۔ اس پانی میں جانور گوبر اور پیشاب بھی کر دیتے ہیں۔

میٹھا پانی کنوئیں سے بہت کم ملتا ہے وہ بھی گدلا ہوتا ہے۔ پانی لا کر مٹکے میں دیر تک رکھا جاتا ہے اور جب مٹی مٹکے کے پیندے میں بیٹھ جائے تو اسے کسی دوسرے مٹکے میں صاف کر کے کچھ پینے کے قابل بنا لیا جاتا ہے۔ جب میں دھنا گام پہنچا وہاں ایک ہی کنواں تھا جو میٹھے پانی کا تھا جو گوٹھ سے ایک میل کے فاصلے پر پہاڑ کی اوٹ میں تھا۔ راستے میں جنگلی درخت اور جھاڑیاں اور دن رات جنگلی جانوروں اور سانپوں کا خطرہ ہوتا تھا۔ شروع میں تو سردی کا موسم تھا جس کی وجہ سے پانی کم خرچ ہوتا تھا۔ میں کبھی ایک گھڑا یا کبھی دو گھڑے پانی لے آتا تھا۔ جب کبھی دیر ہو جاتی تھی تو پانی عورتیں اور مرد بھر کے لے جایا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے پانی نہ ملتا تھا۔ میرے پاس پانی نکالنے کے لئے ایک بالٹی تھی اور بالٹی اسوقت کام آتی ہے جب پانی زیادہ ہو۔ ورنہ وہ خالی کنویں سے واپس آتی ہے۔ جبکہ دوسرے لوگوں کے پاس ربڑ کی تھیلیاں تھیں جو ٹیوب کی ربڑ سے تیار کی جاتی تھیں۔ وہ پانی میں جا کر زمین میں پھیل جاتی تھی۔ اگر پانی تھوڑا بھی ہوتا تھا تو ان میں پانی آ جاتا تھا۔ بعض دفعہ عورتیں پانی کنویں سے نکال رہی ہوتی تھیں تو مرد دیکھ کر مروتاً پانی اسے دے دیا کرتی تھیں۔ کبھی وہ نہ بھی دیتیں۔ بہر حال میں بالٹی سے بڑی مشکل سے تھوڑا تھوڑا پانی نکال کر گھڑا بھرتا اور پھر اپنے سنٹر لے آتا تھا۔ اسی پانی کو پیتا، اس سے کھانا پکاتا اور برتن وغیرہ دھوتا تھا۔ نیز اسی پانی سے ہی وضو بھی کیا کرتا تھا۔ وضو کیلئے بعض اوقات پانی نہ ملنے پر تیمّم کر لیا کرتا تھا۔ پھر کپڑے دھونے پڑتے تھے۔ بڑے طریقہ سے پانی استعمال کرتے تھے۔ کپڑے صاف کرنے کیلئے اور نہانے کیلئے ہر روز پانی بچایا جاتا تھا اور جب پانی دو تین گھڑے جمع ہو جاتا تھا تو پھر کپڑے دھوئے جاتے تھے اور اسی طرح غسل کیا جاتا۔



## غسل کرنے کا طریقہ

پہلے کپڑے دھوئے جاتے۔ کپڑوں کے دھونے کے بعد استعمال شدہ بچا ہوا صابن والا پانی ایک اور جگہ رکھا جاتا تھا۔ جب اس کا صابن نیچے بیٹھ جاتا تو اسے نتھار کر پہلے صابن والے پانی سے جسم تر کیا جاتا اور صابن جسم کو لگا کر اسی پانی سے صابن کو اتارا جاتا اور پھر صاف پانی ڈال کر صابن جسم سے اتارا جاتا تھا۔ یہ غسل کا طریق تھا جو وہاں اپنانا پڑتا ہے۔

## آدھی رات کو کنویں سے پانی کا حصول

جب وہاں گرمی زیادہ ہوئی تو پانی کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی۔ دھنا گام میں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا جہاں سے قریباً سارا گاؤں ہی پانی حاصل کیا کرتا تھا اور لوگ اس انتظار میں بیٹھے رہتے تھے کہ زمین سے کنویں میں پانی آ جائے تو پانی لے جائیں۔ ایک گھڑا پانی حاصل کرنے کیلئے دو سے تین گھنٹے انتظار کرنا پڑتا تھا۔ سارا دن عورتیں وہاں سے پانی بھرتی تھیں۔ رات کو وہ کنواں بند ہو جاتا تھا تاکہ صبح تک اس میں پانی بھر جائے۔ دن نکلنے سے پہلے ہی پانی کے حصول کے لئے لوگ کنویں پر پہنچ جایا کرتے تھے۔ میرے پاس بالٹی تھی جس میں پانی نہیں آتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ رات کو جب کنواں بند ہوتا ہے، جا کر کنویں سے پانی لے آیا کروں۔ مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ گاؤں کے لوگوں نے کنویں سے پانی نکالنے کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ رات کو ٹھاکر راجپوتوں کے پانی بھرنے کا وقت تھا جبکہ دن کو کوہلی، بھیل اور میگواڑ وغیرہ پانی بھرتے تھے۔ رات کو وہاں سے پانی لانا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ پانی کا کنواں گوٹھ سے ایک کلومیٹر دور پہاڑ کی اوٹ میں تھا اور جنگلات سے گزر کر وہاں پہنچنا ہوتا تھا۔ راستہ میں ایسی جگہ بھی تھی جہاں ہندو لوگ اپنے مردوں کو جلاتے تھے یعنی شمشان گھاٹ۔ پھر جنگلی جانوروں بھیڑیوں اور سانپوں کا بھی خطرہ رہتا تھا کہ کاٹ ہی نہ لیں۔ پانی دن کو ملتا نہ تھا میں نے جرابیں بوٹ پہن لئے تا کہ کوئی سانپ وغیرہ کاٹ نہ لے اور ہاتھ میں ٹارچ، ایک ڈنڈا، گھڑا پانی بھرنے کے لئے

اور کنویں سے پانی نکالنے والی بالٹی لئے چل پڑا۔ اکیلا آدمی تھا اور پرایا دیس۔ راستے میں خوف بھی آیا۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہوا جب کنویں پر پہنچا تو وہاں تین آدمی ٹھاکر راجپوت بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے جاتے ہی پہلے السلام علیکم کہا۔ وہ ہندو تھے۔ انہوں نے السلام علیکم کا جواب کیا دینا تھا۔ انہوں نے آواز سن کر کہا کہ کون ہے۔ میں نے کہا ڈاکٹر۔ انہوں نے کہا کہ پانی بھرنے آیا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ میں نے بالٹی ڈال کر پانی نکالنا شروع کیا۔ پانی صاف تھا جس پر میں کافی خوش ہوا کیونکہ وہاں سے صاف پانی دن کے وقت نہ ملتا تھا۔ پانی لے کر واپس آ گیا اور کچھ خوف بھی کم ہو گیا کہ وہاں کنویں پر آدمی بھی ہوتے ہیں اس لئے فکر کی کوئی بات نہیں۔ دوسرے روز بھی میں نے اسی طرح اپنی چیزیں وغیرہ ساتھ لیں اور اسی طرح کنویں پر جا پہنچا۔ السلام علیکم کہا جس کا کوئی جواب نہ ملا۔ وہی تین ٹھاکر راجپوت وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ پانی بھرنے آئے ہو۔ میں نے کہا ہاں اور پانی بھر کر جب جانے لگا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ روزانہ پانی لینے آ جاتا ہے میں نے یہ بات سن کر سوچا کہ یہ لوگ تو آئندہ مجھے پانی لینے سے روکیں گے۔

## تیسری رات کنویں پر جھگڑا

تیسری رات پھر میں کنویں پر پانی لینے گیا اور جاتے ہی کہا السلام علیکم۔ اس دن ایک ہی آدمی تھا۔ جس کا نام رانا تھا۔ وہ کہنے لگا کون؟ میں نے کہا ڈاکٹر۔ وہ کہنے لگا میں پانی نہیں بھرنے دونگا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا کہ کوہلیوں کے ساتھ دن کو یہاں سے پانی لیا کریں۔ میں نے کہا کہ دن کو یہاں سے پانی نہیں ملتا جبھی تو میں رات میں یہاں پانی لینے آتا ہوں۔ وہ کہنے لگا کہ میں پانی نہیں بھرنے دونگا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور کوئی آدمی بھی پاس نہ تھا۔ میں نے کہا آخر تو پانی کیوں نہ بھرنے دے گا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کا کوہلیوں کے ساتھ تعلق ہے۔ آپ لوگ ان کے ساتھ کھا لیتے ہو پانی بھی انہیں کے ساتھ بھرا کرو۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ تو سب کے فائدہ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ آپ لوگ بیمار ہو جاتے ہیں تو آپ کا



علاج بھی تو کرتے ہیں۔ کوئی دوسرا بیمار ہو جائے تو اسکا بھی علاج کرتے ہیں۔ مجھے تو جس وقت پانی ملے گا اس وقت ہی پانی لینے آیا کرونگا۔ اگر دن کو مل گیا تو دن کو لے جاؤنگا۔ اگر دن کر نہیں ملے گا تو رات کو لینے آؤنگا۔ اس پر وہ کہنے لگا ہم نے پانی تقسیم کر لیا ہے۔ رات کو ہم بھرا کرینگے اور دن کو کوہلی بھریں گے۔ میں نے کہا کہ میں تو کوہلی نہیں ہوں کہ ان کے ساتھ پانی بھرا کروں۔ پانی کی تقسیم اس طرح سے کی تھی تو میرے لئے بھی ایک گھنٹہ علیحدہ مقرر کر دیتے۔ میں بھی تو اسی گاؤں میں رہتا ہوں۔ میرا بھی تو پانی پر حق ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میں آپ کو پانی نہ بھرنے دونگا۔ میں نے کہا کہ میں تو پانی بھر کر ہی جاؤنگا۔ وہ کہنے لگا کہ اگر تم کنویں میں بالٹی ڈالو گے تو میں اسے گھما کر باہر پھینک دوں گا۔ میں نے کہا کہ میں بالٹی کنویں میں ڈالنے لگا ہوں تم اسے ہاتھ تو لگا کر دکھاؤ۔ اگر تم راجپوت ہو تو میں بھی راجپوت بھٹی ہوں۔ کوہلی نہیں ہوں کہ جسے تم ناجائز دبا سکو۔ اگر ہم لوگ کمزور ہوتے تو 1400 کلومیٹر دور گھر چھوڑ کر جنگلوں میں نہ آتے اور ہم ایسے ہی نہیں آ جاتے ہمارے پیچھے ہمیں یہاں بھیجنے والے ہیں۔ بہر حال میں نے بالٹی سے پانی نکالا اسے گھڑے میں ڈالا اور اپنے سنٹر واپس آ گیا۔

## پھولپورہ تبادلہ

جب میں نے دیکھا کہ پانی دن کو تو ملتا نہیں اگر رات کو پھر پانی لینے وہاں گیا تو جھگڑا ہونے کا خدشہ ہے جو ہمارے لئے مناسب نہیں۔

چنانچہ میں دوسرے دن نگر پارکر شہر چلا گیا اور محترم احسان الٰہی صاحب کو رات والا واقعہ سنایا کہ رات کو یہ جھگڑا ہوا ہے۔ ٹھاکر پانی نہیں لینے دیتے۔ دن کو پانی ملتا نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ گلزار احمد کشمیری صاحب دو ماہ کے لئے پھولپورہ سے چھٹیوں پر گئے ہیں۔ وہاں سنٹر خالی ہے۔ آپ دو ماہ کے لئے وہاں چلے جائیں۔ چنانچہ میں نے دھنا گام سے اپنا سامان لیا اور پھولپورہ آ گیا۔ یہاں پانی وافر مل جاتا تھا۔ بہر حال پانی کی وجہ سے وہاں جو تکلیف تھی کافی حد تک کم ہو گئی۔

## قیمتی ٹیکہ ضائع ہونا اور قبولیت دعا

میں پھولپورہ میں دو ماہ رہا۔ اسی دوران ہی وہاں قبولیت دعا کا ایک واقعہ پیش آیا۔ ایک روز میں پھولپورہ سنٹر میں رات کا کھانا پکا رہا تھا کہ پھولپورہ سے 3 کلومیٹر دور سے ایک وانڈی سے ایک آدمی آیا کہ میری بیوی بیمار ہے بچے کی پیدائش کا وقت ہے جبکہ بچہ پیدا نہیں ہو رہا۔ آپ اس کا علاج کریں۔ گرمی کا موسم تھا سانپ وغیرہ کا بھی خطرہ تھا۔ پیدل ہی سفر کر کے وہاں جانا تھا اور پیدل ہی واپس آنا تھا۔ لیکن ان کو سوائے میرے کوئی اور ڈاکٹر بھی نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ جب وہاں پہنچا تو میرے پاس صرف ایک ہی انجکشن تھا جو بچہ کی پیدائش کے وقت لگایا جاتا ہے۔ یہ انجکشن شیشے کا تھا جس کا پانی رات کو توڑنے کے دوران زمین پر گر گیا۔ جبکہ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی اور انجکشن تھا بھی نہیں۔ چنانچہ میں نے اسے کورامین کا انجکشن لگا دیا تا کہ اسے کچھ نہ کچھ طاقت آ جائے اور انہیں یقین آ جائے کہ میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ میں نے مغرب وعشاء کی نمازیں ادا کرنی تھیں۔ میں نے ایک چارپائی پر کپڑا بچھایا اور نماز مغرب وعشاء ادا کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کی کہ اے خدا! تُو تو جانتا ہے کہ میں کیسا ڈاکٹر ہوں اور تیرے دین کے لئے ہم اس علاقہ میں آئے ہیں۔ میرے پاس تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ تُو ہی اسے شفا دینے والا ہے۔ اس مریضہ کی تکلیف دور فرما۔ نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد جب میں نے سلام پھیرا تو ایک لڑکی نے آ کر بتایا کہ بچی پیدا ہوئی ہے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور سوچا کہ یہ قبولیت دعا کا ہی نتیجہ ہے (الحمد للہ)۔ ورنہ میرے پاس تو کوئی علاج نہ تھا اور نہ ہی میں کوئی ڈاکٹر تھا۔ یہ صرف اور صرف خلیفہ وقت کی دعائیں تھیں جو علاج میں ہماری معاون رہیں۔

## جوؤیں پڑ گئیں

چونکہ نگر پارکر کے علاقہ میں پانی کی بہت قلت تھی اور وافر پانی نہیں ملتا تھا۔ پانی کی کمی کی وجہ سے نہ تو اچھی طرح سے غسل کر سکتے اور نہ ہی



کپڑے صاف ہو پاتے تھے۔ اس وجہ سے کپڑوں میں جوؤیں پڑ گئیں۔ میں نے سمجھا کہ شاید خارش ہو گئی ہے۔ اس لئے کئی قسم کی گولیاں کھائیں لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کرامت اللہ صاحب کا سنٹر راٹھی تھا۔ وہ جب نگر پارکر شہر ماہانہ میٹنگ کے لئے جاتے تو رات کو میرے پاس دھنا گام آ جاتے تھے اور دوسرے دن ہم دونوں نگر پارکر شہر جاتے تھے۔ چنانچہ اس خارش کا ذکر میں نے ان سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ تمہیں جوؤیں پڑ گئی ہونگیں۔ میں نے کہا مجھے کس طرح جوؤیں پڑ گئیں؟ وہ کہنے لگے کہ یہاں جوؤیں پڑ جاتی ہیں آپ اپنی بنیان تو دیکھیں۔ جب میں نے اپنی بنیان دیکھی تو واقعی وہ جوؤں سے بھری ہوئی تھی۔

## بنیان کو بچھڑا کھا گیا

جوؤیں ختم کرنے کا علاج میں نے یہ سوچا کہ گرم پانی میں بنیان کو رکھا جائے۔ گرمی کی وجہ سے جوؤیں مر جائیں گی۔ چنانچہ اس کام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میں نے پانی گرم کر کے بنیان کو اس میں ڈبوئے رکھا۔ صابن سے مَل کر پانی سے اچھی طرح سے صاف کیا اور بنیان کو سکھانے لے لئے باڑ پر رکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو اس بنیان کو ایک بچھڑا کھا رہا تھا۔ اس علاقہ میں قحط سالی کی وجہ سے مویشیوں کا بھی برا حال تھا۔ لہٰذا وہ کپڑے، کاغذ وغیرہ بھی کھا جاتے تھے۔ میں نے یہ دیکھ کر کہا چلو یہ تو صاف ہو گئی پھر نئی بنیان لے آؤں گا۔

اس علاقہ میں لوگوں کو جوؤیں بہت پڑ جاتی تھیں۔ وجہ یہی تھی کہ پانی ملتا نہیں تھا۔ نہ لوگ غسل کرتے اور نہ ان کے کپڑے صاف رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے جوؤیں پڑ جاتی تھیں۔ جوؤیں پڑنے سے بچاؤ کے لئے بہت کوشش کی جاتی تھی کہ نہ پڑیں مگر کسی نہ کسی طرح وہ پڑ ہی جاتی تھیں۔ ایک دفعہ میں جلسہ سالانہ کے لئے ربوہ جانے کے لئے لوگوں کو تیار کرنے کے لئے لوگوں کے گھروں میں رات کو گیا اور تھوڑی دیر ان کے بستروں پر بیٹھا۔ واپس آ کر جب نماز پڑھنے لگا تو جسم پر جوؤیں دوڑ رہی تھیں۔ میں نے نماز پڑھ کر کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے پہن لئے اور صبح کو کپڑے دیکھے تو جوؤں سے بھرے پڑے تھے۔

میں ان جوؤں کی وجہ سے بہت پریشان تھا اور کئی طریقے سوچتا تھا کہ ان کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ آخر استری لی اور کپڑوں پر استری کی جاتی نیز مقامی لوگوں کے بستروں وغیرہ پر بیٹھنے سے پرہیز کیا۔ اس طرح سے جوؤں سے بچاؤ ہو گیا۔

## 48 گھنٹوں میں 6 سانپ

سانپ تو اس علاقہ میں بہت پائے جاتے تھے۔ جو مختلف اقسام کے تھے۔ میں نے بہت سانپ مارے تھے۔ سنٹر دھنا گام کے متعلق کچھ ذکر کرتا ہوں کہ ایک بار میں نے چورا میں اذان دی۔ چورے لکڑیوں کے چھاپے لگا کر گول دائرہ میں بنا کر اوپر گھاس وغیرہ لگا دیا جاتا ہے اور سانپ بڑی آسانی کے ساتھ اس پر چڑھ جاتے ہیں۔ جب میں نے بائیں طرف حی علی الفلاح کہا اور منہ موڑا تو چورا میں ایک سانپ دیکھا۔ ایک نو مسلم گل محمد صاحب نماز پڑھنے آئے تو میں نے ان کو بتایا کہ یہاں سانپ ہے۔ چنانچہ وہ فوراً دوڑ کر گئے اور ایک غلیل لے کر آ گئے اور ایک گولی غلیل میں ڈال کر ماری اور سانپ کو مار دیا۔ چورا میں اس طرح سانپ کو دیکھ کر یہ خوف رہتا تھا کہ سوتے میں کہیں کوئی سانپ میرے اوپر نہ گر پڑے۔ چنانچہ میں نے اس بات کا ذکر احسان الٰہی صاحب سے کیا۔ وہ تو شہر میں پکے مکانوں میں رہتے تھے۔ ان کے پاس مچھر دانی تھی۔ جس کی انہیں ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے وہ مجھے دی اور کہا کہ یہ لگا کر سویا کرو۔ اگر سانپ آپ پر گر بھی جائے تو اس مچھر دانی کی وجہ سے تمہیں کاٹ نہیں سکے گا۔ اس طرح سے میں مچھر دانی لگا کر اطمینان سے سوتا رہا اور سانپ گرنے کا خطرہ جاتا رہا۔

سانپوں سے بچنے کے لئے ہم پوری کوشش کرتے تھے۔ رات کو ہر وقت اپنے پاس ٹارچ رکھتے اور ڈنڈا رکھتے تھے۔ رات کو سونے سے پہلے اپنی جوتیاں چارپائی کی پائنتوں میں رکھتے تھے کہ سانپ جوتیوں میں نہ بیٹھ جائیں۔ آنے جانے کے لئے پاس ایک ٹارچ ہوتی تھی۔ سانپوں کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا۔ اصل حفاظت کرنے والا تو خدا تعالیٰ ہی ہے



جس نے بچائے رکھا۔ سانپ تو میں نے اس سنٹر میں بہت مارے تھے اور وہ جگہیں بھی یاد ہیں جہاں مارے تھے۔ میں صرف 48 گھنٹوں میں مارے جانے والے سانپوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس سنٹر میں میں نے مارے۔ ایک دن میں نماز فجر کے لئے اٹھا۔ میں نے جائے نماز کو ایک کونے سے پکڑ کر ایک طرف جھٹکا دیا تو اس میں سے ایک سانپ نکلا۔ میں نے اس کو مار دیا۔ پھر نماز کی ادائیگی کے بعد آٹا گوندھا اور روٹی پکانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی آیا کہ میری بیوی بیمار ہے آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں نے کہا کہ پہلے تو میں پانی لینے جاؤنگا کیونکہ اگر عورتیں پہلے پانی بھریں تو بعد میں پانی نہیں ملتا۔ اس نے کہا کہ چلیں میں بھی آپ کے ساتھ پانی لینے چلتا ہوں۔ چنانچہ اس نے بھی ایک گھڑا پکڑ لیا۔ ہم دونوں پانی لینے کے لئے جا رہے تھے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ اس آدمی نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سانپ ہے۔ میں نے کہا کہ کہاں ہے؟ وہ کہنے لگا کہ پہاڑی کیکر پر بیٹھا ہوا ہے۔ لہٰذا ہم نے گھڑے وہیں رکھے۔ میں نے اس سے کہا کہ تم اس سانپ پر نظر رکھو کہیں یہ چھپ نہ جائے۔ میں اسے مارنے کے لئے کوئی پتھر تلاش کر کے لاتا ہوں۔ وہ سانپ کو دیکھتا رہا اور اس دوران میں بھی پتھر لے آیا۔ سانپ دراصل 2 تھے۔ اس آدمی نے ایک کو دیکھا تھا جبکہ دوسرے سانپ کو میں نے دیکھا ہوا تھا۔ اس پر میں نے پتھر مارا جس سے وہ زخمی ہو کر درخت سے نیچے گر پڑا جسے میں نے مار دیا۔ لیکن جو سانپ اس آدمی کی نظر میں تھا وہ بھاگ گیا تھا۔

چنانچہ ہم دونوں نے پانی گھڑوں میں بھرا اور واپس آ گئے۔ گھر سے کھانا کھا کر میں اس آدمی کے ساتھ اس کی بیوی کے علاج کے لئے چل پڑا۔ اس کی بیوی کو کمر اور پیٹ میں درد تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید بچے کی پیدائش کا وقت ہے۔ اس لئے وہ مجھے اپنے ساتھ لے آیا تھا نیز انہوں نے ایک دائی کو بھی بلایا ہوا تھا۔ میں ایسی مریضہ کا پہلی بار علاج کرنے گیا تھا۔ تجربہ بھی نہ تھا۔ دائی نے کہا کہ بچے کی پیدائش کا وقت ہے۔ آپ ٹیکہ لگائیں۔

چنانچہ میں نے اسے ٹیکہ لگادیا اور ایک جگہ بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ بچہ کی پیدائش کے بعد ہی جاؤنگا۔ ٹیکہ لگانے کے بعد اس کے درد میں کمی واقع ہوگئی اور وہ میرے لئے کھانا بنانے لگی۔ میں نے اسے ایک اور ٹیکہ لگایا اور پھر ایک جگہ بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد پتہ چلا کہ درد میں مزید افاقہ ہوا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کہیں پانی لاتے ہوئے گری تو نہیں؟ اس نے کہا کہ گری تھی۔ میں نے کہا کہ یہ درد اسی وجہ سے ہوئی تھی۔ ورنہ ابھی بچہ کی پیدائش کا وقت نہیں ہے۔ بہرحال وہ ٹیکوں کی وجہ سے ٹھیک ہوگئی۔ میں نے اسے کہا کہ ٹیکے میں نے لگا دیئے ہیں اب بچہ کی پیدائش آرام سے ہوجائیگی۔ پندرہ بیس دنوں کے بعد پتہ چلا کہ بچہ کی پیدائش بغیر کسی علاج کے ہوگئی ہے۔

## نگران معلمین کا میرے پاس آنا

اسی روز رات کو محترم محمد عاصم حلیم صاحب معلم وقف جدید جو نگران معلمین تھے۔ ان کا کام تھا کہ سب معلمین کی خبر رکھتے تھے اور دورے بھی کرتے تھے۔ وہ میرے پاس تشریف لائے اور رات میرے پاس ہی گزاری۔ نماز تہجد تو ہم نے اپنی اپنی چارپائیوں پر ہی بیٹھ کر پڑھ لی۔ نماز فجر کے لئے اٹھے جائے نماز چوراکے اندر تھی۔ میں اٹھانے لگا تو دوبارہ خیال آیا کہ کل اس میں سے سانپ نکلا تھا کہیں آج بھی نہ نکل آئے۔ چنانچہ میں نے اس کو ایک طرف کرکے جھٹکا تو پھر اس میں سے ایک سانپ نکلا جسے میں نے ماردیا۔ پھر ہم نے نماز فجر ادا کی۔ اس کے بعد میں نے آٹا تیار کرکے روٹیاں بنائیں۔ ناشتہ کرکے میں نے انہیں کہا کہ میں نے پانی لینے جانا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ پانی لینے چلتا ہوں۔ چنانچہ ہم دونوں پانی لینے چل پڑے۔ راستہ میں اسی درخت کے پاس پہنچے جس پر گذشتہ کل میں نے ایک سانپ کو مارا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے کل یہاں پر بھی ایک سانپ کو مارا تھا۔ انہوں نے درخت کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہاں تو آج بھی ایک سانپ بیٹھا ہے۔ چنانچہ میں ایک پتھر اٹھا کر لایا۔ میں وہ پتھر سانپ کے سر پر مارنا چاہتا تھا



اور اس کے سر کو دیکھنے کیلئے جب میں چھوٹے کیکر کی دوسری طرف گیا تو وہاں ایک اور سانپ مجھے نظر آیا۔ میں نے کہا کہ ایک نہیں یہاں دو ہیں۔ چنانچہ میں نے دونوں کو پتھر مار کر زخمی کردیا اور درخت سے اتار کر ماردیا۔ ہم دونوں پانی لے کر واپس سنٹر آگئے۔ محمد عاصم صاحب نے کہا کہ آئیں دعوت الی اللہ کے لئے دورہ کریں۔ لہٰذا ہم دونوں گھوڑوں پر سوار ہوکر 'چنیدہ' کی طرف گئے۔ جب ہم جارہے تھے تو راستہ میں تھوہر کے درخت پر سانپ عاصم صاحب نے دیکھا۔ انہوں نے مجھے بتایا۔ میں گھوڑے سے نیچے اترا۔ ڈنڈا تو ہر وقت میرے پاس ہی ہوتا تھا۔ بہرحال میں نے اس سانپ کو بھی ماردیا۔ اس طرح سے ہم نے دو دنوں میں کل 6 سانپ مارے تھے۔

## دعوت الی اللہ کا ذکر

جب سنٹر دھنا گام میں پہنچا تو مجھے دعوت الی اللہ کا بہت شوق پیدا ہوا اور یہ کہ ہمارے ذریعہ ہندو اسلام قبول کریں، دعوت الی اللہ کرتا تھا اور ساتھ ہی اپنے احمدی ہونے کا حوالہ دیتا کہ اپنے خاندان کو چھوڑ کر میں نے احمدیت قبول کی۔ اس زمانہ کا مامور آگیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میری دعوت الی اللہ سن کر یہ لوگ اسلام کی طرف راغب ہوکر خود کہیں گے کہ ہم احمدی ہونا چاہتے ہیں ہمیں احمدی کرو۔ پھر میں بیعت فارم پر کرونگا۔ کیونکہ دوسرے معلم بیعتیں کروا رہے تھے۔ میری کوئی بیعت نہ تھی۔ میں نے ایک دن غلام احمد صاحب چشتی کو کہا کہ میں دعوت الی اللہ تو بہت کرتا ہوں لیکن کوئی شخص احمدی ہونے کو تیار ہی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ اس طرح احمدی نہ ہونگے۔ ان کو دعوت الی اللہ کرنے کے بعد یہ بھی توجہ دلاؤ کہ آپ لوگ ہماری جماعت میں شامل ہوں تو پھر وہ لوگ احمدی ہونگے۔ انشاء اللہ

چنانچہ دعوت الی اللہ کرنے کے بعد میں نے لوگوں کو کہنا شروع کردیا کہ وقت کا اوتار آگیا ہے اس نے ہمیں اس علاقہ میں بھیجا ہے۔ آپ لوگ بھی ہماری جماعت میں آئیں اور ہمارے بھائی بنیں اور بیعت فارم نکالتا اوران کو شرائط بیعت سنایا کرتا۔ پھر کہتا کہ آپ

کا نام لکھوں آپ ہماری جماعت میں شامل ہونا چاہتے ہیں! اور جو کہتا کہ ہاں ہونا چاہتا ہوں تو اس کا نام پر کر کے ان سے دستخط یا انگوٹھا لگوا کر فارم مرکز ربوہ بھجوا دیتے۔ پھر کیا تھا میری بیعتیں بھی مرکز جانا شروع ہوگئیں۔ چنانچہ میں نے دیوانہ وار دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیا۔ کسی اونچی جگہ کھڑا ہو جاتا جہاں کہیں کوئی آدمی کھیتوں میں کام کرتے دیکھتا اس کے پاس جا کر دعوت الی اللہ کرنے لگتا اور بیعتیں کرواتا تھا۔ پھر ایسا وقت آیا کہ مرکز ربوہ میں میری سب معلمین سے زیادہ بیعتیں ہونے لگیں۔ ایک بار ایک ماہ کے دوران میری 41 بیعتیں ہوئیں۔ اس وجہ سے حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب جو اس وقت ناظم وقف جدید تھے نے میرا دل بڑھانے کے لئے مجھے بہت پیارا خط لکھا۔ اس وجہ سے میرا دل دعوت الی اللہ کی طرف اور بھی زیادہ مائل ہوا۔ دوسرے معلمین کو ناظم صاحب میرے حوالہ سے خط لکھتے کہ ایک نیا معلم آیا ہے وہ اس علاقہ کی زبان بھی پوری طرح سے نہیں جانتا۔ اس کی کوششوں سے 41 بیعتوں کی خبر پہنچی ہے۔ دوسرے معلمین کیا کر رہے ہیں۔ وہ کوشش کیوں نہیں کرتے۔

ناظم صاحب کا خط پڑھ کر میں بہت خوش ہوا اور ساتھ پریشانی بھی ہوئی کہ اس ماہ کی میری بیعتیں کم ہیں۔ پہلے کی نسبت زیادہ ہونی چاہییں۔ میں نگر پارکر شہر سے واپسی پر اپنے خورد و نوش کا سامان آٹا وغیرہ لے کر پیدل اپنے سنٹر روانہ ہوا۔ سادالواس پہنچا۔ غلام احمد چشتی صاحب وہاں موجود نہ تھے۔ وہاں سے پھر اپنے سنٹر روانہ ہوا۔ سفر کی وجہ سے تھکاوٹ تھی اور پہاڑ کے دامن میں جاتے ہوئے دعائیں مانگتا گیا۔

## اضطراری حالت میں دعا اور قبولیت

اے خدا پہلے کی نسبت پندرہ بیعتیں کم ہیں اور ماہانہ میٹنگ قریب ہے۔ اپنا فضل فرما اور مجھے دس پندرہ بیعتیں عطا فرما۔ میں جب اپنے سنٹر پہنچا اور اپنا سامان رکھ کر ایک گھر میں چابی تھی لینے گیا اور ایک جوڑا جو میرے ذریعے سے احمدی ہوا تھا۔ میں نے عورت کا نام



زینب رکھا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے گھر ہمارا والد اور چچا آئے ہیں ان کو بھی احمدی کرو۔ میں نے سامان چورا کے اندر رکھا اور اُن کے والد اور چچا کو دعوت الی اللہ کرنا شروع کر دی۔ لہٰذا دونوں بھائیوں نے بیوی بچوں سمیت بیعت کر لی۔ اس طرح سے میرے ذریعہ سے 15 بیعتیں مزید ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبولیت کا درجہ دیتے ہوئے مجھ ناچیز کو 15 بیعتیں اور دیں۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہر ماہ پہلے ماہ کی نسبت زیادہ بیعتیں دیں۔

## نگر پارکر سے پہلی بار چھٹی پر آنا

میرے چھٹی پر آنے سے قبل غیر از جماعت علماء نگر پارکر کے علاقہ میں آئے۔ ایک ٹریکٹر ٹرالہ پر سوار ہو کر نگر پارکر کے علاقہ کا دورہ کیا اور کچھ خوف پیدا ہوا کہ شاید یہ شرارت کرنے آئے ہونگے۔ انہوں نے لوگوں کو جماعت احمدیہ کے خلاف کرنے کی کوشش بھی کی۔ احسان الٰہی صاحب نے مجھے کہا کہ ربوہ جا کر اس بات کا ذکر ناظم صاحب سے کریں۔ چنانچہ میں ربوہ پہنچا۔ اگلے روز نماز ظہر بیت المبارک میں ادا کرنے گیا۔ دیکھا کہ ناظم صاحب سنتیں ادا کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ انہیں یہیں ملتا ہوں۔ جب ناظم صاحب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور نگر پارکر کے علاقہ کے حالات سنانے شروع کئے۔ ناظم صاحب نے کہا کہ بیت المبارک کے صحن میں چلتے ہوئے مجھے حالات سنائیں۔ ناظم صاحب نے میرا بایاں بازو پکڑا اور تیز چلنے لگے۔ صحن میں دو چکر لگائے اور تیز چلنے کی وجہ سے میرا سانس تیز ہوگیا اور تھکاوٹ کی وجہ سے بات کرنا مشکل ہوگیا۔ میں نے مختصر کر کے واقعہ سنایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم پتہ کر لیتے ہیں اور مجھے چھوڑ دیا۔ اس دن ناظم صاحب کے تیز چلنے کا اندازہ ہوا۔ وہ چل رہے تھے اور میں ساتھ دوڑ رہا تھا۔ بہرحال 1981ء میں میری اڑھائی سو بیعتیں ہوئیں اور کارکردگی کے لحاظ سے سب سے زیادہ میری بیعتیں تھیں۔ 1981ء کے بعد احسان الٰہی صاحب کا تبادلہ ہوگیا اور ان کی جگہ محمد عقیل صاحب

نگر پار کر کے علاقہ کے امیر بنے۔

## محمد عقیل صاحب بطور امیر

1982ء میں مکرم محمد عقیل صاحب (مرحوم) کو بطور امیر بھیجا گیا۔ آپ بہت نیک بزرگ، ہمدرد اور نیک انسان تھے۔ انہوں نے امارت کا زمانہ احسن رنگ میں گزارا تھا۔ بہت ملنسار تھے۔ معلمین سے اس طرح بولتے کہ وہ ان کی باتیں سن کر دعوت الی اللہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ بات سمجھانے کا بہت سلیقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرتے ہوئے ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

1982ء کے اوائل میں میں دھنا گام سنٹر میں رہا۔ سردیوں کے دنوں میں تو کچھ نہ کچھ پانی مل جاتا تھا۔ جب دوبارہ گرمی کا موسم شروع ہوا تو پانی کا وہی حال ہو گیا کہ بہت مشکل سے ملتا تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے میرا تبادلہ دھنا گام سے دھنگاسرہ سنٹر کر دیا۔ وہاں پانی تو مل جاتا تھا لیکن نگر پار کر شہر سے دور تھا اور نگر پار کر شہر ماہانہ میٹنگ کے لئے اور خورد ونوش کا سامان لینے کے لئے آنا پڑتا تھا کیونکہ ہر ماہ میٹنگ ہوا کرتی تھی اور آٹا کا انتظام نگر پار کر شہر میں ہی تھا۔

## کمپنی کمانڈر سے ملاقات

دھنگاسرہ سنٹر بارڈر کے بالکل قریب تھا اور سنٹر کے قریب رینجرز کی چوکی تھی۔ جب تین چار دن گزر گئے تو رینجرز پولیس کو میرے وہاں جانے کا علم ہوا۔ چنانچہ مجھے کمپنی کمانڈر نے بلوایا۔ جس پر میں چوکی گیا۔ میرے ساتھ گاؤں کے کچھ کوہلی بھی تھے۔ کیونکہ وہاں غیر مسلم زیادہ ہیں۔ اس وجہ سے رینجرز پولیس ان پر کوئی نہ کوئی الزام لگا کر انہیں ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں اور غیر مسلم رینجرز سے بہت ڈرتے تھے۔ وہ لوگ ہماری جماعت کو سہارا سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ہمیں تکلیفوں سے بچانے والے ہیں۔ معلمین کی بھی یہی کوشش ہوتی تھی کہ غیر مسلم یا نومسلم ان رینجرز کے ساتھ تعاون رکھیں۔ اس وجہ سے معلمین کو بھی وہاں دلیری سے رہنا پڑتا تھا



کیونکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ احمدی معلمین بھی ڈرتے ہیں نیز یہ بھی کہ اگر یہ معلمین اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو ہماری کیا کریں گے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے معلمین کی کوشش ہوتی تھی کہ ہمارا رعب قائم رہے۔ چنانچہ میں رینجرز کی چوکی پہنچا تو کمپنی کمانڈر نے مجھے دبانے کی کوشش کرنے لگے کہ تم اس بارڈر والے ایریا میں کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا کہ ہمارا یہاں سنٹر ہے۔ پہلے بھی ہمارے آدمی اس سنٹر میں رہ چکے ہیں اور میرا تبادلہ اس سنٹر میں ہوا ہے۔ اس وجہ سے یہاں آیا ہوں۔ ایسے ہی نہیں آ گیا۔ نگر پار کر ہمارا مشن ہاؤس ہے۔ وہاں ہمارا امیر ہے۔ اور ہمارا مرکز کی طرف سے تبادلہ ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ تم لوگ ان کے مذہب کو خراب کر رہے ہو۔ میں نے کہا کہ یہ لوگ مشرک ہیں۔ ہم لوگ تو ان کو ایک خدا کی تعلیم دیتے ہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دین آیا ہے اسے پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے پیارے محبوب رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں گے اور وہی نماز پڑھیں گے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی ہے تو کیا ان کا مذہب خراب ہو جائیگا۔ ہم لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ اس علاقہ کے غیر مسلم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور دین محمدؐ غالب آ جائے اور آپ کہتے ہیں کہ ہم ان کا دین خراب کر رہے ہیں۔

کمپنی کمانڈر بھی میرے ساتھ اُردو زبان میں بلند آواز سے باتیں کر رہا تھا اور مجھے دبانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ ارد گرد دوسرے سپاہی اور کوہلی نومسلم بھی کھڑے تھے اور میں اس کو اُردو زبان میں بلند آواز سے ہی جواب دے رہا تھا اور اس کے دباؤ میں نہیں آ رہا تھا تو کمپنی کمانڈر کو جب یقین ہو گیا کہ ہم پرامن لوگ ہیں تو اس نے کہا کہ اُردو زبان کو چھوڑو اور اپنے علاقہ کی زبان بولو جہاں سے تم آئے ہو۔ چنانچہ میں نے اپنے علاقہ پنڈی بھٹیاں کی زبان میں اس سے بات کرنا شروع کر دی جو ہماری مادری زبان تھی۔ وہ کمپنی کمانڈر

سرگودھا کا رہنے والا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ تو ہمارا گرائیں ہے اور ہمارے علاقہ کا آدمی ہے۔ چائے لاؤ۔ چنانچہ مجھے کرسی پر بٹھایا اور بتایا کہ میں سرگودھا کا رہنے والا ہوں۔ میرا نام محمد خاں ہے۔ آپ کو کوئی تکلیف ہو تو مجھے بتائیں۔ ہماری ڈیوٹی چونکہ بارڈر پر رہتی ہیں۔ حساسیت کی وجہ سے ہم نئے آنے والے کو یہاں شناخت کے لئے بلاتے ہیں۔ اس لئے ہم نے آپ کو یہاں آنے کی تکلیف دی تا کہ آپ کی پہچان ہو جائے۔ آپ بیشک ہمارے پاس آیا کریں۔ یہاں ہم والی بال کھیلتے ہیں۔ اگر کھیل سکتے ہیں تو یہاں آ کر کھیلا کریں۔ اس پر میں نے کہا کہ ہاں میں یہاں والی بال کھیلنے آیا کرونگا کیونکہ میں والی بال کا پلیئر ہوں۔ اس طرح سے وہ میرے دوست بن گئے۔ میں نے بھی کمپنی کمانڈر اور رینجرز ڈاکٹر کی دعوت کی۔ چنانچہ وہ میرے سنٹر آئے اور میرے پاس آ کر کھانا وغیرہ کھایا۔ جب تک میں اس سنٹر میں رہا ان کے پاس جاتا رہا کیونکہ وہ پنجابی تھے۔ وہ بڑے پیار سے پیش آتے تھے۔ ایک لڑکا ملتان کا کسی مولوی کا بیٹا تھا۔ وہ مجھ سے نفرت کیا کرتا تھا۔ وہاں بھی جب ایک مذہبی مسائل پر بحث ہوئی تو وہ اعتراض وغیرہ کرتا تھا اور میں اسکے اعتراضات کے جواب دیتا تھا۔ ایک دفعہ ختم نبوت کے مسئلہ پر وہ غصہ میں آ گیا اور میرے ساتھ لڑنے کی کوشش کی جس پر دوسرے سپاہیوں نے اسے روکا اور مجھے علیحدہ ہو کر کہا کہ یہاں پر مذہبی باتوں سے پرہیز کریں۔ یہ آدمی پاگل ہے۔ دوبار پاگل خانے جا چکا ہے۔ اس سے بچ کر رہا کریں۔ اس کے بعد میں نے وہاں پر مذہبی گفتگو سے بچنے کی کوشش کی۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی میرے پاس سنٹر میں آتا تو اس کے ساتھ مذہبی مسائل پر ضرور بات ہوتی تھی اور وہ برا بھی نہیں مناتے تھے۔

## صحراء میں مچھلیاں

نگر پارکر سندھ کے علاقہ میں پینے والا میٹھا پانی کم ہی ملتا ہے اور اکثر جگہ نمکین اور کھارا پانی ہے۔ جو مویشی وغیرہ پی لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ نگر پارکر کے مغربی اور جنوبی طرف رَن ہے جو سمندر کا حصہ ہے اس میں پانی تو ہوتا



ہے وہ اتنا زیادہ نمکین ہے کہ نہ تو اسے کوئی انسان پی سکتا ہے اور نہ کوئی مویشی۔ لیکن کڑوا پانی بھی لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے۔ اس میں مچھلی مل جاتی ہے۔ جو لوگ کھاتے ہیں۔ رن کا اکثر حصہ ہندوستان کا علاقہ ہے۔ بارڈر کی برجیاں پاکستان کے علاقہ میں لگائی گئی ہیں اور ہندوستان کی فوج دوسری طرف ہندوستان کے علاقہ میں رہتی ہے۔ ہندوستان کی فوج کبھی کبھی بارڈر کا دورہ کرتی ہے۔ کیونکہ رَن کا پانی کئی میل تک پھیلا ہوا ہے اور ہندوستانی فوج ہر وقت اس رن کی حفاظت نہیں کرسکتی۔ اس لئے پاکستانی لوگ جو رن کے قریب ہیں وہ رن سے مچھلیاں پکڑ لیتے ہیں۔

مارچ کا مہینہ تھا اور رن کا پانی کچھ کم ہوا تو ارد گرد کے لوگ رات کے آخری حصہ میں رن پر مچھلیاں پکڑنے چلے جاتے تھے اور لال ٹینوں اور ٹارچوں سے روشنی کرتے تو روشنی کی وجہ سے مچھلی اوپر آ جاتی تھی۔ اور وہ ڈنڈے مار کر مچھلیاں پکڑ لیتے تھے۔ ایک دن پوسٹ سے رینجر ڈاکٹر آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کیا آپ مچھلی نہیں کھاتے۔ میں نے کہا کہ اگر مل جائے تو کھا لیتا ہوں۔ اس پر اس نے کہا کہ مچھلیاں پکڑ لیا کرو۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ تو بارڈر کے دوسرے طرف پاؤں نہیں رکھتے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کہیں کہ ہندوستان گئے ہوئے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ آپ کے روابط ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ آپ مچھلی کھائینگے؟ میں نے کہا کہ مل گئی تو کھا لونگا۔ وہ کہنے لگے میں لوگوں کو کہہ دونگا وہ آپ کو مچھلی دے جائینگے۔ دوسرے دن مچھلیاں پکڑنے والے مجھے مچھلی دینے آئے اور مچھلیاں مجھے دیں۔ مچھلیاں دو دو کلو کے برابر تھیں۔ دو مچھلیاں دو آدمیوں سے لے لیں۔ دوسرے لوگ بھی اصرار کرتے کہ ہم سے مچھلی لو۔ اگر نہیں لو گے تو رینجرز کا ڈاکٹر ہم سے ناراض ہوگا۔ میں نے کہا کہ مجھے زیادہ مچھلی کی کیا ضرورت ہے۔ میرے لئے یہی کافی ہیں۔ میں ڈاکٹر صاحب سے کہہ دونگا کہ میں نے ان سے مچھلی لے لی ہے اور میں نے ڈاکٹر صاحب کو کہا کہ لوگوں کو زیادہ تنگ نہ کرو۔ وہ مچھلی دے جاتے ہیں۔

ایک ہفتہ تک میں نے بہت مچھلی کھائی۔ پھر مزید کھانے کو دل نہ چاہتا تھا۔ پھر میں نے ان لوگوں کو روک دیا کہ اب مجھے مچھلی نہیں چاہیے تو پھر وہ لوگ مجھے مچھلی دینے نہ آتے۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے ایسے علاقہ میں میں مچھلی کھلائی کہ جس علاقہ میں لوگوں کو پینے کے لئے پانی تک میسر نہ تھا الحمد للہ۔ بہر حال جب تک میں اس سنٹر میں رہا رینجرز چوکی والے مجھ سے اچھی طرح سے پیش آتے رہے۔

## تھر کی دلیر اور باہمت خواتین

نگر پارکر کا علاقہ بارانی علاقہ ہے۔ اس علاقہ میں جب بارش ہوتی ہے تو لوگ فصلیں بیج لیتے ہیں۔ پانی نہ ملنے کی وجہ سے کھاد وغیرہ نہیں ڈالتے۔ اکثر باجرہ ان کی خوراک ہے اور ان لوگوں کے مویشی بھی گھاس یا جنگلی بوٹیاں کھاتے ہیں۔ اس وجہ سے خالص غذا ان کو مل جاتی ہے۔ گندم وغیرہ وہاں ہوتی نہیں۔ اس وجہ سے باجرہ وہ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ کچھ تھوڑا سا علاقہ کا سبو گاؤں میں ہے جہاں زمین میں پانی ہے اور وہاں لوگ گندم اور سبزیاں وغیرہ اگا لیتے ہیں ورنہ پورے علاقہ میں سبزی نہیں ہوتی۔ اس علاقہ کی فصلیں کھاد کے بغیر پکتی ہیں اور ادویات اور زہریں وغیرہ فصلوں کو نہیں دی جاتیں۔ خوراک بھی اصلی کھاتے ہیں اور اس کے علاوہ عورتیں مرد اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہیں اور خاص کر عورتیں زیادہ کام کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ صبح اٹھتے ہی چکی پر آٹا بناتی ہیں اور دور دور سے سر پر پانی لاتی ہیں اور مردوں کے ساتھ کھیتی باڑی کا کام بھی کرتی ہیں۔ اس وجہ سے بہت طاقتور ہوتی ہیں۔ میں ایک دفعہ کنویں سے پانی لینے گیا۔ کنواں سطحی زمین میں تھا اور دھنگاسرہ گوٹھ ایک اونچے ٹبہ پر واقع ہے جو 15 سے 20 گز اونچا ہے اور میں اس کنویں سے صرف ایک گھڑا پانی کا بڑی مشکل سے اس ریت کے ٹبّے سے پار کرتا تھا۔ جب میں کنواں پر گیا تو وہاں اکیلی ایک عورت تھی جس کے پاس 3 گھڑے تھے اور میرے سوا وہاں نہ کوئی عورت تھی اور نہ کوئی مرد۔ میں نے اپنا گھڑا پانی سے بھرا اور ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا کہ اگر وہ مجھے کہے گی تو



میں گھڑے اس کے سر پر رکھ دونگا۔ چنانچہ وہ عورت اپنے گھڑے پانی سے بھرنے لگی۔ عورتیں اکثر پردہ رکھتی ہیں۔ اس نے پردہ سے اپنا منہ بھی چھپایا ہوا تھا۔ اس نے پہلے پانی کا ایک گھڑا اپنے سر پر رکھا اور پھر دوسرا گھڑا پہلے گھڑے پر رکھا اور تیسرا گھڑا اپنے کولہے پر رکھا اور پاؤں کے انگوٹھا سے رسہ پکڑا جو ڈول کو ڈالا ہوا تھا۔ جس سے اس نے کنویں سے پانی نکالا تھا۔ ڈول کندھے پر اور وہ تین گھڑوں کا بوجھ اٹھا کر اونچے ٹبہ پر چڑھ گئی اور میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس نے بغیر کسی کی مدد سے اتنا زیادہ بوجھ اٹھا لیا ہے اور 4 دن کے بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور باوجود بچے کی پیدائش قریب تھی پھر بھی اس نے اتنا زیادہ بوجھ اٹھا لیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بچے کی پیدائش پر دوسری عورتوں کی طرح کسی قسم کی پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی۔ پنجاب میں ہمارے علاقہ میں اگر کسی عورت کا بچہ ہونے والا ہو تو بہت احتیاط کی جاتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ عورت بیمار ہو جائے اور پھر پانی کے بھرے ہوئے 3 گھڑے بمعہ ڈول حاملہ ہونیکی حالت میں اونچے ٹبہ پر چڑھ جانا بڑی ہمت کا کام ہے۔

## سرخ رنگ کے خطرناک سانپوں کی کُشتی

تھر میں سانپ کئی قسم کے ہیں۔ اکثر لنڈی ہے اور کالے رنگ کا پھنّیر سانپ اور بہت تیز دوڑنے والے سانپ بھی دیکھے تھے۔ بہت سے سانپ میں نے مارے تھے۔ میں سانپ سے ڈرتا نہیں تھا۔ جو بھی سانپ دیکھتا تھا اس کو ضرور مارنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں اپنے گھر دھنگاسرہ سنٹر میں بیٹھا ہوا تھا کہ گاؤں کے پٹیل نے آواز دی کہ ڈاکٹر صاحب سانپ ہے۔ اکثر ہندو لوگ سانپوں کو نہیں مارتے اور ڈرتے ہیں یا سانپوں کو نہ مارنا ان کی مذہبی تعلیم کی وجہ سے ہے۔ بہر حال مجھے پٹیل نے سانپ دکھائے جو بہت خوبصورت رنگ کے آپس میں گتھم گتھا تھے۔ ایسے سانپ میں نے پہلی بار دیکھے تھے۔ پٹیل کے پاس کسّی تھی اور اس میں لمبا دستہ تھا۔ میں نے اس سے سانپوں کو مارنے کے لئے وہ کسّی مانگی۔ لیکن وہ کہنے لگا کہ ان کو مارنا نہیں۔ ان کے قریب مت جانا۔ یہ اوپر اٹھ کر

انسان پر گرتا ہے یعنی یہ چھلانگ لگا کر انسان پر حملہ کرتا ہے۔ چونکہ میں اپنی زندگی میں ایسا سانپ پہلی بار دیکھا تھا اس لئے کچھ ڈر سا گیا۔ لیکن انہیں مارنا بھی چاہتا تھا۔ یہ خدشہ تھا کہ یہ میرے سنٹر کے بالکل قریب ہیں اس لئے نہ مارنے پر کہیں آتے جاتے مجھے کاٹ ہی نہ لیں۔ چنانچہ میں نے دور کھڑے ہو کر ایک پتھر ان پر پھینکا۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے پیچھے ہو کر بھاگنے لگے۔ ایک تو جلدی سے بھاگ کر ایک بل میں گھس گیا جبکہ دوسرا ابھی اس بل میں داخل ہونا ہی چاہتا تھا کہ میں نے کسّی مار کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر میں نے بل کے قریب سے مٹی کھود کر اس کا کٹا ہوا سر دبا دیا تا کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے۔

## لوگوں کی مذہبی حالت

مذہب کے متعلق تو اس علاقہ کے لوگ بحث وغیرہ نہیں کرنیوالے تھے اور نہ ہی کسی کو اپنے مذہب کا علم ہے۔ پھر وہ پیدائشی طور پر ہندو مذہب پر قائم ہیں اور یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ وہ برائے نام ہی پیدائشی مسلمان ہیں۔ اپنے مذہب کی حقیقت کا کسی کو علم نہیں۔ وہ پنجابی مولویوں کی سنی ہوئی باتیں بیان کرتے ہیں جن کے جواب دیئے جاتے ہیں۔

ہندو لوگ نہ تو قرآن کریم کو مانتے ہیں اور نہ ہی حدیث کو۔ ان کے عقیدہ کے مطابق ہندو مذہب کے علاوہ سبھی مذاہب جھوٹے ہیں۔ نہ وہ ان نبیوں کو مانتے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم یا پہلی آسمانی کتابوں تورات، زبور یا انجیل میں آیا ہے۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہندو مذہب کے اوتار ہی سچے ہیں۔ نیز ازلی ابدی مذہب صرف ہندوازم ہے اور سب سے پہلا مذہب بھی ہے۔ باقی مذاہب بناوٹی ہیں۔ صرف ہندو مذہب ہی اصلی ہے۔

اس علاقہ میں دعوت الی اللہ کے کام میں ہندوؤں کی کتابوں کی پیشگوئیاں سنائی جاتی ہیں یا پھر عقلی دلائل دیئے جاتے تھے۔ ان میں سے اکثریت کو تو اپنے مذہب کا علم ہی نہیں تھا۔ مسلمان بھی وہ تھے جو پیدائشی تھے یا پھر جن کے ختنے کر دیئے گئے تھے۔ شروع شروع میں جب ہم اس علاقہ میں گئے تو وہاں مسلمانوں کو کلمہ طیبہ بھی نہیں آتا تھا اور السلام علیکم کے



جواب میں اسلام آباد کہہ دیتے تھے۔ اب تو پھر بھی اس علاقہ میں لوگ پڑھ لکھ گئے ہیں۔

## ایک پنڈت سے گفتگو

ایک ہندو پنڈت سے مذہبی گفتگو کرنے کا موقع تھا۔ اس نے کہا کہ دنیا میں سب سے سچا مذہب ہندو ہے اور یہ مذہب ازلی ابدی ہے۔ جبکہ باقی تمام مذاہب بعد کی پیداوار ہیں۔ جو لوگوں نے خود بنائے ہیں۔ مسلمانوں کے مذہب کو تو صرف 1400 سال ہوئے ہیں۔ بہر حال خدا تعالیٰ کو جو مذہب سب سے پیارا ہے وہ ہندو ہی ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ کو جو مذہب سب سے پیارا ہے اور پسندیدہ ہے وہ ہندو ہی ہے؟ اس نے کہا کہ خدا تعالیٰ جس گھر میں بچہ پیدا کرتا ہے وہ ہندو پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے ختنے نہیں ہوئے ہوتے۔ ہندو اپنے بچوں کے ختنے نہیں کرواتے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب ہی ہے جو خدا کو سب سے پیارا ہے۔ مسلمانوں کا تو مذہب اپنا بنایا ہوا ہے کیونکہ وہ تو اس بچے کے ختنے کر کے اسے مسلمان بنا لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ خدا کا پسندیدہ مذہب نہیں ہے۔

میں نے کہا آپ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب ازلی ابدی ہے اور بہت پرانا ہے۔ مجھے یہ بتائیں کہ آج کے زمانہ کا انسان زیادہ سمجھدار ہے یا آج سے 100 سال پہلے کا انسان زیادہ سمجھدار تھا؟ وہ کہنے لگا کہ آج کا انسان زیادہ سمجھدار ہے۔ میں نے کہا کہ یہ بات ٹھیک ہے ۔ جس طرح نیا زمانہ آرہا ہے علم میں ترقی ہوتی چلی جارہی ہے اور نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں۔ آج سے سو سال قبل انسان کو تو ایسی چیزوں کا علم نہیں تھا جو اس زمانہ میں ایجاد ہوئی ہیں اور ہر آن علمی ترقی ہو رہی ہے کیونکہ انسانی عقلیں بڑھ رہی ہیں۔

میں نے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ آج سے 100 سال پہلے والا انسان زندہ ہو جائے تو اس زمانہ کے لوگوں کا استاد بن سکتا ہے؟ ہماری تو اتنی زیادہ عمر نہیں ہوئی۔ جس زمانہ میں میں نے پڑھا تھا وہ پیمانے اب رہے ہی نہیں۔ میل کو کلومیٹر کہتے ہیں اور سیر کو کلوگرام کہنے لگے ہیں۔ دورِ حاضر کے پیمانے اب بدل چکے ہیں۔ ہمیں تو ان کی سمجھ نہیں آتی اور آج کل کے

بچوں کو ہم نہیں پڑھا سکتے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح نئے آنے والے بچوں کے نصاب ہیں ان کو پڑھانے والے بھی نئے نصاب کو جانتے ہیں۔ تبھی تو وہ ان بچوں کو پڑھا سکتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب بہت پرانا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے لئے آیا تھا جو ابھی اچھی طرح سے سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے۔ ان کے لئے مذہب بھی ویسا ہی تھا جس کو وہ سمجھ سکتے تھے اور جس تعلیم پر وہ عمل کر سکتے تھے۔ جس طرح پہلی جماعت کے بچوں کے لئے قاعدہ ہوتا ہے اور جب انسان سمجھدار ہوتا گیا اور ان کی عقلیں بڑھنے لگیں تو خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی سوجھ بوجھ کے مطابق تعلیمات بھیجیں جو پہلی تعلیمات سے بہتر تھیں۔ جس طرح سے حکومتوں نے تعلیمی نظام قائم کیا ہوا ہے۔ پہلی جماعت کے بچوں کے لئے ان کا کورس کچھ آسان ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری جماعت کے لئے قدرے مشکل ہوتا ہے۔ پس جس طرح بچہ عقل میں پختہ ہوتا چلا جاتا ہے اس کی تعلیم کو بڑھانے کے لئے تعلیمی کورس زیادہ بہتر اور پہلے کی نسبت قدرے مشکل ترتیب دیا جاتا ہے۔ جس طرح چھوٹے بچوں کی تعلیمی ترقی کے لئے پرائمری سکول بنائے جاتے ہیں اور جب ان کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اس کے لئے مڈل پھر ہائی سکول بنائے جاتے ہیں۔ جب بچوں کی علمی صلاحیت زیادہ ہو جاتی ہے اور ان کی علمی ترقی کے لئے حکومتوں نے کالج یونیورسٹیاں قائم کی ہوئی ہیں اور جس طرح بچے علم میں پختہ ہوتے چلے جاتے ہیں اسی طرح وہ اعلیٰ اداروں میں تعلیم حاصل کرتے جاتے ہیں اور بالآخر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی میں داخل ہو کر اعلیٰ ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے روحانی تربیت کے لئے انسانی طاقت کے مطابق پہلے روحانی درس گاہیں انبیاء کے ذریعہ اسی طرح کھولیں۔ جس طرح انسانی طاقت تھی اور انسان اس کو برداشت کر سکتا تھا اور جب انسان روحانی ترقی کرتا چلا گیا تو یکے بعد دیگرے انبیاء کے ذریعہ روحانی کورس قدرے مشکل اور پہلے سے بہتر ہوتا چلا گیا۔



ہندو مذہب تو ابتدائی لوگوں کیلئے تھا جو شروع میں کمزور عقل رکھتے تھے اور اللہ نے ان کی عقل کے مطابق روحانی تعلیم اتاری جو اس زمانہ کے لوگوں کے لئے بہتر تھی اور جب انسان روحانی ترقی کر گیا تو اللہ نے مختلف قوموں میں انبیاء کے ذریعہ درسگاہیں کھولیں اور سب کے بعد جب انسان کی عقل مضبوط ہو گئی اور وہ روحانی ترقی میں بڑھ چکا تھا اور اس قابل ہو گیا تھا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم برداشت کر سکتا تھا اور اس تعلیم پر عمل کر سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے سب سے اعلیٰ روحانی درگاہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ذریعہ کھولی جو ساری دنیا کے لوگوں کے لئے ہے۔

ہندو مذہب بھی ابتدائی لوگوں کے لئے بہتر تھا۔ اب لوگ پہلے کی نسبت علمی و روحانی صلاحیتوں میں بڑھ چکے ہیں وہ ابتدائی تعلیم آج کے انسانوں کی روحانی ضرورت پوری نہیں کر سکتی اور ان کو اعلیٰ روحانی تعلیم کی ضرورت ہے اور وہ مسلمانوں کا مذہب اسلام ہے اور ان کی مذہبی کتاب قرآن کریم ہے۔ اب اس پر عمل کر کے انسان اعلیٰ درجہ کا روحانی مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے اس زمانہ کے لوگوں کے لئے سب سے بڑھ کر مذہب اسلام ہے۔

## ختنہ کے متعلق جواب

آپ نے کہا ہے کہ ہندو مذہب خدا تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ وہ اس طرح کہ جس گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے وہ ہندو ہوتا ہے کیونکہ اس کے ختنے نہیں ہوئے ہوتے۔ جبکہ مسلمانوں کا مذہب اپنے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے کہ وہ بچوں کو ختنہ کر کے مسلمان بنا لیتے ہیں۔ آپ کے کہنے کے مطابق بچہ ہر گھر میں ہندو پیدا ہوتا ہے اور اس کا ثبوت ہے کہ ہندو مذہب خدا تعالیٰ کو زیادہ پیارا اور پسند ہے۔ اگر یہ بات سچی ہے کہ اللہ کو ہندو مذہب زیادہ پیارا ہے اس وجہ سے ہر گھر میں ہندو بچہ پیدا کرتا ہے۔ یعنی بغیر ختنے کے تو خدا تعالیٰ تو بچہ کو ننگا پیدا کرتا ہے۔ اس بات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو ننگا رہنا پسند ہے جس حالت میں وہ بچوں کو پیدا کرتا ہے۔ تو پھر بچوں کو ننگا

ہی رہنے دینا چاہیے۔ کپڑے وغیرہ نہیں پہنانے چاہییں۔ اور نہ ناخن وغیرہ کاٹنے چاہئیں اور نہ ہی بال وغیرہ کٹوانے چاہییں اور نہ ہی شادی وغیرہ کروانی چاہیے۔ کیونکہ اگر کوئی بھی تبدیلی کی جائے تو وہ انسانی ہاتھ سے ہوگی اور وہ خدائی کام نہیں رہیگا۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی پسند کے علاوہ ہوگا۔ پھر تو جو لوگ نکاح کرتے ہیں کپڑے پہنتے ہیں اور حجامت کراتے ہیں یہ سب خدائی رضامندی کے خلاف ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ انسانی پیدائش کے ساتھ مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ بچہ اپنی فطرت میں صحیح پیدا ہوتا ہے۔ لوگ اس کو عیسائی، یہودی یا مسلمان بناتے ہیں۔ جس گھر میں بھی بچہ پیدا ہوتا ہے والدین اپنے عقیدہ کے مطابق اس کو ویسا ہی بنا لیتے ہیں۔ اس س معلوم ہوتا ہے کہ انسانی پیدائش کا کسی مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں والدین اس کو عیسائی، یہودی، مسلمان یا ہندو بناتے ہیں۔

بہرحال ختنے مسلمانوں میں ابراہیمی سنت ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے اڑھائی ہزار سال پہلے قائم کی تھی۔ یہ ختنے مسلمانوں کے مذہب کا ایک حصہ ہے اور نہ یہ کہ صرف ختنے سے ہی کوئی مسلمان بن جاتا ہے۔ ختنے کے علاوہ کلمہ توحید پڑھتا ہے، خدا تعالیٰ کو ایک مانتا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ کا رسول مانتا ہو۔ اللہ کے فرشتوں پر ایمان لاتا ہو۔ اللہ کی کتابوں پر ایمان لاتا ہو اور ایمان اس پر ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوگا اور دوبارہ زندہ ہونے پر حساب کتاب ہوگا اور جزا سزا کے متعلق ایمان رکھتا ہو۔ نماز قائم کرتا ہو۔ زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور ماہ رمضان کے روزے رکھتا ہو اور حج کرتا ہو (اگر اس کو توفیق ہو)۔ پس جو ان باتوں پر ایمان رکھتا ہو تو وہ مسلمان ہے۔ اگر کسی انسان کے ختنے تو کر دیئے جائیں جبکہ اس کے کام مسلمانوں والے نہ ہوں اور وہ ارکان ایمان پر ایمان نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمان نہیں مانا جاتا۔



# حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی وفات

## اور

## خلافت رابعہ کا قیام

ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو دعا کے لئے خط ارسال کروں۔ میں اس وقت دھنگاسرہ سنٹر میں تھا۔ اس وقت میرے پاس گھوڑا بھی تھا جو مرکز نے معلمین کے لئے خریدے ہوئے تھے کیونکہ میرا سنٹر نگر پارکر شہر سے 40 کلومیٹر دور تھا اس وجہ سے مجھے گھوڑا ملا ہوا تھا۔

چونکہ خط ارسال کرنے کیلئے لفافہ کی ضرورت تھی جو نگر پارکر سے ہی مل سکتا تھا اور وہاں جا کر ہی خط پوسٹ کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ نگر پارکر شہر جاؤں اور وہاں جا کر خط پوسٹ کروں۔ چنانچہ میں نے تین دعائیہ خطوط لکھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر سر پر پگڑی باندھے اور عینک لگائے ہوئے میں اپنے سنٹر دھنگاسرہ سے روانہ ہوا اور بڑی خوشی سے جا رہا تھا۔ ابھی سنٹر سے 2 فرلانگ ہی دور گیا تھا کہ ایک غیر مسلم نے آواز دی جو نگر پارکر شہر سے آیا تھا اور اس کے پاس ایک خط تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ یہ آپ کا خط ہے۔ میں نے وہ خط کھولا اور پڑھا جو محمد عقیل صاحب نے نگر پارکر شہر سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی وفات کی خبر سن کر بھیجا تھا۔ جب میں نے خط پڑھا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی وفات کی خبر پڑھی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی ہی بیعت کی تھی اور وہ مجھے بہت ہی پیارے تھے۔ خط مجھے اس حالت میں ملا کہ جب میں اکیلا تھا اور اس وقت قریب کوئی بھی ہمدرد نہیں تھا جس سے میں اپنا دکھ و غم بیان کرتا۔ مجھے کسی کی وفات پر رونا نہیں آتا تھا جس کی وجہ سے

ایک بوجھ سا دل پر پڑ جاتا تھا اور بہت زیادہ تکلیف ہو جایا کرتی تھی اور جب رونا آجاتا تو تکلیف کم ہو جاتی تھی۔ جس سے دل کا بوجھ بھی کم ہو جاتا تھا۔ بہر یہ تکلیف دہ خبر سن کر بہت رونا آیا اور اس طرح آیا کہ میری چیخیں نکل گئیں۔ اگر اس وقت مجھے رونا نہ آتا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی وفات کا غم برداشت کرنا بہت مشکل ہو جاتا جو میں برداشت نہ کر پاتا۔ دھنگاسرہ سے نگر پارکر شہر قریباً 40 کلومیٹر تھا۔ نگر شہر پہنچنے تک میں سارے راستہ میں روتا آیا۔ نگر پارکر پہنچنے تک رونا نہ آتا تو شاید راستہ میں ہی مر جاتا۔ بہرحال میرے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔

وہاں مجھے عقیل صاحب نے بہت دلاسا دیا۔ وہاں دوسرے سنٹرز کے معلمین بھی پہنچنا شروع ہو گئے اور سبھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خبر سن کر بہت غمگین اور نڈھال تھے۔ سب نے ایک دوسرے کے ساتھ غم دور کرنے کی کوشش کی اور سب معلمین نے دعائیں شروع کر دیں۔ میں نے جو خطوط حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو لکھے تھے وہ میرے پاس ہی تھے اور میں نے وہ روک لئے۔ جب حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب خلیفۃ المسیح الرابع خلافت پر متمکن ہوئے تو وہ خطوط میں نے حضورؒ کو لکھے۔ جب تک حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا انتخاب نہیں ہوا تھا اس وقت تک تمام معلمین پریشان تھے اور یہ دعا کر رہے تھے کہ اللہ اس خوف اور پریشانی کی حالت کو امن سے بدل دے۔ پریشانی کے اس عالم میں ہمیں یہ خیال ہی نہ رہا کہ خلافت کا انتخاب ہو جانے تک اس موضوع پر باہم رائے زنی نہیں کرتے۔

آخر کار خدا کا فضل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب کو خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے طور پر چن لیا۔ یہ خبر ہم تک پہنچی تو ہم سب نے اللہ کا بہت شکر ادا کیا۔ اور خوف و غم کا جو ماحول تھا اسے خوشی میں بدل دیا کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ سے خلافت قائم کر دی ہے۔ **الحمد للہ**



## خواب

جب میں جلسہ سالانہ 1981ء کے بعد ربوہ سے نگر پارکر کے علاقہ میں واپس آیا تو تین ماہ بعد میں نے ایک خواب دیکھی کہ میری بیوی کے پاس ایک چھوٹی سی بچی سوئی ہوئی ہے۔ خواب کی بناء پر میں نے سمجھا کہ میری بیوی کے ہاں بچی یا بچہ پیدا ہونیوالا ہے۔ لیکن اس بات کی اطلاع میری بیوی نے تو مجھے نہیں دی تھی لیکن میرا یقین تھا کہ میری بیوی حاملہ ہے۔ اس لئے آٹھویں ماہ میں میں گھر چھٹی پر جاؤں گا کیونکہ زچگی کے وقت میرا اس کے پاس ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ میں اپنے خاندان سے اکیلا احمدی ہوں اور ربوہ میں میرا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہے۔ میں اپنے گھر کا اکیلا وارث ہوں اور میرے سوا میری بیوی کی دیکھ بھال کرنے والا اور کون ہوگا۔ علاج معالجہ بھی میں نے ہی کروانا ہے۔ بچیاں اتنی چھوٹی ہیں کہ اپنی والدہ کی دیکھ بھال نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ 6 ماہ بعد معلمین چھٹی پر جانے لگے۔ معلمین اکٹھے چھٹی پر نہیں جاتے تھے تا کہ سبھی سنٹرز ایک وقت میں خالی نہ ہو جائیں۔

ہمارے قریبی سنٹر راٹھی میں کرامت اللہ فضل صاحب تھے وہ ربوہ چھٹی پر جانے لگے تو میں نے ان کو کہا کہ براہ کرم آپ ہمارے گھر سے خیریت دریافت کرتے آئیں۔ چنانچہ جب وہ ایک ماہ چھٹی کے بعد واپس راٹھی تشریف لائے تو انہوں نے بتایا کہ میں آپ کے گھر گیا تھا وہاں سب خیریت ہے۔ آپ کی بچیاں کہہ رہی تھیں کہ وہ آپ کے لئے بہت اداس ہیں۔ ہمارے ابو کو بھیجیں۔ میں نے کرامت اللہ فضل صاحب کو کہا کہ میں تو اس لئے جلدی چھٹی پر نہیں جا رہا تھا کہ میں جب جلسہ سالانہ کے بعد واپس سنٹر آیا تھا تو میں نے ایک خواب دیکھی تھی کہ میری بیوی کے پاس ایک چھوٹی سے بچی سوئی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے میرے دل میں خیال آیا کہ بچہ یا بچی میرے گھر پیدا ہونے والی ہے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ آٹھویں ماہ ربوہ چھٹی پر جاؤں گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میری بیوی بھی میرے ساتھ آپ کے گھر گئی تھی، وہ مجھے

بتا دیتی۔ بہر حال آٹھویں ماہ میں چھٹی پر ربوہ گیا اور گھر جا کر پتہ چلا کہ میری بیوی کے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہونے والی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو وہ خواب سنائی جو میں نے نگر پارکر میں دیکھی تھی۔ اس طرح سے 15 دن بعد بیٹی پیدا ہوئی اور آج سے 6 ماہ پہلے میں نے جو خواب دیکھی تھی وہ اللہ کے فضل سے پوری ہوگئی۔ الحمد للہ

## بچی کا نام

بچی کے نام کیلئے میں نے حضور ؒ کی خدمت میں درخواست لکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بچی عطا فرمائی ہے دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک اور خادم دین بنائے (آمین) اور اس کا نام بھی تجویز فرمائیں۔ درخواست لکھ کر قصر خلافت دفتر دیکر جب میں گھر واپس لوٹا تو نماز مغرب کا وقت ہوگیا تھا۔ میں نے سوچا کہ نماز بیت المبارک میں ادا کروں۔ نماز مغرب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ نے پڑھائی۔ نماز کے بعد حضور ؑ نے مجلس عرفان لگائی۔ میں نے موقع پا کر حضور ؑ کی خدمت میں عرض کی کہ حضور اللہ کے فضل سے بچی پیدا ہوئی ہے آپ اس کے لئے نام تجویز فرمائیں تو حضور ؒ نے میری بچی کے لئے ازراہ شفقت مبارکہ کوثر نام تجویز فرمایا۔ بعد میں عابدہ نام بھی آ گیا۔ بہر حال حضرت صاحب کے دونوں نام مقرر کرنے کی وجہ سے ہم نے عابدہ مبارکہ کوثر نام رکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بچی نے 2009ء میں .B.A کر لیا اور اب .B.Ed کا کورس کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ سے زیادہ علمی ترقیات عطا فرمائے اور خادمہ دین بنائے۔ آمین

## جلسہ سالانہ 1982ء کے موقع پر ربوہ گئے

1982ء میں دعوت الی اللہ تو میں کرتا رہا۔ لیکن 1981ء کی طرح بیعتیں زیادہ نہ ہوسکیں۔ صرف 50 بیعتیں ہوئیں اور جلسہ سالانہ کے موقع پر مسلموں اور غیر مسلموں کو لے کر ہم ربوہ روانہ ہوئے۔ ہمارا قافلہ ربوہ پہنچا۔ جلسہ سالانہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ سے معلمین کی ملاقات ہوئی اور حضور کے ساتھ معلمین کا ایک گروپ فوٹو بھی ہوا جس میں مَیں بھی شامل تھا۔ ملاقات کے بعد حضور ؒ معلمین کے ساتھ



گھل مل گئے۔ میرے پاس سے جب حضور ؒ گزرے تو فرمایا نواز صاحب کیا حال ہے؟ میں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ اس دوران بشارت احمد کوثر صاحب آئے۔ انہوں نے حضور ؒ سے مصافحہ بھی کیا اور گلے لگ کر ملے۔ اس پر میں نے بھی حضور ؒ سے درخواست کی کہ مجھے بھی گلے لگا کر ملیں تو حضور ؒ مجھ سے بھی گلے لگ کر ملے جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ کے درجات بلند فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

## بیوی پر فالج کا حملہ

مجھے تو 1975ء میں تعلیم و تربیت کے لئے ناظم صاحب وقف جدید نے جماعتوں میں بھیج دیا اور میں مختلف جماعتوں میں کام کرتا رہا۔ بیوی کی والدہ بھی جو احمدی ہونے کی وجہ سے اپنے خاوند کو چھوڑ کر اپنی بیٹی کے ساتھ ربوہ آ گئی تھیں اور وہ ہمارے پاس ربوہ میں ہی رہتی تھیں۔ اس وجہ سے میں اپنی بیوی اور بچوں کو اپنے ساتھ سنٹر میں نہیں لے گیا تھا اور وہ ہمیشہ ربوہ میں رہتی تھیں۔ اپنی والدہ کی خدمت اور بچوں کی دیکھ بھال کے علاوہ اپنے محلّہ کی سیکرٹری مال اور سیکرٹری تحریک جدید و وقف جدید نیز دعوت الی اللہ کے لئے دیہاتوں میں بھیجا جاتا تھا جو ربوہ کے مضافات میں ہیں۔ دعوت الی اللہ کی انچارج رہیں اور انہوں نے 25 سال تک اپنے محلّہ میں دینی خدمات سرانجام دیں۔ آخر جب ان کی صحت کمزور ہوگئی تو کسی اور کے سپرد یہ ذمہ داریاں کر دی گئیں۔

1982ء کے جلسہ سالانہ پر جب میں گھر آیا۔ جلسہ سالانہ اللہ کے فضل سے ہو گیا تو جلسہ کے بعد 31/دسمبر کو رات کے وقت ہم سب گھر والے اپنے اپنے بستروں میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہماری ایک غیر از جماعت رشتہ دار حنیفاں بی بی ہمارے ہاں مہمان تھیں۔ انہوں نے بھی جلسہ سالانہ کہ کاروائی سنی تھی۔ وہ میری بیوی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ یکدفعہ اہلیہ نے کانپنا شروع کر دیا اور ان کو سرسام اور فالج کا حملہ ہوا۔ رات کا وقت تھا۔

جلسہ سالانہ پر آتے ہوئے ادویات وغیرہ بھی میں ساتھ لایا تھا۔ ٹیکہ اور گولیاں دی گئیں۔ چنانچہ اسی طرح رات بیت گئی۔ اہلیہ ہوش میں تھی۔ میرا خیال تھا کہ انہیں فضل عمر ہسپتال میں داخل کروا کر علاج کروایا جائے لیکن اہلیہ ہسپتال جانے کو تیار نہ تھی اور انہوں نے کہا کہ اگر مجھے ہسپتال میں داخل کروایا گیا تو وہ مجھے بوتل (ڈرپ) لگائیں گے جس کی وجہ سے میں مر جاؤں گی۔ لہٰذا وہ ہسپتال داخل ہونے سے ڈرتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ میرے والد کو لے کر آئیں وہ میرا علاج کریں گے۔ چونکہ ان کے والد حکیم تھے اور فالج کا علاج بھی کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیں احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا اور وہ مجھے احمدی ہونے کی وجہ سے ٹھیک طرح سے بلاتے بھی نہ تھے جس کی وجہ سے میں ان کے سامنے جانے سے کتراتا تھا۔

اہلیہ نے کہا کہ میرے والد کو لے آؤ وہ میرا علاج کریں۔ میں نے کہا کہ میں ان کے پاس کس طرح جاؤں؟ وہ کہیں گے کہ ہمارا مذہب چھوڑ کر تم نے دوسرا مذہب اختیار کر لیا ہے اور ہمیں چھوڑ کر تم لوگ ربوہ جا کر آباد ہو گئے ہو اور اب علاج کے لئے مجھے بلاتے ہو۔ میں نے کہا کہ مجھے ان کے پاس جانے سے شرم آتی ہے۔ ہماری جماعت کے اچھے ہسپتال ہیں جہاں قابل ڈاکٹرز ہیں ان سے علاج کرواتے ہیں۔ لیکن اہلیہ نہ مانی اور ہسپتال سے علاج کرانے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے مجھے مجبوراً اپنے سسر (چچا) اور اہلیہ کے والد کو بلانے کے لئے اپنے سسرال جانا ہی پڑا۔

چنانچہ میں سسرال چک نمبر 131 بھچو آنہ ضلع فیصل آباد گیا۔ چچا تو گھر پر نہ تھے۔ وہ کسی مریض کے علاج کے لئے شاہکوٹ گئے ہوئے تھے۔ گھر پر میری اہلیہ کی سوتیلی بہن جو میرے چھوٹے بھائی کی اہلیہ تھیں نے بتایا کہ وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ وہ شاہکوٹ گئے ہوئے ہیں۔ جب وہ گھر آئیں گے تو میں ان کو بتا دوں گی اور ان کو ربوہ بھیجوں گی۔ انہوں نے چچا کا تیار کیا ہوا کشتہ ہڑتال دیا کہ یہ فالج کے لئے مفید ہے۔ آپ اسے لے جائیں او



رکھلائیں۔ چنانچہ میں وہ کشتہ لے کر ربوہ واپس آ گیا۔ جب چچا شاہکوٹ سے گھر واپس آئے تو انہیں اپنی بیٹی یعنی میری اہلیہ کی بیماری کا پتہ چلا تو وہ فوراً ہی ربوہ کے لئے چل پڑے۔ چنانچہ رات کو ہی وہ ہمارے پاس ربوہ پہنچ گئے۔ انہوں نے میری اہلیہ کی نبض دیکھ کر کہا کہ اس کو سرسام اور فالج کا حملہ ہوا ہے۔ وہ سرسام کے لئے مرغی ذبح کر کے گرم ہونے کی حالت میں سر پر باندھ دیا کرتے تھے یا گندم کی روٹی جو ایک طرف سے کچی ہوتی اس پر دیسی گھی لگا کر گرم گرم باندھتے تھے۔ بہرحال انہوں نے آتے ہی گندم کی روٹی پکوائی اور اس کی ایک طرف دیسی گھی لگا کر گرم گرم ہی اہلیہ کے سر پر باندھ دی اور مجھے کہا کہ آپ معجون سرنجاں۔ معجون اذراقی۔ معجون فلاسفہ اور شہد اور دوالمسک لے آئیں۔ انہوں نے شہد سے ماء العسل تیار کیا اور دوسری ادویات کھلانے کا طریق بتایا اور دوسرے روز ہی واپس چلے گئے اور کہا کہ مجھے اپنی طبیعت کے حوالے سے آگاہ کرتے رہنا۔

چچا نے جب ہمیں گھر سے نکالا تھا تو پہلی بار وہ ہمارے گھر ربوہ تشریف لائے تھے۔

بہرحال وہ دن ہمارے لئے بڑی آزمائش کے تھے۔ میری ساس بھی کمزور اور بوڑھی تھیں اور بچیاں ابھی چھوٹی عمر کی تھیں اور سب سے چھوٹی بچی صرف تین ماہ کی تھی۔ میرے سوا کوئی ایسا نہ تھا کہ جو میرا ہاتھ بٹاتا۔ اہلیہ کی حالت یہ تھی کہ وہ خود سے اٹھ بیٹھ نہ سکتی تھیں اور نہ ہی خود سے غسل خانہ جا سکتی تھیں۔ چچا نے ہدایت دی تھی کہ وہ 40 روز تک ماء العسل پلانا ہے اور پانی پینے سے پرہیز کرنا ہے پانی کو ہاتھ نہیں لگانا۔ اس صورتحال میں مَیں گھر کا کام خود ہی کرتا تھا، کھانا پکانا اور اہلیہ کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانا کیونکہ وہ تو اپنے ہاتھ سے کھانا تک نہ کھا سکتی تھی اور وہ پانی جس میں شہد ملایا ہوا تھا پلاتا تھا۔ اس کے کپڑے وغیرہ خود ہی دھویا کرتا تھا۔ دوسرے بچوں کے کپڑے بھی دھوتا تھا نیز گھر کی صفائی بھی کرتا رہا۔

## ابتلاء کی ایک رات

اہلیہ تو بوجہ فالج بیمار تھیں۔ ان کے لئے تو چارپائی سے اٹھنا ناممکن تھا۔ ان کی تیمارداری تو میں کر ہی رہا تھا۔ ایک دفعہ آدھی رات کو

چچی (ساس) کو کمر میں شدید درد ہوا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے رونا اور کراہنا شروع کر دیا۔ ایک بچی عزیزہ سلطانہ کوثر جو اس وقت چھ سال کی تھی کو سخت بخار ہو گیا اور اس وجہ سے اس نے ڈرنا شروع کر دیا اور رو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہمارے گھر میں کتا ہے اور چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ چونکہ 1975ء میں اہلیہ کو باولے کتے نے کاٹ لیا تھا جبکہ عزیزہ سلطانہ کوثر ماں کا دودھ پیتی تھی۔ چنانچہ ماں کو چنیوٹ جا کر 14 ٹیکے لگوائے لیکن عزیزہ کا کوئی علاج نہ کرایا گیا۔ تو اس سے مجھے خوف پیدا ہوا کہ شاید کہیں باؤلے کتے نے جو اس کی ماں کو کاٹا تھا اور بچی کا علاج نہ کرایا گیا تھا، ہوسکتا ہے کہ یہ اسی کا نتیجہ ہو کہ اسے کتا نظر آتا ہے۔ یہ جنوری کا مہینہ تھا اور سردی کا موسم تھا اور سردی شدید تھی۔ عزیزہ کو بخار تھا اور اسے میں نے گود میں لے کر اپنے کپڑوں میں لپیٹا ہوا تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس پر سے کپڑا اتار کر دیکھوں تو۔ چنانچہ میں نے اسے کپڑوں میں سے نکال کر نیچے زمین پر کھڑا کر دیا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ تو کتا کہاں ہے۔ وہ کہنے لگی کہ کتا چارپائی کے نیچے ہے۔ میں نے اسے چارپائی کے نیچے سے دکھایا کہ کہاں ہے۔ تو اس نے کہا وہ باہر نکل گیا ہے۔ اس وجہ سے اس کا خوف کچھ کم ہوا۔ چنانچہ میں نے اسے دوائی دی جس سے اس کا بخار ٹوٹ گیا۔ اسی طرح چچی کو بھی میں نے ٹیکہ لگا دیا جس سے ان کی درد کو بھی آرام آ گیا۔ سب سے چھوٹی بچی کو بھی بخار اور دست وغیرہ تھے۔ اس کو بھی دوائی دی جس سے فائدہ ہوا۔ جو دوائیاں میں نگرپارکر سندھ سے واپسی پر لے آیا تھا نیز جو تجربہ وہاں رہ کر علاج وغیرہ کرنے سے ہوا تھا اس کا بہت فائدہ ہوا اور محض اللہ کے فضل سے وہ رات گزر گئی جو میرے لئے ایک آزمائش سے کم نہ تھی۔

بہر حال اہلیہ چچا کی دواء و نسخہ سے آہستہ آہستہ بہتر ہونے لگی۔ قریباً ایک ماہ کے دوران وہ اس قابل ہو گئیں کہ خود اٹھ کر غسل خانہ تک جانے کے قابل ہو گئیں۔ اس دوران ہمارے رشتہ داروں میں سے ایک خاتون حنیفاں بی بی جو اہلیہ سے بہت محبت کرنے والی تھی



آ گئی اور کہا کہ اب میں ان کے پاس یہاں رہونگی۔ چنانچہ اس نے اہلیہ کو سنبھالا اور اس طرح میں دینی خدمت کے لئے دوبارہ اپنے سنٹر دھنگا سرہ تھر میں چلا گیا۔

## شفاء کے بعد باجماعت تہجد کے لئے پیدل بیت المبارک جانا

چھ ماہ بعد جب میں دوبارہ نگرپرکر سے واپس ربوہ چھٹی پر آیا تو اہلیہ چچا کے علاج اور اللہ کے خاص فضل سے اس قدر ٹھیک ہو گئی تھیں کہ جب میں رات کو گھر پہنچا تو نماز تہجد کا وقت تھا تو اہلیہ مجھے کہنے لگی کہ میں تو نماز تہجد کے لئے بیت المبارک میں جاتی ہوں۔ وہاں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع" باجماعت نماز تہجد پڑھاتے ہیں اور میں تو وہاں جا رہی ہوں۔ اگر آپ آنا چاہیں تو آ جائیں۔ میں ساتھ والی ہمسائی فرخندہ کو بلا لوں۔ آپ میرے پیچھے آئیں۔ چنانچہ میں نے ساتھ جانے کی حامی بھری اور جرابیں پہننے لگا۔ وہ گھر سے باہر نکل گئیں اور میں ان کے پیچھے محلّہ دارالشکر سے چلا تو مجھے ایک عورت چلتی ہوئی نظر آئی۔ لیکن اس کو اتنا تیز چلتے دیکھ کر پہچان نہ سکا۔ میرے دل میں تو یہ خیال تھا کہ اہلیہ مفلوج ہونے کی وجہ سے اتنا تیز نہ چل سکے گی۔ لہٰذا یہ کوئی اور عورت ہو گی جو نماز تہجد ادا کرنے کے لئے بیت المبارک جا رہی ہے۔

جب میں اپنے گھر سے تقریباً دو فرلانگ دور جدید پریس کے پاس تیز چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچا تو پھر مجھے پہچان ہوئی۔ میں اسے کوئی اور عورت سمجھتا رہا۔ اس وجہ سے میں نے اسے بلایا تک نہیں تھا۔ جب میں تیز چلتا ہوا ان کے پاس سے گزرنے لگا تو اہلیہ نے بول کر کہا کہ آج دیر ہو گئی۔ پتہ نہیں نماز تہجد کے وقت تک بیت المبارک تک پہنچ سکتی ہوں کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ اتنا چل رہی ہیں کہ میں تو آپ کو پہچان نہیں سکا۔ وہ کہنے لگیں کہ آج تو میری ٹانگ میں درد ہو رہا ہے اس وجہ سے چلا نہیں جا رہا۔

## نگرپارکر واپسی

میں چھٹی گزار کر اپنے سنٹر دھنگا سرہ پہنچ گیا اور دعوت الی اللہ کا کام کرنا شروع کر دیا۔ ایک بار ماہانہ میٹنگ کے لئے ہم سب معلمین نگرپارکر

شہر پہنچے۔سب معلمین اکٹھے تھے اور چند آدمی غیراز جماعت مشن ہاؤس میں تحقیق کے لئے آئے۔ ہر معلم کی اس موقع پر یہ کوشش تھی کہ ان کو دعوت الی اللہ کی جائے اور وہ انہیں دعوت الی اللہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔میں بھی ان میں شامل تھا۔محمد عقیل صاحب بھی وہیں موجود تھے۔مہمانان نے محمد عقیل صاحب سے کہا کہ نواز ہمیں بات سمجھائیں۔ان کی باتوں کی ہمیں زیادہ سمجھ آتی ہے۔تو میں نے پھر انہیں دعوت الی اللہ کرنا شروع کی۔ان کا سوال تھا کہ ختم نبوت کے متعلق جماعت احمدیہ کا کیا عقیدہ ہے اور مرزا صاحب کا کیا دعویٰ ہے؟

## مشن ہاؤس نگر پارکر آنے والے غیراز جماعت کو دعوت الی اللہ

میں نے انہیں اس طرح سے دعوت الی اللہ کرنا شروع کی اور کہا کہ جب بھی کوئی خدا تعالیٰ کا نبی لوگوں کی ہدایت کے لئے آیا تو ہر ایک نبی کی مخالفت کی گئی۔کوئی بھی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا جس کی مخالفت نہیں کی گئی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جن کی وجہ سے ساری دنیا پیدا کی گئی اور جو سب نبیوں سے اعلیٰ و افضل تھے۔ان کی بھی مخالفت کی گئی اور ان کو بھی جھٹلایا گیا تو خدا تعالیٰ نے بڑے افسوس کا اظہار کیا یٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ مَايَاتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ (سورۃ یٰس) کہ مجھے ان بندوں پر افسوس ہے کہ کوئی نبی ان کے پاس ایسا نہیں آیا کہ جس کا انکار نہ کیا گیا ہو۔تو انکار تو سب نبیوں کا گیا گیا۔کوئی نبی بھی ایسا نہیں آیا کہ لوگوں نے اکٹھے ہو کر کہہ دیا ہو کہ یہ سچا نبی ہے آؤ اس پر ایمان لے آئیں۔ ہمیشہ اکثر لوگوں نے انکار کیا اور مخالفت کی اور بہت کم لوگ ہی ایمان لاتے ہیں۔

اس انکار کی وجہ قرآن کریم سے ہمیں یہی معلوم ہوتی ہے کہ سب انبیاء انسانوں میں سے ہوئے ہیں اور ان کے رشتہ دار بھی ہوتے تھے۔وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح کھاتے پیتے اور سوتے تھے اور شادیاں بھی کرتے تھے جن سے اولادیں ہوتی تھیں۔لوگ ان کو اپنے جیسا سمجھتے تھے۔لیکن جب اللہ ان کو نبوت کے مقام پر فائز کرتا ہے اور وہ خدا سے خبر پا کر دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے مجھے نبوت کے مقام پر فائز کیا ہے اور آپ لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے کیونکہ نبوت کا مقام کوئی ایسا مقام نہیں کہ جو ظاہری آنکھ سے نظر آ جائے۔ جسے دیکھ کر لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ خدا تعالیٰ کا نبی ہے۔نبوت تو ایک روحانی تعلق ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ روحانی تعلق ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔جب انسان کا تعلق خدا تعالیٰ سے زیادہ بڑھ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر غیب کا کثرت سے اظہار کرتا ہے اور غائبانہ راز کھولتا ہے۔س روحانی مقام کا نام نبوت ہے۔اس تعلق کا علم خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے یا اس کے بندہ کو ہوتا ہے جو اس مقام پر فائز ہو۔



اس وجہ سے وہ لوگ ان کی مخالفت کرنا شروع کر دیتے اور ان کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ لوگ ایمان لانے کی وجہ سے اس کے پیرو نہ بن جائیں۔اور جس طرح لوگ ماننے لگتے ہیں ان کی بھی مخالفت شروع ہو جاتی ہے اور مخالفت کے باوجود آہستہ آہستہ ان کو غلبہ نصیب ہوتا ہے۔حضرت نبی کریم ﷺ تک جو نبی دنیا میں آئے بلاواسطہ نبی تھے۔یعنی وہ روحانی طور پر اس مقام پر پہنچ جاتے تھے اور ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھ جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو نبوت کے مقام پر فائز فرماتا تھا۔

نبی دو قسم کے ہو چکے ہیں۔ایک شرعی نبی اور دوسرا غیر شرعی نبی۔یعنی بعض نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے شریعت عطا فرمائی اور بعض نبی غیر شرعی تھے۔غیر شرعی نبی شرعی نبیوں کی شریعت کے مطابق عمل کرتے تھے اور ان کو لوگوں تک پیغام پہنچاتے تھے۔جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ اور ہم نے یقیناً موسیٰؑ کو کتاب دی تھی اور ان کے بعد رسولوں کو بھیجا۔حضرت موسیٰؑ شرعی نبی تھے اور ان کے بعد بھی ایسے رسول آئے جو اسی کتاب پر عمل کرنے والے تھے اور اسی پیغام کو پہنچانے والے تھے جبکہ وہ خود صاحب شریعت نہ تھے۔

حضرت نبی کریم ﷺ سے پہلے جو شرعی نبی تھے ان پر جو ایمان لاتے تھے اور ان کی

شریعت پر عمل کرتے تھے ان کو روحانی مقام عطا ہوتا تھا لیکن نبوت کے مقام تک وہ نہیں پہنچ سکتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ سورۃ الحدید میں فرماتا ہے هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہداء کا درجہ پانے والے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ سے پہلے جو شرعی نبی ہوئے ہیں ان کی پیروی کرنیوالے صدیق اور شہید کے مقام تک پہنچ سکتے تھے تو نبوت کا مقام اللہ تعالیٰ براہ راست خود عطا فرماتا تھا۔ وہ کسی نبی پر ایمان لانے اور ان کی پیروی سے نبی نہیں ہوتے تھے۔ وہ سب نبوتیں حضرت نبی کریم ﷺ کے آنے کے بعد ختم ہو چکی ہے۔ نہ کوئی براہ راست شرعی نبی آسکتا ہے اور نہ غیر شرعی نبی آسکتا ہے۔ جو نبوت حضرت آدمؑ سے چلی تھی وہ نبوت حضرت نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکی ہے اور حضرت نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آخری نبی ہیں۔ آپؐ کے بعد اس طرح کا نبی نہیں آسکتا جس طرح کے نبی پہلے گزرے ہیں۔ ان میں سے حضرت نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں۔ لیکن آپ کا فیض ختم نہیں ہوا۔ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کو جو شریعت دی گئی وہی شریعت ہے جس کا فیض قیامت تک جاری وساری رہیگا۔ حضرت نبی کریم ﷺ کو دوسرے نبیوں پر ایک زائد فضیلت عطا فرمائی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا اور جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاء، اصدقاء، شہداء، صالحین اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔

تو پہلے انبیاء پر ایمان لانے والے صرف صدیقین اور شہداء کا روحانی طور پر مقام حاصل کر سکتے تھے لیکن حضرت نبی کریم ﷺ کو دوسرے انبیاءؑ سے اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے کہ آپ کی پیروی سے انسان روحانی طور پر اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ اللہ ان پر کثرت



سے غیب کا اظہار فرماتا ہے اور جس کو کثرت سے غائبانہ خبروں پر اطلاع دے۔ عربی میں ایسے شخص کو نبی کہتے ہیں۔ تو اس طرح سے حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی سے بھی نبی بن سکتا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب کا اصل دعویٰ تو مثیل مسیح اور امام مہدی کا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی پیروی سے ایسے مقام پر پہنچا دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوا کہ اس نے کثرت سے آپؑ پر غیب کا اظہار فرمایا۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ اس روحانی مقام کا نام عربی میں نبوت ہے اور یہ دعویٰ انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی سے کیا ہے اور فرمایا ہے کہ

سب ہم نے اس سے پایا     شاہد ہے تو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا     وہ ماہ بقا یہی ہے

کہ اے میرے خدا جو کچھ میں نے پایا ہے تو گواہ ہے وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے ہی پایا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ حضرت نبی کریم ﷺ کے دین کی خدمت کے لئے آئے اپنا ان کا کچھ بھی نہیں ہے۔

میں خدا تعالیٰ کے فضل سے خود اس جماعت میں آیا ہوں۔ مجھے تو کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جو انہوں نے دین محمدیؐ کے خلاف کچھ کہا ہو۔ میرا وہی کلمہ ہے جو پہلے پڑھتا تھا اور وہی نماز ہے جو پہلے پڑھتا تھا۔ وہی روزہ جیسے پہلے رکھتا تھا۔ اسی طرح پہلے نبیوں کو مانتا ہوں جیسا کہ پہلے مانتا تھا۔ اسی طرح خلفاء راشدین کو مانتا ہوں جیسا کہ پہلے مانتا تھا۔ اسی طرح اماموں کو مانتا ہوں جیسا کہ پہلے مانتا تھا۔ اسی طرح اولیاء کو مانتا ہوں کہ جیسے پہلے مانتا تھا۔ ہمیں تو ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی جو انہوں نے اپنے مفاد کی خاطر کہی ہو۔ مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ آپؑ کے والدین نے جو نام آپؑ کا رکھا تھا یعنی غلام احمد۔ وہ حضرت محمد ﷺ کے غلام ہیں اور انہوں نے وہی کام کیا جو غلام کرتے ہیں۔ بلکہ ساری جماعت حضرت محمد ﷺ کی غلام ہے اور رسول کریم ﷺ جس کام کے لئے آئے تھے وہی کام

جماعت احمدیہ آج کر رہی ہے اور پوری دنیا میں دین حق کو غالب کرنے کے لئے شب وروز کوشاں ہے۔ آپ لوگ دیکھتے ہیں کہ ہم لوگ اس علاقہ میں جنگلوں میں پھر کر دین حق کی اشاعت کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اگر کوئی ہندو ہماری جماعت میں شامل ہوتا ہے تو ہم ان کو وہی کلمہ پڑھاتے ہیں جو آنحضور ﷺ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے اور وہی نماز اسے سکھاتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہم تک پہنچی ہے اور وہی قرآن کریم پڑھاتے ہیں جو رسول پاک ﷺ پر نازل ہوا اور وہی درود ان کو سکھاتے ہیں جو نبیوں کے سردار ﷺ کی طرف سے ہمارے پاس پہنچا۔

آپ سوچیں اگر اس علاقہ کے سارے ہندو جماعت احمدیہ میں شامل ہو کر محمد ﷺ کا کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھیں اور ان پر درود بھیجیں تو دین کس کا بڑھا؟ یقیناً رسول پاک ﷺ کا کہ جس کی خاطر ہم دین کی اشاعت کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ میں آپ کو یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ کسی مولوی نے بھیجا ہے۔ آپ لوگوں کو خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کر کے یہ پوچھنا چاہیے تو خدا ضرور اس بارہ میں آپ کی رہنمائی فرمائے گا (انشاء اللہ)۔ میں نے تو خود خدا تعالیٰ سے مدد چاہی تھی تو خدا نے مجھے بتا دیا تھا کہ حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور میں ان پر ایمان لے آیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کے فضل سے 1983ء میں نگر پارکر میں دعوت الی اللہ کرنے کی توفیق ملی اور اسی سال 60 افراد نے احمدیت قبول کی۔ جلسہ سالانہ 1983ء کے موقع پر ہم غیر مسلموں اور نومسلموں کو لے کر آئے اور جلسہ سالانہ کے بعد تک نگر پارکر سندھ میں تین سال کام کرنے کی اللہ نے توفیق عطا فرمائی۔ اس کے بعد میرا تبادلہ دھیر کے کلاں ضلع گجرات میں کر دیا گیا۔



## دھیر کے کلاں ضلع گجرات تبادلہ

نگر پارکر سندھ سے میرا تبادلہ 1984ء کے شروع میں دھیر کے کلاں ضلع گجرات میں کر دیا گیا۔ اس وقت دھیر کے کلاں میں 20 گھرانے احمدی تھے۔ اس وقت چوہدری نذیر احمد صاحب بھٹی صدر جماعت تھے اور ان کے چھوٹے بھائی چوہدری منیر احمد صاحب امیر ضلع گجرات تھے۔ جماعت کے لوگ بہت اچھے تھے۔ ایک خاندان تو نمازیں ادا کرنے کی وجہ سے نمازی مشہور تھا۔ وہاں احمدیہ بیت الذکر کے ساتھ ہی ملحقہ مربی ہاؤس تھا۔ اس وقت ابھی آرڈیننس ہماری جماعت کے خلاف جاری نہیں ہوا تھا۔ سپیکر میں اذان اور خطبہ جمعہ دیا جاتا تھا۔ اس وقت ملک میں جماعت کے خلاف بہت سازشیں ہو رہی تھیں اور اخباروں میں جھوٹ جماعت کے خلاف لکھا جا رہا تھا کہ اسلم قریشی مولوی کو جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا طاہر احمدؒ صاحب نے قتل کروا دیا ہے۔ ان کو گرفتار کیا جائے اور سزا دی جائے۔ یہ وقت بہت پریشانی کا تھا۔

وہاں نماز فجر کے بعد درس دیا جاتا تھا اور اس کے بعد اطفال و ناصرات کی کلاس لگائی جاتی تھی۔ اسکے علاوہ چوہدری محمد حسین صاحب صوبیدار کے گھر بھی تین خواتین کو ترجمۃ القرآن پڑھایا جاتا تھا اور اسی طرح چوہدری عطا محمد صاحب (نمازی) کے گھر بھی کلاس لگائی جاتی تھی۔ وہاں 12 میں سے 10 ممبرات ترجمۃ القرآن پڑھا کرتی تھیں۔ چوہدری محمد حسین صاحب کی بچیوں نے 15 ویں پارہ تک ترجمۃ القرآن سیکھا ہوا تھا جبکہ چوہدری عطا محمد صاحب کی بچیوں نے 12 ویں پارہ تک ترجمۃ القرآن سیکھا تھا۔ دھیر کے کلاں میں تقریباً 30 بچے بچیاں پڑھنے والے تھے۔ میں روزانہ 12 بجے تک دھیر کے کلاں میں رہتا پھر 1 بجے شادیوال جو 5 کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا چلا جاتا تھا۔ نماز ظہر سے پہلے چوہدری محمد حسین صاحب اور عنائت اللہ صاحب کی 5 بچیوں کو ترجمۃ القرآن سکھاتا تھا۔ نماز ظہر کے بعد چوہدری ولایت صاحب ایڈووکیٹ کے گھر بچیوں کی کلاس ہوتی تھی اور نماز عصر کے

بعد مشترکہ اطفال و ناصرات کی کلاس لگائی جاتی تھی۔ اس طرح قریباً 60 بچے اور بچیاں پڑھتے تھے۔ دونوں جماعتوں میں پڑھنے والوں کی تعداد 100 کے قریب تھی جس کی وجہ سے دن بہت مصروفیت سے گزرتا تھا۔ شادیوال سے واپس آکر نماز مغرب دھیر کے کلاس میں پڑھتا تھا۔

## حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے فیملی ملاقات

حضرت صاحب جب ہمارے دفتر کے ناظم وقف جدید تھے تو اکثر ملاقات ہو جاتی تھی۔ لیکن جب سے خلافت کے مقام پر فائز ہوئے حضورؒ سے ملاقات کا موقع نہیں ملتا تھا۔ میری اہلیہ نے کہا کہ میں حضرتؒ صاحب سے خلافت سے پہلے دوائی لینے جاتی تھی تو ملاقات ہو جاتی تھی۔ اب دل چاہتا ہے کہ ہماری فیملی ملاقات حضورؒ سے ہو جائے۔ میں نے حضورؒ کی خدمت میں فیملی ملاقات کی درخواست دی جو منظور ہوگئی اور ہمیں حضورؒ سے ملاقات کا وقت دیا گیا۔ چنانچہ ہماری فیملی حضورؒ سے ملاقات کے لئے قصر خلافت پہنچی۔ ہمیں وہاں ایک کمرہ میں بٹھا دیا گیا۔ اس وقت میری اہلیہ اور ان کی والدہ، میری تین بیٹیاں اور ایک بیٹا کل 6 افراد گئے تھے۔ جب حضرتؒ صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے تو میں اور میری اہلیہ اور بچے کھڑے ہوگئے اور آگے بڑھ کر حضورؒ کے قریب ہوگئے۔ میری اہلیہ کی والدہ غلام فاطمہ (میری ساس) کچھ دور بیٹھی تھیں۔ وہ نظر کی کمزوری کی وجہ سے حضورؒ کو نہ دیکھ سکیں۔ اس وجہ سے وہ رو پڑیں۔ حضورؒ نے فرمایا مائی کیوں روتی ہو؟ میں نے پوچھا کہ چچی آپ کیوں رو رہی ہیں؟ تو وہ کہنے لگیں کہ حضور مجھے نظر نہیں آرہے۔ میں نے جب یہ حضورؒ کو بتایا تو حضورؒ نے فرمایا اچھا میں آگے آجاتا ہوں۔ چنانچہ حضورؒ ان کے پاس چلے گئے تو میری اہلیہ کی والدہ حضورؒ کو پیار اور دعائیں دینے لگیں۔ کیا ہی عجیب وہ نظارہ تھا کہ ایک غریب بڑھیا خادمہ کو ملنے حضورؒ خود اس کے پاس چلے گئے اور بڑے پیار و محبت سے خیریت دریافت فرمائی۔ واپسی پر بچوں کو عیدی کے



طور پر مبلغ 200 روپے عطا فرمائے اور ہم ملاقات کے بعد خوشی خوشی اپنے گھر لوٹے۔ اس کے بعد حضورؒ کے ساتھ دوبارہ ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔

## حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہجرت

1984ء کا سال جماعت احمدیہ کیلئے بہت مشکل سال تھا۔ اسلم قریشی جو غائب ہو چکا تھا اور مولویوں نے اس کی نماز جنازہ غائب بھی پڑھ لی تھی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس کا قتل حضرت مرزا طاہر احمدؒ نے کرایا ہے۔ لہٰذا انہیں گرفتار کیا جائے اور سزا دی جائے۔ باوجودیکہ جماعت احمدیہ کے افراد کو غیر مسلم تو قرار دے دیا گیا ہے یہ لوگ اسی طرح مسلمانوں کی طرح اذانیں دیتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں، قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ان کو زبردستی غیر مسلم بنایا جائے اور اسلامی تعلیم سے زبردستی روکا جائے۔ وہ ایسے خوفناک حالات تھے کہ دل گھبراتا تھا۔ جب یہ خیال آتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ ایسے ظلم وستم کا ذہن میں آتے ہی بہت خوف پیدا ہوتا تھا اور بہت بے قراری کی کیفیت ہوتی تھی۔ چنانچہ میں دعائیں کرتا تھا کہ اے خدا حضرتؒ صاحب جس طرح پہلے غیر ممالک کے دورہ پر چلے جاتے ہیں اب بھی چلے جائیں اور جب تک حالات ٹھیک نہ ہوں واپس نہ آئیں۔ گو کہ حضورؒ کا ملک چھوڑ کر بیرون ملک دورہ پر چلے جانا بہت مشکل اور تکلیف دہ تھا لیکن اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ حضورؒ کو یہاں پریشان کیا جائے۔ میں یہ دعائیں اس لئے کیا کرتا تھا کہ حضور کے خلاف ادنیٰ سی بات برداشت ہونا مشکل تھی۔

ضیاء الحق نے 24/اپریل 1984ء کو جماعت احمدیہ کے خلاف ایک آرڈیننس جاری کیا کہ کوئی احمدی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہ کرے۔ کوئی مسلمانوں والا کام احمدی نہ کریں اور نہ نماز ادا کریں اور نہ قرآن نہ روزہ اور نہ ہی السلام علیکم وغیرہ کسی کو کہیں اور نہ ہی

وہ اپنی بیت الذکر کو مسجد کہہ سکتے ہیں۔ یعنی کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے وہ مسلمان ظاہر ہوتے ہوں۔ اگر ایسا کرینگے تو تین سال قید اور 50 ہزار روپے جرمانہ اس جرم کی سزا ہوگی۔ یہ سراسر ظلم پر مبنی قانون تھا جو معصوم احمدیوں پر نافذ کیا گیا۔ ان حالات میں حضورؒ کا اس ملک میں رہنا مشکل تھا۔ اگر یہاں رہتے تو وہ خاموش ہو کر یہاں کس طرح رہ سکتے تھے۔ جماعت کے لئے بہت ہی ظالمانہ قانون بنایا گیا تھا۔ حضرتؒ صاحب نے بہتر سمجھا کہ وہ ملک سے ہجرت کر جائیں۔ باوجود حکومتی رکاوٹوں اور پہروں کے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے لنڈن بحفاظت پہنچ گئے۔ ان حالات میں یہ خبر سن کر بہت خوشی ہوئی (الحمد للہ)۔ حضرتؒ صاحب ظالموں سے بچ کر محفوظ جگہ پر چلے گئے اور وہاں دعوت الی اللہ کا کام بڑی آسانی سے کر سکیں گے۔ انشاء اللہ

کیونکہ جب ضیاء الحق نے ظالمانہ آرڈیننس جاری کیا اور احمدیوں کی اذانوں پر پابندی لگادی اور بیت الذکر کو مسجد کہنے سے بھی منع کر دیا نیز بیت الذکر سے کلمہ طیبہ مٹانے کا حکم دے دیا اور احمدیوں کو اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور مسلمانوں والے کام کرنے کی وجہ سے سزائیں ملنا شروع ہوگئیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تفسیر کبیر میں سورۃ الفجر کی جو تفسیر فرمائی ہے اور اس میں فرعون صفت انسان کا ذکر کیا ہے کہ وہ جماعت احمدیہ پر حملہ کریگا اور جماعت اس سے محرم میں نجات حاصل کرے گی۔ یہ وہی فرعون ہے۔ یہ تفسیر میں نے پہلے سے پڑھی ہوئی تھی۔ یہ تفسیر تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بڑی تفصیل سے کی ہے۔ میں مختصراً اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

**خلاصہ تفسیر سورۃ الفجر**

گو ماموریت تو 1882ء میں ہو چکی تھی لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے 1889ء میں جماعت کا قیام فرمایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یہاں یہ تحریر فرمایا کہ فجر سے مراد مسیح موعودؑ کا دعویٰ لیا جائے تو یہ صدی 1990ء تک چلتی ہے۔ سورۃ الفجر کی آیات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کچھ جہتوں کا بھی ذکر



فرمایا ہے۔ جن اوقات میں احمدیت کی مخالفت ہوگی اور پھر کامیابی بھی ہوگی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سورۃ الفجر کی تفسیر 1945ء میں لکھی تھی۔ حضور نے فرمایا کہ آج 1945ء ہے اور 1990ء تک اللہ تعالیٰ کسی یوم الفرقان کے ذریعہ جماعت کو ایسے مقام تک پہنچا دے گا کہ جماعت احمدیہ کی مخالفت تو ہوگی۔ جس طرح جنگ بدر کے بعد مسلمانوں کی مخالفت ہوئی لیکن مخالفین مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اسی طرح 1990ء کے بعد بھی جماعت احمدیہ کی مخالفت ہوگی مگر مخالفین جماعت کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آیت و فرعون ذالاوتاد کی تفسیر فرمائی ہے اور فرمایا کہ اس فرعون کا تعلق جماعت احمدیہ کی مخالفت سے ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا کہ دو طرح سے میں بتا سکتا ہوں اور پہلے حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث کا ذکر فرمایا جو ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون سے 10 محرم کو نجات حاصل کی تھی اور میری امت میں بھی ایسا واقعہ ہوگا کہ کوئی فرعون صفت انسان میری امت پر حملہ کریگا اور میری امت اس سے نجات حاصل کریگی۔ پھر لکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے خواب میں دیکھا کہ آپ دریائے نیل کے کنارے پر کھڑے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ میں موسیٰ ہوں اور آپ کے ساتھی جو آپ کے پاس کھڑے ہیں وہ اپنے آپ کو بنی اسرائیل سمجھ رہے ہیں اور فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھی آپ کو موسیٰ سمجھ کر کہتے ہیں کہ اے موسیٰ ہم تو پکڑے گئے تو حضرت مسیح موعودؑ جو اپنے آپ کو موسیٰ سمجھ رہے ہیں، کہتے ہیں ایسا ہر گز نہیں ہوگا اللہ ہمیں کامیابی کا راستہ دکھا دیگا۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی حضرت مسیح موعودؑ کا الہام تحریر کرتے ہیں کہ میرے پر وہی زمانہ آئے گا جس طرح موسیٰؑ پر آیا۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی لکھتے ہیں کہ 1940ء میں مجھے جو خواب آئی تھی کہ میں نے ایک جگہ پناہ لی ہوئی ہے اور میرے دل میں خیال ہے کہ یہاں موسیٰؑ نے بھی پناہ لی تھی۔ یہ باتیں تحریر فرمانے کے

بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تحریر فرماتے ہیں کہ آج تک امت محمدیہ میں کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا کہ امت محمدیہ پر کسی فرعون صفت انسان نے حملہ کیا ہو اور امت محمدیہ نے ان سے محرم میں نجات حاصل کی ہو۔ میرے بعد کسی خلیفہ کے زمانہ میں کوئی فرعون صفت انسان جماعت احمدیہ پر حملہ کرے گا اور جماعت احمدیہ کے افراد تمثیلی زبان میں اپنے وقت کے خلیفہ کو کہیں گے کہ اے موسیٰ ہم تو پکڑے گئے۔ تو اس زمانہ کا خلیفہ تمثیلی زبان میں ہی کہے گا کہ ایسا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی کا راستہ دکھا دے گا۔ یہ تفسیر میں نے 1974ء کے حالات کے دنوں میں پڑھی تھی جب ضیاء الحق نے جماعت احمدیہ کے خلاف آرڈیننس جاری کیا تو میرا یقین اور بھی بڑھ گیا کہ یہی وہ فرعون ہے جو جماعت احمدیہ پر حملہ کرنیوالا ہے۔ نیز یہ بھی یقین ہو گیا کہ یہ محرم کے مہینہ میں ہی مریگا۔

چنانچہ ہر سال جب محرم کا مہینہ آتا تو میں محرم کے آغاز کے خطبہ جمعہ میں اس امر کی طرف افراد جماعت کی توجہ دلا کر دعا کی درخواست کرتا رہا۔ بہرحال اس فرعون صفت کے مرنے کا بہت انتظار کیا۔ محرم گزر جاتا اور یہ نہ مرتا۔ آخر 1988ء میں جب میں چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد تھا تو محرم کا مہینہ آ گیا تو سورۃ الرحمان کی تلاوت ہو رہی تھی اور تصویری رنگ میں ترجمہ ہو رہا تھا تو یک لخت ضیاء الحق کی فوٹو ٹی وی پر دکھائی گئی اور نیوز کاسٹر PTV نے خبر دی کہ ضیاء الحق کا طیارہ بہاولپور کے دریا کے کنارے فضاء میں تباہ ہو گیا ہے اور 30 اعلیٰ افسر بھی اس حادثہ میں لقمہ اجل بن کر خاک ہو گئے ہیں۔ بہرحال فرعون صفت انسان محرم کے مہینہ میں پیشگوئی کے عین مطابق مرا اور جماعت احمدیہ نے اس سے نجات حاصل کی۔ یہ تفسیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے 1945ء میں لکھی تھی۔ اس کے مرنے کی مدت بھی بتائی تھی جو میں نے بعد میں پڑھی تھی۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ربّ گھات لگائے بیٹھا ہوتا ہے۔ جب وہ پکڑتا ہے تو اکٹھے پکڑتا ہے۔ ''سو سنار کی ایک لوہار کی''۔ ظالم سمجھتا ہے کہ میرے ظلموں کی کوئی سزا نہیں ملے



گی۔ 11 سال تک اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھیل دیتا چلا گیا اور اس کے بعد اس کی جاہ حشمت خاک میں ملا دی گئی۔ یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو گئی ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے وہ مخالف جن کی وجہ سے آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ آ گئے تھے جنگ بدر میں مارے گئے اور مخالفت شروع ہونے کے 11 سال بعد مرے۔ جس کو قرآن کریم میں یوم الفرقان کہا گیا ہے۔ جماعت احمدیہ کی اجتماعی مخالفت 1974ء میں شروع ہوئی۔ جس میں عوام نے اور حکومت نے مل کر مخالفت کی تھی۔ 1974ء کے بعد پورے 10 سال بعد یعنی 1984ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ہجرت کر کے لندن چلے گئے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخالفت کے بعد 10 سال بعد ہجرت کرنے کی مشابہت پوری ہوئی۔

## ایک احمدی ڈاکٹر کی خواب

ڈاکٹر احمد حسن چیمہ صاحب گجرات میں رہائش پذیر تھے۔ وہ ریٹائرڈ فوجی تھے۔ انہوں نے ہومیوپیتھی کی دوکان کھول رکھی تھی۔ لوگوں کو اکثر مفت دوائی دیتے تھے۔ اگر کچھ روپے مریضوں سے لیتے بھی تھے تو اسکی چائے وغیرہ لوگوں کو پلا دیا کرتے تھے۔ دعوت الی اللہ کا کام بھی بڑی گرم جوشی سے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آرڈیننس کے بعد بھی وہ دیوانہ وار دعوت الی اللہ کرتے تھے۔ میں ان کے پاس جاتا تھا۔ وہ مجھے بڑے پیار و محبت سے ملا کرتے تھے۔ آرڈیننس جاری ہونے کے بعد ان کو ایک خواب آئی جو انہوں نے مجھے سنائی تھی۔ وہ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت پر دو آدمی ہیں۔ ایک نے دوسرے کو اوپر سے نیچے گرا دیا ہے لیکن وہ زمین پر نہیں گرا بلکہ درخت پر ہی اٹک گیا ہے۔ پھر اوپر والے آدمی نے کسی طرح اس کو آخر نیچے پھینکا تو دھماکہ ہوا۔ میں نے جا کر دیکھا تو ضیاء الحق تھا۔ وہ مجھے کہتے تھے کہ اس کا دھماکہ ہو گیا ہے۔ یہ مر جائے گا۔ بہرحال یہ خواب ان کی وفات کے بعد پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

1985ء میں میں جماعت احمدیہ دھیر کے کلاں اور شادیوال ضلع گجرات دونوں

جماعتوں میں کام کررہا تھا تو میرا تبادلہ خلیل آباد اگھار کالونی ضلع کوٹلی آزاد کشمیر کر دیا گیا۔ ناظم صاحب کو کہا گیا کہ میں دو جماعتوں میں کام کررہا ہوں اور بڑی اچھی طرح کام کررہا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ تبادلہ رکوانے لے لئے آجائیں۔ چوہدری اللہ بخش صادق صاحب نے کہا کہ پھر تو آپ نے ان کی صحیح طرح سے تربیت ہی نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو وہاں ضرورت کے تحت بھیجا جارہا ہے اور کہا کہ وہاں کے معلم گلزار احمد کشمیری صاحب جب سنٹر دھیر کے کلاں میں آجائیں تو پھر آپ نے سنٹر چھوڑ کر کشمیر جانا ہے۔

دھیر کے کلاں کے افراد جماعت نے اس تبادلہ پر مجھ سے کہا کہ ہم آپ کا تبادلہ رکواتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بالکل نہیں رکوانا۔ آپ کے پاس ایک اور معلم صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک ماہ بعد معلم گلزار احمد کشمیری صاحب صاحب دھیر کے کلاں تشریف لائے اور پھر میں نے وہ سنٹر چھوڑا اور جماعت خلیل آباد آزاد کشمیر کا چارج سنبھالا۔

## کشمیر تبادلہ

میرا تبادلہ خلیل آباد اگھار کالونی ضلع کوٹلی آزاد کشمیر کر دیا گیا۔ میں پہلی مرتبہ کشمیر گیا تھا۔ کشمیر کا اکثر علاقہ پہاڑی ہے۔ میرا سنٹر سڑک سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر تھا۔ جب میں نے پہلی بار کشمیر میں پیدل سفر کیا تو مجھے بخار ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ پہاڑوں میں سفر کرنے کا میں عادی ہو گیا اور صحت بھی ٹھیک ہو گئی۔ پھر تو میں تین تین چار چار میل کا سفر پیدل ہی کیا کرتا تھا۔ کوٹلی شہر میں امیر جماعت ڈاکٹر بشیر احمد صاحب تھے۔ ان کی بچیوں کو میں سائیکل پر جا کر پڑھاتا رہا۔ کوٹلی شہر میں جاتے ہوئے ڈھلوان تھی جس کی وجہ سے سفر آسان تھا۔ لیکن واپسی پر چونکہ چڑھائی ہوتی تھی تو کافی مشکل پیش آتی تھی۔ خلیل آباد ایک بہت گہری ندی کے کنارے پر تھا۔ ندی کی دوسری طرف بگڑمل میں محترم سعید احمد صاحب اور حاجی محمد صاحب رہتے تھے۔ ان کے بچوں کو بھی میں پڑھانے جاتا تھا۔ ندی سے پار جانا بہت مشکل تھا کیونکہ نیچے اترتے ہوئے تو آسانی ہوتی تھی لیکن واپسی پر چڑھائی کی وجہ سے دقت ہوتی تھی۔ جسم پسینے سے شرابور ہو جایا کرتا



تھا۔ وہاں سے 3 میل کے فاصلے پر بُرالی جماعت تھی۔ وہاں بھی جا کر میں کلاس لیتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہاں بھی کام کرنے کی اپنے فضل سے توفیق دی۔

## اللہ تعالیٰ کا ڈوبنے سے بچانا

وہ ندی جس پر سے گزر کر میں بچوں کو پڑھانے جایا کرتا تھا بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ پہاڑوں میں بارش کی وجہ سے اس میں بڑی جلدی سے پانی کی طغیانی آجاتی تھی۔ جس کی وجہ سے ندی میں پانی 10 سے 15 فٹ بلند ہو جاتا تھا اور اتنا تیز ہوتا تھا کہ ایسی حالت میں اگر کوئی پانی میں گر جاتا تو پھر منگلا ڈیم کی مچھلیوں کی خوراک ہی بنتا۔ یعنی اس کو نکالنا بہت ہی مشکل کام تھا۔ یہاں تو پہلے کئی حادثے بھی ہو چکے تھے۔ اور آدمی اپنی جان گنوا بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ میں پڑھانے کے لئے جانے لگا تو میری بیٹی سلطانہ کوثر جو سات آٹھ سال کی تھی، اس نے مجھ سے کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ میری یہ بیٹی میرے پاس کشمیر میں تین چار ماہ کے لئے ناظرہ قرآن پڑھنے کے لئے آئی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں اسے بھی ساتھ لے کر چل پڑا۔ جب ہم دونوں اس ندی سے گزرنے لگے تو میں نے بیٹی کو اپنے کاندھوں پر بٹھالیا اور ندی پار کرنے لگا۔ اس وقت ندی میں پانی کافی تیزی سے چل رہا تھا۔ جس کی وجہ سے میرے پاؤں اکھڑنے لگے اور ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اس صورتحال میں بچی رونے لگی۔ چنانچہ سامنے ہی ایک نوجوان کھڑا تھا اس نے آگے بڑھکر میرا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر باہر نکال لیا۔ جب میں پڑھا کر واپس اپنی بیٹی کے ہمراہ ندی پر پہنچا تو ندی کا پانی 15 سے 20 گز تک اونچا ہو گیا تھا۔ مجھے تو اس کا اندازہ ہی نہیں تھا کہ پہاڑوں سے اتنا زیادہ پانی آرہا ہے۔ اور یہ پانی پہاڑوں پر بارش ہونے کی وجہ سے آیا ہے۔ مجھے بہت خوف آیا کہ اگر ہم دونوں خدانخواستہ پانی سے گزرتے ہوئے گر پڑتے تو کیا بنتا۔۔۔ اور اگر وہ نوجوان ہمیں کھینچ کر باہر نہ نکالتا تو ہم ڈوب جاتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ہمیں ڈوبنے سے بچالیا۔ پھر ہم دونوں باپ بیٹی پہاڑ کے دامن میں چلتے ہوئے 2 کلومیٹر کے فاصلے پر

پل سے گزر کر سنٹر خلیل آباد پہنچے۔ خلیل آباد میں میں قریباً ڈیڑھ سال کام کرتا رہا۔ وہاں سے میرا تبادلہ 1987ء میں چک نمبر 559 گ۔ب تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد ہو گیا۔

## چک نمبر 559 گ۔ب ضلع فیصل آباد تبادلہ

جڑانوالہ سے ننکانہ صاحب جاتے ہوئے اڈہ ظفروال سے اتر کر چک نمبر 559 گ۔ب جانا پڑتا ہے۔ یہ چک اڈہ ظفروال سے 3 کلومیٹر کے فاصلہ پر شمال کی طرف واقع ہے۔ وہاں باجوہ قوم آباد تھی۔ اب تو سوائے ایک کنبہ کے سب گاؤں چھوڑ کر شہروں میں چلے گئے ہیں اس وقت یہاں 10 سے 12 کنبے احمدیوں کے آباد تھے۔ بچے کم پڑھنے والے تھے۔ میرا دل مطمئن نہ تھا کیونکہ میرے دل میں یہ خواہش ہمیشہ رہتی تھی کہ میں تعلیم و تربیت کا زیادہ سے زیادہ کام کروں لیکن وہاں بچے بہت ہی کم تھے۔ اس لئے میرا وہاں پر دل نہیں لگتا تھا۔ مجھ سے پہلے اس جگہ محمد عاصم صاحب حلیم بطور معلم رہ چکے تھے۔ میں نے اپنے شاگرد بڑھانے کے لئے یہ طریق اختیار کیا کہ 6 کلومیٹر کے فاصلہ پر چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد میں جماعت تھی جبکہ 3 کلومیٹر کے فاصلہ پر کوٹ دیال داس میں بھی جماعت تھی (جو ضلع شیخوپورہ کی حدود میں آتی تھی) اپنی جماعت چک نمبر 559 گ۔ب اور ان دونوں جماعتوں میں روزانہ پڑھانا شروع کر دیا۔ نماز ظہر روزانہ کوٹ دیال داس میں پڑھاتا تھا اور اس کے بعد اسی جماعت کے بچے پڑھاتا تھا۔ ایک رات چک نمبر 559 گ۔ب میں گزارتا اور ایک رات چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد میں رہتا تھا۔ اس طرح سے میں روزانہ ان جماعتوں کو وقت دیتا تھا۔ نماز عصر پڑھاتا اور اس کے بعد بچوں اور بچیوں کو پڑھاتا تھا پھر مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھاتا۔ نماز فجر کے بعد درس دیتا تھا۔ درس کے بعد بچوں اور بچیوں کی کلاس لیتا تھا۔ پھر ناشتہ کے بعد 12:00 بجے دوپہر کوٹ دیال داس ضلع شیخوپورہ پہنچ جاتا جہاں نماز ظہر کے بعد بچوں اور بچیوں کی کلاس لیتا تھا۔ اسی طرح اس کے بعد چک نمبر 563 گ۔ب



پہنچتا اور نماز عصر کے بعد بچوں اور بچیوں کی کلاس لیا کرتا تھا۔ پھر وہیں پر نماز مغرب وعشاء پڑھا کر اسی جماعت میں رات گزارتا تھا۔ صبح نماز فجر کے بعد درس دیتا اور پھر بچوں و بچیوں کی کلاس لیتا تھا۔ پھر ناشتہ کے بعد 12:00 بجے دوپہر واپس پہلے کوٹ دیال داس سے ہوتے ہوئے رات کو چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد پہنچتا اور رات وہیں گزارتا تھا۔ بہرحال میں اس معمول کے ساتھ تین جماعتوں کو سنبھالتا تھا۔ اس طرح سے تین جماعتوں کے بچوں اور بچیوں کی کل تعداد قریباً 100 تھی جن کو میں پڑھاتا تھا۔

## چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد تبادلہ

چونکہ چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد میں 30 سے 40 بچے و بچیاں پڑھنے والے تھے اور چک نمبر 559 گ۔ب میں 5 سے 6 بچے پڑھنے والے تھے۔ چنانچہ چک نمبر 563 گ۔ب کی جماعت نے درخواست کی کہ معلم صاحب کو ہماری جماعت میں تعینات کیا جائے۔ اس طرح جب ناظم صاحب نے دیکھا کہ چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد میں پڑھنے والے بچے اور بچیاں زیادہ ہیں تو انہوں نے میرا تبادلہ چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد کر دیا۔ تین ماہ تک میں ان تینوں جماعتوں میں کام کرتا رہا۔ پھر فیصل آباد سے امیر صاحب ضلع مکرم محمد احمد صاحب مظہر نے مجھے لکھا کہ کوٹ دیال داس تو ضلع شیخوپورہ کی جماعت ہے اور گرمی بھی بہت ہے۔ اس وجہ سے آپ ضلع فیصل آباد کی جماعتوں میں ہی کام کریں۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے کوٹ دیال داس ضلع شیخوپورہ کی جماعت میں بچوں کو پڑھانا چھوڑ دیا اور دوسری جماعتوں میں کام کرتا رہا۔ احمدیہ بیت الذکر میں کلاس لگاتا جبکہ گھروں میں جا کر بڑی بچیوں کو پڑھاتا رہا۔ بہرحال چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد میں ہی خدمت سرانجام دیتا رہا۔

## محترمہ چچی صاحبہ (ساس) کی وفات

چک نمبر 563 گ۔ب میں ہی تھا کہ مجھے اپنی چچی جو میری ساس بھی تھیں کہ

وفات کی افسوسناک خبر ملی۔ ہمارے خاندان میں میرے احمدیت قبول کرنے سے پہلے کوئی بھی احمدی نہ تھا۔ ہماری قوم بھٹی ہے لیکن ہمارے خاندان کے لوگوں کی رشتہ داری کوٹ محمد یار نزد چنیوٹ میں تھی۔ جو قوم کے جٹ وسیر ہیں۔ اس خاندان نے غالباً خلافت ثانیہ کے زمانہ میں احمدیت قبول کر لی تھی اور ہمارے دادا حکیم غلام احمد کی بہن کی شادی کوٹ محمد یار ہوئی تھی۔ اس وجہ سے وہ تو احمدی ہو گئی تھیں لیکن انہوں نے اپنی بیٹی محترمہ غلام فاطمہ صاحبہ (میری چچی وساس) کی شادی میرے چچا حکیم میاں محمد لطیف سے کی۔ چچا خود تو احمدی نہ تھے لیکن چچی کو احمدیت کی تعلیم سے روکتے بھی نہ تھے۔ چچی جماعت کی کتب پڑھتی تھیں۔ چچی ان کے سامنے حضرت مسیح موعودؑ، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور اور دیگر بزرگوں کے منظوم کلام پڑھا کرتی تھیں۔ جب سے میں نے انہیں دیکھا تھا وہ صوم وصلوٰۃ اور تہجد کی پابند تھیں۔ وہ گاؤں کے بچے اور بچیوں کو قرآن کریم پڑھایا کرتی تھیں۔ اپنی بیٹی (میری اہلیہ) کو بھی احمدیت کی تعلیم پر بڑی مضبوطی سے قائم کر دیا تھا۔ لیکن جب میں نے احمدیت قبول کر لی تو لوگوں نے میرے چچا کو کہا کہ آپ نے احمدی عورت سے شادی کی اس سے بیٹی پیدا ہوئی اب داماد بھی احمدی ہو گیا ہے۔ یہ احمدیت کا پودا اس خاندان میں آپ نے ہی لگایا ہے اور اب آپ ہی اسے ختم کریں گے۔ چنانچہ اس پر چچا نے ہماری مخالفت شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے مجھے میری اہلیہ اور میری ساس صاحبہ کو گھر سے نکال دیا گیا اور ہم ربوہ آکر آباد ہو گئے۔ جب چچی ربوہ آئیں تو انہوں نے آتے ہی اپنی وصیت کروالی کیونکہ ان کے پاس جو زیور تھا وہ بیچ دیا تھا اور 1/10 حصہ مرکز کو حصہ آمد کے طور پر ادا کر دیا تھا۔ اس کے بعد ان کی کوئی آمد نہیں تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے چندہ وغیرہ نہیں دیا تھا۔ ان کا چندہ لجنہ، چندہ تحریک جدید اور چندہ وقف جدید ہم ہی ادا کرتے رہے۔ چونکہ وہ اپنی آمد نہ ہونے کی وجہ سے چندہ وصیت نہ دے سکیں اس وجہ سے ان کی وصیت معلق کر دی گئی۔ چنانچہ چچی کی وفات سے قبل جب میں گھر چھٹی پر آیا تو انہوں نے اس کا ذکر مجھ سے



کیا۔ میں وہ چٹھی لے کر دفتر وصیت گیا اور ان کی وصیت کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ان کی قربانی کا کوئی معیار نہیں اس وجہ سے ان کی وصیت معلق کر دی گئی ہے۔ میں نے دفتر کو تفصیلاً بتایا کہ ان کی تو کوئی آمد نہیں ہے۔ ان کے چندے وغیرہ تو ہم ہی دیتے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ ان کا خاوند غیر از جماعت ہے لیکن یہ بہت مخلص احمدی ہیں۔ خاوند نے انہیں گھر سے نکال دیا ہے۔ میں نے مزید بتایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جب احمدی عورتوں کو مسجد بنانے کی تحریک کی تھی تو انہوں نے اپنی بالیاں بطور چندہ پیش کی تھیں۔ بہر حال میری باتوں کو سن کر دفتر الوصیت نے کہا کہ آپ ان کا کچھ وظیفہ مقرر کریں۔ میں نے کہا کہ میں ان کا وظیفہ مبلغ 100 روپے مقرر کر دیتا ہوں۔ ا س وقت میری تنخواہ مبلغ 200 روپے ماہوار تھی۔ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب سے ان کی وصیت ہے اس وقت سے ان کا بقایا بھی ادا کر دیا جائے۔ تو میں نے ان سے ان کا بقایا پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کے ذمہ مبلغ 500 یا 600 روپے بنتا تھا جو میں نے ادا کر دیا۔ بہر حال ابھی فیصلہ میں کچھ وقت تھا کہ ان کی وفات ہو گئی۔ میں اس وقت چک نمبر 563 گ۔ب میں تھا۔ مجھے اطلاع دینے کے لئے دفتر وقف جدید کی طرف سے ایک آدمی بھیجا گیا جس نے مجھے چچی کی وفات کی اطلاع دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

وفات کی خبر ملتے ہی میں ربوہ کے لئے روانہ ہوا۔ میں رات کے 8:00 بجے اپنے گھر ربوہ پہنچا۔ میری اہلیہ نے اپنی والدہ کی میت کے لئے بکس وسامان وغیرہ منگوالیا تھا اور میت کو غسل دے کر کفن میں لپیٹ دیا گیا تھا یعنی جنازہ تیار تھا۔ چچی کی وفات کی خبر سن کر ہمارے خاندان کے غیر از جماعت رشتہ دار گاؤں سے آئے ہوئے تھے۔ چچا بھی (جن کی اہلیہ فوت ہوئیں تھیں) اپنے ساتھ کچھ آدمی لے کر آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ جنازہ میرے انتظار میں شاید رکھا گیا ہے۔ چنانچہ میں جب گھر پہنچا تو وہ کہنے لگے کہ اب کیا دیر ہے؟ چلیں اس کو دفن کریں۔ چونکہ چچی نے احمدی ہونے کے باوجود غیر از جماعت سے

شادی کی اس لئے بوقت وفات ان کی بہشتی مقبرہ میں تدفین نہ ہوسکی۔ان کی نماز جنازہ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ نے خود پڑھائی اور حضور کی خدمت میں اجازت کے لئے لکھا نیز قبرستان عام میں تدفین کے لئے فرمایا۔چنانچہ چچی کو قبرستان عام میں دفن کردیا گیا۔

## چچی کی بہشتی مقبرہ میں تدفین

حضرت صاحب کی طرف سے بہشتی مقبرہ میں تدفین کی اجازت تو آگئی تھی اور بہشتی مقبرہ میں ان کی تدفین ہوسکتی تھی لیکن چھ ماہ کے بعد میت قبرستان عام سے بہشتی مقبرہ میں دفن کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔بہرحال جس دن ان کے جسد خاکی کو بہشتی مقبرہ میں منتقل کرنا تھا، چچا کو بھی اس بارہ میں بتادیا گیا تھا کہ چچی کے جسد خاکی کو بہشتی مقبرہ میں تدفین کی اجازت مل گئی ہے تو چچا بھی وہاں پہنچ گئے۔جب جنازہ قبرستان عام سے بہشتی مقبرہ منتقل ہوگیا تو بعد تدفین دعا ہوئی۔دعا کے بعد چچا نے کہا کہ اب میں خوش ہوں کہ اس کے دل کی مراد پوری ہوگئی ہے۔چچی کہا کرتی تھیں کہ تمہارے چچا کا میرے ساتھ وعدہ تھا کہ وہ مجھے احمدیت سے نہیں روکیں گے۔میرے احمدیت قبول کرنے کے بعد چچا کو لوگوں نے بھڑکایا کہ آپ کی وجہ سے ہمارے خاندان میں احمدیت کا پودا لگا ہے اس لئے آپ ہی اسے جڑ سے اکھاڑ باہر پھینکیں گے۔اس وجہ سے چچا نے ہماری بہت مخالفت کی اور ہمیں گھر سے نکلنے پر مجبور کردیا لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے دلوں میں احمدیت راسخ ہوچکی تھی اور اللہ نے ہمارے دلوں میں احمدیت گاڑ دی تھی جس کو نکالنا ان کے بس کی بات نہ تھی وہ نکال نہ سکے۔احمدی ہونے کی وجہ سے چچی کی وفات پر ہم بہت سی فضول رسموں سے محفوظ رہے۔چچی کی وفات ہمارے لئے بہت آزمائش اور بہت بڑا صدمہ تھا کیونکہ وہ میری بیوی اور بچوں کے ساتھ ربوہ میں رہیں۔مجھے باہر فیلڈ میں ان کی وجہ سے تسلی اور حوصلہ تھا کہ میرے بیوی بچے ربوہ میں اکیلے نہیں ہیں۔چچی ہمارے لئے بہت دعائیں کیا کرتی تھیں۔بہرحال اللہ تعالیٰ ان



کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔آمین

## عزیزم محمود احمد سلطان کا قرآن کریم ناظرہ مکمل کرنا

میرا ایک ہی بیٹا ہے۔اس کو ہم نے محلہ کے ایک سکول میں داخل کروایا۔لیکن ایک سال بعد معلوم ہوا کہ عزیزم کو تو حروف الف۔ب وغیرہ کی پہچان ہی نہیں ہے۔ماسٹر صاحب اسی محلّہ میں رہتے تھے۔چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور عزیزم کی اس کمزوری کی وجہ جاننی چاہی۔بہرحال پھر میں نے ان سے کہا کہ میں عزیزم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں تا کہ اپنے پاس رکھ کر اسے قرآن کریم ناظرہ سکھا سکوں۔براہ کرم آپ اس کی حاضری لگا دیا کریں۔ماسٹر صاحب نے اجازت دیدی۔اسوقت گرمیوں کی چھٹیاں بھی ہونیوالی تھیں۔چنانچہ میں عزیزم محمود احمد کو اپنے ساتھ چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد لے آیا اور اسے قاعدہ یسرنا القرآن پڑھانا شروع کیا۔اس کو لفظوں کی پہچان کرائی۔اس طرح سے ایک دو دنوں میں اسے حروف کی پہچان ہو گئی۔اسے سبق رٹنے کی عادت نہیں تھی۔جتنی دیر تک مَیں اس سے سبق سنتا تھا وہ سناتا تھا لیکن اس کے بعد وہ سبق یاد نہیں کیا کرتا تھا۔سبق سننے کے دوران ہی اسے حروف کی پہچان کروائی جاتی تھی اور وہ قاعدہ یسرنا القرآن سنانے لگا۔جب کبھی غلطی کرتا تھا اس کی غلطی درست کردی جاتی تھی۔چنانچہ آہستہ آہستہ وہ روانی کے ساتھ قاعدہ یسرنا القرآن سنانے لگا۔قریباً ڈیڑھ ماہ میں اس نے قاعدہ یسرنا القرآن مکمل طور پر سنا دیا۔اس کے بعد اس سے قرآن کریم سننا شروع کیا اور ساتھ ہی سکول کا قاعدہ بھی لے آیا۔چنانچہ عزیزم محمود نے سکول کے دو قاعدے بھی پڑھ لئے اور ساتھ ہی قرآن کریم بھی لگ بھگ اڑھائی ماہ میں ختم کرلیا۔اسی دوران اس نے نماز سادہ بھی یاد کرلی اور 100 تک گنتی کے ساتھ ساتھ ہندسے بھی سیکھ لئے۔اس کے علاوہ جمع تفریق کرنا بھی سیکھ گیا۔چھٹیوں کے بعد امتحان دلا کر اسے دوسری جماعت میں داخل کروا دیا گیا۔اللہ کے فضل سے عزیزم محمود کافی ذہین تھا

لیکن بدقسمتی سے سکول میں اسے ٹھیک طرح سے توجہ کے ساتھ پڑھایا نہیں جاتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ سکول میں کچھ بھی سیکھ نہیں پا رہا تھا۔ چنانچہ میں اسے اس وجہ سے اپنے ساتھ لے گیا تھا اور چار ماہ اپنے ساتھ رکھا جس سے وہ بہت کچھ سیکھ گیا تھا۔ جب عزیزم محمود میرے پاس پڑھنے کی غرض سے گیا تھا تو ایک کلاس خدام اور اطفال کی قاعدہ یسرنا القرآن ختم کر کے قرآن سنانے لگی تھی۔ وہ تو صرف دو تین رکوع روزانہ پڑھتے تھے۔ عزیزم محمود سے دو تین بار سبق سنا جاتا تھا اور وہ روزانہ نصف پارہ تک سبق سنانے لگا۔ خدام اطفال کی کلاس 12 واں پارہ سنا رہی تھی کہ محمود نے قرآن کریم اللہ کے فضل سے مکمل کر لیا۔ اس پر صدر صاحب ڈاکٹر محمد نواز صاحب نے کہا کہ عزیزم محمود تو بڑے لڑکوں کی نسبت اس طرح قرآن کریم جلدی پڑھ گیا ہے کہ جس طرح کہ ٹرکوں کے پاس سے کار تیزی سے گزر جائے۔ ساری جماعت کے لوگ عزیزم محمود سے بہت پیار کرتے تھے اور کہتے کہ یہ بہت اچھا بچہ ہے۔ اس حوصلہ افزائی کا فائدہ یہ ہوا کہ عزیزم نے بھی ایسے کام شروع کر دیئے کہ جس سے لوگ اسے اچھا کہیں۔ اس وجہ سے اللہ کے فضل سے وہ اچھا انسان بنتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے اچھا رہنے اور اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے، اسے خادم دین بنائے اور پاکیزہ رزق عطا فرمائے۔ نیز اس کی اولاد کو نیک خادم دین بنائے۔ آمین چک نمبر 563 گ۔ب میں ایک فرد نے ترجمۃ القرآن اور 32 افراد نے قرآن کریم ناظرہ مکمل کیا تھا۔

## والد صاحب کی اندوہناک وفات

میں ابھی چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد میں ہی تھا کہ والد صاحب کی بھی وفات ہوگئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون والد صاحب احمدی نہیں ہوئے تھے۔ وہ زمیندارہ کرتے تھے۔ سکول پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ قرآن کریم ناظرہ پڑھا ہوا تھا اسی کی برکت سے اُردو اور پنجابی کتب پڑھ لیا کرتے تھے۔ پنجوقتہ نماز کے عادی اور تہجد گزار تھے۔ جب



سے میں نے ہوش سنبھالا تھا ان کو باقاعدگی سے نماز ادا کرتے اور نماز تہجد کے بعد سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے دیکھا جو کہ ان کو زبانی یاد تھی۔ طبیعت میں سادگی اور بہت شرافت تھی۔ احمدیت کے مخالف نہ تھے۔ جب میں نے احمدیت قبول کی تھی اپنے خاندان میں سب سے پہلے انہیں کو ہی دعوت الی اللہ کی تھی۔ اس پر انہوں نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں کچھ نہیں کہتا مگر لوگوں کو نہ بتانا کہ میں احمدی ہو گیا ہوں ورنہ وہ تمہاری مخالفت کرینگے۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ بہر حال جب میری مخالفت زیادہ ہوگئی تو انہوں نے کہا کہ تم ربوہ چلے جاؤ۔ جب میں ربوہ آیا تو وہ ایک مرتبہ میرے پاس بھی آئے تھے۔ میں نے انہیں دارالضیافت اور بہشتی مقبرہ کی زیارت کروائی۔ انہوں نے بیت المبارک میں باجماعت نماز ادا کی تھی۔ اس کے بعد جب میں ان کو ربوہ آنے کی دعوت دیتا تھا تو وہ کہہ دیتے تھے کہ تم مجھے احمدی کر لو گے۔

والد صاحب 1988ء میں فوت ہوئے۔ جب بیماری زیادہ بڑھ گئی تو انہوں نے مجھے گاؤں بلوا بھیجا تھا۔ چونکہ میں ان کا بڑا بیٹا تھا اس لئے وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی زندگی میں ہی میں ان کے پاس گاؤں پہنچ گیا۔ ان کو ٹائیفائڈ بخار تھا۔ بخار کی شدت کی وجہ سے وہ بول نہ سکتے تھے۔ وہ مجھے بھی کچھ کہنا چاہتے تھے اور کہنے کی کوشش بھی کی لیکن مجھے سمجھ نہ آئی۔ اس پر میں نے انہیں کہا کہ آپ تکلیف نہ کریں کیونکہ بات کی سمجھ نہیں آرہی۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ دوسرے دن میرے والد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بوقت وفات ان کے پاس میرا صرف ایک بھائی گھر پر تھا جبکہ باقی دو بھائی جو فوج میں تھے گھر پر نہ تھے۔ والد صاحب کی وفات میرے لئے بہت آزمائش تھی۔ وہ احمدی نہ تھے اس وجہ سے میں ان کا جنازہ نہ پڑھ سکتا تھا۔ سب خاندان کے لوگ اکٹھے تھے۔ جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ سے والد صاحب کی جائیداد کا جھگڑا پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ کیونکہ سب بھائی غیراز جماعت تھے۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ نواز نے اپنے والد کا چونکہ جنازہ نہیں پڑھا اس لئے یہ اس

جائیداد کا حقدار کیسے ہوسکتا ہے۔ لیکن میں نے اس چیز کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے والد صاحب کا جنازہ غیر از جماعت کے پیچھے نہیں پڑھا لیکن جنازے کے پاس کھڑا رہا۔ سب رشتہ دار یہ دیکھتے رہے۔

جنازہ کے وقت چھوٹے بھائی جو فوج میں تھے وہ بھی موجود نہ تھے۔ وہ ملازمت کی وجہ سے گاؤں میں موجود نہ تھے۔ ان کا بہت انتظار کیا گیا۔ وہ آدھی رات کو اس وقت گھر پہنچے جب تدفین ہو چکی تھی۔ بدقسمتی سے وہ والد صاحب کا آخری دیدار بھی نہ کر سکے تھے۔ میں نے انہیں آتے ہی کہہ دیا تھا کہ میں فاتحہ خوانی کے لئے نہیں بیٹھوں گا کیونکہ ہمارے عقیدہ میں فاتحہ خوانی جائز نہیں ہے۔

## سرداری کی پگڑی بھائی کو دے دی

لوگ والد صاحب کی فاتحہ خوانی کے لئے ارد گرد سے آنے لگے اور افسوس کرتے رہے لیکن میں فاتحہ خوانی میں ہرگز شامل نہ ہوا۔ اس وجہ سے لوگ کہتے رہے کہ اچھا مذہب ہے جو والد کی فاتحہ خوانی سے بھی روکتا ہے۔ جس کا تسلی بخش جواب دیا جاتا رہا۔ ہمارے خاندان میں رواج ہے کہ والد کی وفات کے بعد بڑے بیٹے کے سر پر پگڑی پہناتے ہیں کہ اب والد کی جگہ یہ سردار ہے۔ چنانچہ پگڑی پہنانے کے لئے خاندان میں چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں کہ پگڑی کس کو پہنائی جائے؟ بعض رشتہ داروں نے کہا کہ بڑے بیٹے کے سر پر پگڑی پہنائی جائے جبکہ بعض کا کہنا تھا کہ وہ تو مرزائی ہے۔ اس کے سر پر پگڑی نہیں پہنانی چاہیے کیونکہ اس نے نہ تو اپنے والد کا جنازہ پڑھا ہے اور نہ ہی ان کی فاتحہ خوانی میں حصہ لیا ہے۔

میرے بھائیوں نے رشتہ داروں سے کہا کہ یہ پگڑی ہمارے بڑے بھائی کے سر پر پہنائی جائے۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ ایک بار ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی کرے تو پگڑی اس کے سر پر پہنا دی جائے گی۔ چنانچہ میرے بھائی میرے پاس آئے اور کہا کہ بھائی جی سورۃ فاتحہ تو آپ نماز میں بھی پڑھتے ہیں اور فاتحہ خوانی میں سورۃ فاتحہ ہی پڑھی جاتی ہے۔ یہاں



پگڑی پہنانے کا مسئلہ ہے اس لئے لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ ایک بار فاتحہ خوانی کر دیں تو پگڑی آپ کو پہنا دی جائے کیونکہ آپ ہی اب گھر میں بڑے ہو۔ میں نے کہا کہ پگڑی پہنانا اول تو یہ ایک رسم ہے۔ دوسرے میں فاتحہ خوانی نہیں کرونگا اور نہ ہی میں اسے جائز سمجھتا ہوں۔ میرے علاوہ آپ بھائیوں میں سے اگر کسی کے سر پر پگڑی پہنائی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر آپ نے میرے عزت کرنی ہے تو پگڑی کے بغیر بھی کرو گے لیکن اگر عزت نہیں کرنی تو پگڑی باندھ کر بھی نہ کرو گے۔ پگڑی میرے چھوٹے بھائی محمد ریاض کے سر پر پہنا دو مجھے کوئی ناراضگی نہیں ہوگی۔ چنانچہ پگڑی میرے چھوٹے بھائی کے سر پر پہنا دی گئی۔ والد صاحب کی وفات پر جو خرچہ ہوا اس میں میں ضرور شامل ہوا لیکن باقی رسموں مثلاً ساتواں چہلم اور فاتحہ خوانی میں ہرگز شامل نہ ہوا۔ میں نے اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہ کی کہ مجھے والد صاحب کی جائیداد سے بے دخل کر دیا جائیگا۔ مجھے اللہ نے اپنے عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔ باوجود اس کے کہ میرا خاندان احمدی نہیں تھا اور مخالفت کی وجہ سے مجھے گھر سے نکال دیا گیا تھا۔ میں اپنے عقیدہ پر قائم رہا اور کسی بدرسم میں شامل نہ ہوا۔ میں نے احمدیت کو ترجیح دی اور اس پر قائم رہا۔ میرے بھائیوں نے جائیداد کی تقسیم میں کسی قسم کا کوئی جھگڑا نہ کیا بلکہ خود کہا کہ ہم لوگ گاؤں میں رہتے ہیں ضرورت کے مطابق درخت وغیرہ کاٹنے پڑتے ہیں اس لئے بیٹھ کر زمین تقسیم کر لیں۔ چنانچہ میں نے حصے بنائے اور قرعہ کے مطابق زمین تقسیم کر لی اور اپنے اپنے حصہ پر قابض ہو گئے۔ الحمد للہ

## ننکانہ صاحب میں السلام علیکم کہنے پر مقدمہ

یکم جنوری 1989ء کو ناشتہ کرنے کے بعد میں ظفروال اڈہ پر اخبار پڑھنے گیا۔ میں اکثر وہاں اخبار پڑھنے جایا کرتا تھا۔ وہاں ہمارے ایک احمدی خادم کی دوکان بھی تھی۔ میں نے جب اخبار پڑھ لی تو خیال آیا کہ ہمارا ایک احمدی بھائی مجید احمد ننکانہ صاحب ہسپتال میں زیر علاج ہے اس کی تیمارداری کروں۔ چنانچہ وہاں سے خاکسار

بذریعہ سائیکل ننکانہ صاحب ہسپتال پہنچا۔ مریض کی عیادت کی اور کچھ نقدی بھی اسے دی۔ پھر بیت احمدیہ میں گیا۔ وہاں حافظ عبدالرشید صاحب رہتے تھے۔ جو نابینا تھے۔ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد انہوں نے کہا کہ مجھے ملفوظات کے کچھ صفحات پڑھ کر سنائیں تا کہ میرا مطالعہ ہو جائے۔ لہٰذا میں نے ان کو ملفوظات کے کچھ صفحات پڑھ کر سنائے اور اپنے سنٹر چک نمبر 563 گ۔ ب ضلع فیصل آباد روانہ ہوا۔ ننکانہ صاحب شہر سے ابھی میں نکلنے ہی والا تھا کہ ایک مولانا جو چونگی محرر تھا اور اس کا تعلق تحفظ ختم نبوت سے تھا۔ وہ اس تنظیم کا سیکرٹری تھا۔ اس وقت تو مجھے اس بات کا علم نہ تھا لیکن بعد میں پتہ چلا۔ وہ اپنے بازوؤں پر سے کپڑا اٹھاتا ہوا آ رہا تھا۔ جیسا کہ وہ نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنے لگا ہے۔ وہ میرے سامنے آیا اور مسکرایا۔ میں نے سمجھا کہ شاید وہ مجھے بلانے لگا ہے تو میری زبان سے السلام علیکم نکل گیا۔ حالانکہ میں اس کو السلام علیکم کہنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس پر اس نے مجھے کہا کہ آپ ٹھہر جاؤ۔ میں اپنی سائیکل پر جا رہا تھا۔ لہجہ سے معلوم ہوا کہ یہ تو مخالف احمدیت ہے۔ اس وجہ سے میں وہاں اس کے کہنے کے باوجود نہ ٹھہرا بلکہ شہر سے نکل کر اپنی سائیکل تیز کر لی کہ وہ پیچھا کر کے مجھے پکڑ نہ لے۔ یہاں سے 3 کلومیٹر کے فاصلہ پر کوٹ دیال داس جماعت تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہاں پہنچ جاؤں گا۔ مگر انہوں نے میرا پیچھا بذریعہ موٹر سائیکل کرنا شروع کیا۔ ابھی میں ننکانہ صاحب سے صرف دو فرلانگ دور ہی گیا ہوں گا کہ انہوں نے مجھے آ گھیرا اور کہا کہ تم قادیانی ہو؟ میں نے کہا کہ میں احمدی ہوں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو نے مجھے السلام علیکم کیوں کہا۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ میں نے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق السلام علیکم کہا۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ السلام علیکم کہہ کر دعا کو پھیلاؤ۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تم قادیانی ہو اور قادیانی تو آرڈیننس کے مطابق غیر مسلم ہیں جو السلام علیکم نہیں کہہ سکتے۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر میں نے غلطی کی ہے تو میرا سلام واپس کر دیں۔ انہوں نے مجھے واپس ننکانہ صاحب



چلنے کو کہا۔ میں نے کہا کہ میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اس پر ایک آدمی نے میرے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ جس پر مجھے پہلے تو شدید غصہ آیا اور قریب تھا کہ وہاں پڑا ہوا اینٹ کا ایک ٹکڑا میں اس کو دے مارتا لیکن پھر خیال آیا کہ چوہدری محمد انور حسین صاحب کی طرف سے پیغام آیا ہے کہ مخالف لوگ ننکانہ صاحب سے احمدیت کے خلاف تحریک چلانا چاہتے ہیں اس لئے تمام احمدی محتاط رہیں۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے یہاں اینٹ کا ٹکڑا مخالف آدمی کو دے مارا اور وہ مر گیا تو مولوی احمدیوں کے خلاف تحریک چلائیں گے۔ چنانچہ میں نے اپنا ارادہ فوری طور پر بدل دیا اور اینٹ کا ٹکڑا چھوڑ دیا۔ اتنے میں ننکانہ صاحب شہر کی طرف سے آنے جانے والے لوگ یہ دیکھ کر وہاں اکٹھے ہو گئے اور وہ پوچھنے لگے کہ کیوں اس شخص کو پکڑ رکھا ہے؟ اس پر میں نے کہا کہ میں احمدی ہوں اور میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے انہیں السلام علیکم کہا ہے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ یہ بھی کوئی بات ہے۔ جس پر ان مخالف لوگوں نے یہ کہا کہ قادیانی غیر مسلم ہیں اور اب آرڈیننس پاس ہو چکا ہے کہ یہ کسی کو السلام علیکم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس نے السلام علیکم کہہ کر آرڈیننس کی خلاف ورزی کی ہے لہٰذا یہ مجرم ہے۔

لوگوں نے بہت روکا اور کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ لیکن وہ پکا ارادہ کر کے آئے تھے کہ مقدمہ ضرور کروانا ہے۔ لوگوں کو یہ بہانہ لگایا کہ اگر یہ واپس ہمارے ساتھ جائے تو ہم اسے چھوڑ دیں گے۔ اس پر لوگوں نے مجھے کہا کہ آپ ان کے ساتھ واپس ننکانہ صاحب چلے جائیں یہ آپ کو چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ میں ان کیساتھ واپس اسی جگہ چلا گیا جہاں السلام علیکم کہا تھا۔ بعض افراد نے کہا کہ اب اس کو چھوڑ دو لیکن انہوں نے فون کر کے تنظیم ختم نبوت کے صدر اور کچھ اور آدمیوں کو بھی بلا لیا۔ انہوں نے آتے ہی مجھے مارنا شروع کر دیا۔ انہوں نے مجھ پر اتنا تشدد کیا کہ میں بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو مجھے کسی آدمی کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا کہ اسے مارو نہیں یہ مر جائے گا۔ اسے تھانہ میں لے جاؤ۔ میں نے یہ آواز سن کر کہا کہ مجھے مارتے کیوں ہو۔ مجھے تھانہ میں دے دو۔ انہوں نے کہا چلو ہم تمہیں تھانہ میں دے

دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک آدمی نے میرا گریبان پکڑ لیا اور تھانہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں قریباً دوسو افراد اکٹھے ہو گئے۔ کچھ مرد و زن مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر یہ سب دیکھ رہے تھے۔ میں پریشان اور نادم تھا کہ یہ لوگ کیا خیال کر رہے ہوں گے کہ اس داڑھی والے آدمی کو لوگ نا جانے کیوں اس طرح سے مار رہے ہیں۔ ضرور اس نے کوئی بہت برا کام کیا ہوگا۔ جب کوئی آدمی ان مخالفین اور تشدد کرنے والوں سے پوچھتا کہ آپ لوگ اس کو کیوں مار رہے ہو تو میں ان کے جواب سے پہلے ہی بلند آواز میں کہتا کہ میں احمدی ہوں۔ یہ لوگ مجھے اس لئے مار رہے ہیں کہ میں نے انہیں السلام علیکم کہا ہے۔ اس پر مارنے والے لوگ کہتے کہ ایسا نہ بتاؤ کیوں لوگ میری یہ بات سن کر کہتے کہ اس جرم میں مار رہے ہو! یہ کون سا ایسا جرم ہے؟ ایک آدمی نے میری پشت پر چھڑی ماری۔ میں نے غصہ سے پیچھے دیکھا تو ایک بہت گندے کپڑوں والا غلیظ آدمی کھڑا ہے۔ میں نے کہا کہ تم جیسے لوگوں کو بھی مارنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ اس وقت مجھے کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر آپ لوگ مجھے کافر سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان تو کیا حضور نبی کریم ﷺ لوگوں کو مار کر مسلمان کیا کرتے تھے؟ وہ تو لوگوں کو تبلیغ کیا کرتے تھے۔ جس کا دل چاہتا وہ اسلام قبول کر لیتا تھا۔ اگر آپ نے مجھے مسلمان بنانا ہے تو مجھے تبلیغ کریں۔ اگر میرے دل نے آپ کی بات کو قبول کیا تو میں آپ کا اسلام قبول کر لوں گا۔ جس پر وہ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے لگے کہ یہ باتیں مرزا نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے تو آج تک ایسی باتیں ان کی کسی کتاب میں نہیں پڑھی۔ میں ان کی چالیس سے زائد کتب پڑھ چکا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ یہ پکا کافر ہے۔ یہ اس طرح سے ہماری بات نہیں مانے گا۔ اس کو کار میں ڈالو اور نہر پر جا کر اس کی ٹانگیں توڑ کر اس کو نہر میں پھینک دو۔ قریب ہی ایک کار کھڑی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے کار میں پچھلی سیٹ پر بٹھا لیا اور میرے دونوں طرف دو نوجوان بیٹھ گئے۔ دونوں نے میری گردن پر ہاتھ رکھ لئے۔ ایک

۵۶۰

ابتدائی اطلاعی رپورٹ نسبت جرم قابل دست اندازی پولیس رپورٹ شدہ زیر دفعہ ۱۵۴ مجموعہ ضابطہ فوجداری

نمبر مقدمہ ۱ تھانہ ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ تاریخ و وقت وقوعہ ۱/۱/۸۹ ۴ بجے شام

| | | |
|---|---|---|
| ۱ | تاریخ و وقت رپورٹ ۱/۱/۸۹ ۶/۴۵ بجے شام رپٹ ۲ | ۶ تھانہ سے روانگی کی تاریخ و وقت |
| ۲ | نام و سکونت اطلاع دہندہ و مستغیث | درخواست رانا ظفر عباس ولد میاں محمد اسحٰق ساکن وارڈ نمبر ۵ ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ مرسلہ محمد احمد ASI چوکی ننکانہ صاحب |
| ۳ | مختصر کیفیت جرم (معہ دفعہ) و مال اگر کچھ کھویا گیا ہے | C-۲۹۸ ت پ |
| ۴ | جائے وقوعہ و فاصلہ تھانہ سے اور سمت | ۳ فرلانگ جنوب مغرب |
| ۵ | کارروائی متعلقہ تفتیش اگر اطلاع درج کرنے میں کچھ توقف ہوا ہو تو اس کی وجہ بیان کی جاوے۔ | حسب آمدہ درخواست مقدمہ درج ہوا |

دستخط غلام علی عہدہ ASI

بخدمت جناب انچارج چوکی پولیس ننکانہ صاحب۔ جناب عالی گزارش ہے کہ صدارتی آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۴ء کی رو سے کوئی قادیانی اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتا اور کسی طریقہ سے اپنی کسی بھی حرکت سے خود کو مسلمان ظاہر نہیں کر سکتا اور نہ ہی شعائر اسلامی اختیار کر سکتا ہے۔ آج مورخہ ۱/۱/۸۹ بروز اتوار ۴ بجے شام بمقام چوک پرانا ننکانہ صاحب بچیانہ روڈ کے قریب ایک قادیانی محمد نواز ولد محمد حسین ساکن چک ۵۹۳ گ۔ب میرے پاس آیا۔ اس وقت میرے پاس محمد اکرم خاں۔ محمد قدیر شہزاد۔ شوکت علی شاہد موجود تھے مجھے السلام علیکم کہا میں نے جواباً کہا کہ تم قادیانی ہو اور تم مجھے السلام علیکم نہیں کہہ سکتے ہو۔ اس پر اس نے کہا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ ہمارے مولویوں کی لڑائی ہے اور پھر اپنے مذہب کی صداقت کرنے لگا جس پر میرے اور میرے قریب لوگوں کے جذبات بے حد مشتعل ہوئے اس پر قادیانی مجھ سے جھگڑا کرنے لگا اور سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتا رہا۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس قادیانی کے خلاف صدارتی آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۴ء کی خلاف ورزی کرنے پر مقدمہ درج کیا جاوے نوازش ہوگی۔ عرضے ظفر عباس ولد میاں محمد اسحٰق وارڈ نمبر ۵ ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ دستخط انگریزی ظفر عباس مذکور ۱/۱/۸۹

کارروائی پولیس از چوکی:۔ اس وقت ظفر عباس ولد محمد اسحٰق ساکن وارڈ نمبر ۵ ننکانہ صاحب نے درخواست حاضری چوکی میرے پیش کی ہے۔ مضمون درخواست سے صورت جرم C-۲۹۸ تعزیرات پاکستان پائی جاتی ہے لہٰذا درخواست ہذا بغرض قائمی مقدمہ بدست سپردعلی ۴۹۳/ح ارسال تھانہ ہے۔ نمبر مقدمہ درج رجسٹر کرکے نمبر مقدمہ سے اطلاع دی جاوے۔ میں مصروف تفتیش ہوں موقعہ پر جا رہا ہوں۔ دستخط محمد احمد ASI چوکی ننکانہ صاحب ۱/۱/۸۹۔ از چوکی ننکانہ صاحب ۶/۱/۲ بجے شام از تھانہ۔ اس وقت درخواست منجانب ظفر عباس متذکرہ بالا مرسلہ محمد احمد ASI چوکی ننکانہ صاحب بغرض قائمی مقدمہ بدست سپردعلی ۴۹۳ تھانہ موصول ہوا۔ جس پر رپورٹ ابتدائی بعد الجبرہ مذکور مرتب کر کے اصل درخواست معہ نقل FIR بغرض تفتیش بدست آرندہ کانسٹیبل بحق ASI صاحب ارسال ہے۔ جناب SHO صاحب کو اطلاع وقوعہ ہذا دی جا رہی ہے۔

غلام علی ASI محرر تھانہ ننکانہ صاحب ۱/۱/۸۹

آدمی نے میری داڑھی کے بال نوچنے کی کوشش کی لیکن داڑھی کے بال چھوٹے ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ نہ آئے۔ میں نے دل میں کہا احمدی اچھے ہیں جو لمبی داڑھیاں نہیں رکھتے۔ اگر آج میری بھی لمبی داڑھی ہوتی تو یہ میری داڑھی کے سارے بال نوچ لیتے۔ جب گاڑی ننکانہ صاحب کے تھانہ صدر پہنچی تو وہاں تھانے دار موجود نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے تھانہ کے قریب کار کھڑی کر دی۔ میں نے سمجھا شاید کار خراب ہوگئی ہے اور میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کار خراب ہوگئی ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہاں کار خراب ہوگئی ہے۔ جس کار پر قادیانی کافر بیٹھیں وہ کاریں خراب ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ مجھے ریلوے لائن کے قریب لے گئے۔ وہاں جا کر مجھے پھر مارنا شروع کر دیا۔ وہاں کوئی آدمی بھی قریب قریب نہ تھا۔ پہلے تو لوگ قریب تھے تو وہ انہیں تشدد سے روکتے تھے۔ پھر وہ مجھے مارتے ہوئے ریلوے اسٹیشن کے پاس سے گزرتے ہوئے بازار میں لے گئے جہاں سے ہماری احمدیہ بیت الذکر بھی قریب تھی۔ مجھے خیال آیا کہ میں بیت احمدیہ کی طرف جاؤں تا کہ جماعت کے کسی آدمی کو پتہ چل جائے کہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ لیکن وہ مجھے کھینچ کر پولیس چوکی کی طرف لے گئے اور پیچھے سے دھکا دیا اور میں پولیس چوکی کے اندر جا کر گرا۔ مجھے علم نہ تھا کہ یہاں پولیس چوکی بھی ہے۔ جب میں نے پولیس کے سپاہی دیکھے تو میں نے پڑھا الحمد للہ۔ پولیس نے پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ میں احمدی ہوں۔ میں نے انہیں السلام علیکم کہا ہے۔ انہوں نے مجھے مار مار کر بیہوش کر دیا اور مجھے بہت خطرہ تھا کہ قریب ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ہی دیں گے۔ لیکن میں نے جب آپ لوگوں کو دیکھا تو میں نے پڑھا الحمد للہ کہ اب میں پولیس کے پاس محفوظ ہوں۔ امید ہے آپ مجھے ان لوگوں سے بچائیں گے۔

### سنت یوسفی میں قید ہو جانا

پولیس کے تھانے دار نے میری بات سن کر ان لوگوں کو کہا۔ اب اس کو چھوڑ دو یہ اپنے گھر جائے۔ اس وقت

سورج غروب ہو چکا تھا۔ پولیس نے کہا کہ آپ لوگوں نے اس کو مار پیٹ لیا ہے۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اب اس کو اپنے گھر جانے دو۔ وہ کہنے لگے۔ کہ ہم اس پر مقدمہ کریں گے۔ اس نے آرڈی نینس C-298 کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس نے ہم کو السلام علیکم کہا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے۔ اس پر C-298 کے تحت مقدمہ ہو سکتا ہے۔ پولیس نے پھر تردّد کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ پرچہ نہیں لکھیں گے۔ ہم جلوس نکالیں گے اور آپ کی چوکی کو جلا دیں گے۔ پولیس نے مجھے ہتھکڑی لگا کر ایک کمرہ میں ایک چارپائی کے ساتھ باندھ دیا اور میرے خلاف پرچہ لکھا۔ پرچہ مکمل ہونے کے بعد میرے پاس ایک سپاہی آیا۔ اور اس نے مجھے کہا۔ کہ آپ ہمیں اپنے کسی رشتہ دار کا نام بتائیں۔ ہم ان کو جا کر اطلاع دیں۔ میں نے کہا ہمارا تو کوئی احمدی رشتہ دار نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر ہم آپ کے متعلق کس کو اطلاع دیں۔ میں نے کہا۔ ننکانہ صاحب میں بھی ہماری جماعت کے آدمی ہیں کسی کو بتا دو۔ پولیس کا کوئی آدمی بیت الذکر گیا۔ اور انہوں نے بتایا کہ تمہاری جماعت کا آدمی پولیس چوکی میں آیا ہے۔

یہ خبر سن کر دو خادم میرے پاس چوکی میں آئے اور میں نے ان کو بتایا کہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے اور اپنا بتایا اور کہا کہ میں چک 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد کے علاقہ میں معلم ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جو چارہ ہم کر سکتے ہیں کریں گے۔ وہ چلے گئے۔ انہوں نے چوہدری محمد انور حسین صاحب امیر ضلع شیخوپورہ کو بھی فون پر اطلاع دی۔ اور فیصل آباد کے امیر محترم محمد احمد صاحب مظہر کو بھی اطلاع دی۔ اسی طرح مرکز میں بھی اطلاع دی۔ اور پرچہ خارج کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ دوسری طرف سپیکروں سے اعلان آنے شروع ہو گئے کہ تحفظ ختم نبوت کے نمائندگان اکٹھے ہو جائیں ایک اہم واقعہ ہے۔ میں نے اعلان سن کر۔ دل میں سوچا کہ یہ لوگ پرچہ خارج نہیں ہونے دیں گے۔ میں نے تیمّم کیا اور ہتھکڑی لگے ہوئے مغرب وعشاء کی نماز ادا کی۔ اور خدا تعالیٰ کو کہا کہ میں تو ایسے کاموں



سے ہمیشہ بچتا رہا ہوں۔ جن کاموں سے لوگوں کو ہتھکڑیاں لگتی ہیں۔ یہ جرم تو تیرے دین کی خاطر ہم پر بنا دیئے گئے ہیں۔ اب تو ہی مجھے طاقت بخشنے والا ہے۔ میری مدد فرما۔ آمین۔ جنوری کی پہلی تاریخ تھی۔ بارش کی وجہ سے بہت سردی تھی۔ اور میرے پاس کوئی چادر بھی نہیں تھی۔ پولیس نے جب دیکھا کہ سردی بہت ہے۔ ایک آدمی آیا اور اس نے مجھے کمبل دیا کہ سردی بہت ہے۔ آپ اپنے اوپر اوڑھ لیں۔ میں نے کمبل سے اپنے جسم کو ڈھانپ لیا۔ خادم روٹی لائے۔ ہتھکڑی لگے ہوئے کھائی۔ جب رات کے دس بجے۔ چوکی پولیس نے مشورہ کیا کہ یہاں ساری رات اس کو ہتھکڑی لگی رہے گی۔ اور سخت تکلیف ہوگی۔ اس کو تھانے میں لے جا کر حوالات میں بند کر دیا جائے۔ انہوں نے ایک ٹانگہ منگوایا جس پر بیٹھا کر مجھے تھانہ میں لے گئے۔ جب میں تھانے میں پہنچا تو تھانیدار اور کچھ سپاہی تھانہ میں بیٹھے تھے۔ میں وہاں جا کر ان کو السلام علیکم نہیں کہا تھا۔ کہ پہلے ہی مجھ پر السلام علیکم کا مقدمہ کر دیا گیا ہے۔ اب پولیس کو بھی السلام علیکم کہوں۔ تو کہیں گے کہ اب بھی السلام علیکم کہنے سے باز نہیں آتا۔

## تھانیدار کی تاریخی نصیحت

تھانیدار نے مجھے دیکھ کر کہا کہ وہاں کرسی پر بیٹھ جائیں اور کہا کہ آپ ہم کو بے شک السلام علیکم کہیں۔ ہم آپ کو کچھ نہیں کہیں گے لیکن ان مولویوں کو السلام علیکم کہنا چھوڑ دیں۔ یہ مولوی السلام علیکم کے قابل نہیں رہے۔ اس واقعہ کا ذکر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا۔ تھانیدار نے کہا یہ لعنت کے حقدار ہیں۔ انہوں نے ہمیں بہت تنگ کیا ہوا ہے۔ کوئی نہ کوئی مذہبی مقدمہ لے آتے ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ ایسا نہ کرو تو کہتے ہیں کہ تھانہ جلا دیں گے۔ جلوس نکالیں گے۔ اس لئے ہم کو مقدمات درج کرنے پڑتے ہیں۔ پھر مجھے کہا کہ آپ قرآن کی تلاوت سنائیں۔ میں نے کہا کہ میں نے پیشاب کیا ہے اور استنجہ نہیں کیا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں میرا دل نہیں چاہتا کہ قرآن کی تلاوت کروں۔ پھر انہوں نے مذہبی

اختلافات کے متعلق بعض باتیں پوچھیں۔ میں نے ان کو جواب دیئے۔ بڑے اچھے ماحول میں آدھا گھنٹہ باتیں ہوئیں۔ پھر انہوں نے مجھے حوالات میں ہتھکڑی کھول کر بند کر دیا۔ جب میں حوالات میں داخل ہوا اور بھی کچھ قیدی تھے ان کو السلام علیکم کہا۔ وہاں لیٹرین بھی تھی اور پانی بھی تھا۔ میں نے نماز تو پہلے تیمّم سے پڑھ لی تھی۔ لیکن خیال آیا کہ پانی مل گیا۔ وضو کر کے دوبارہ پڑھ لیتا ہوں میں نے وضو کر کے نماز مغرب وعشاء پڑھنا شروع کیں۔ وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہ کیسا قیدی آیا ہے۔ آتے ہی اس نے نماز پڑھنا شروع کر دی ہے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کہنے لگے۔ آپ بڑے نیک اور اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ سے کوئی قتل تو نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ قتل تو میں نے نہیں کیا میں احمدی ہوں اور ایک مولوی کو السلام علیکم کہا ہے۔ ان نے پہلے تو مجھے مارا پیٹا ہے اور پھر میرے خلاف مقدمہ درج کرایا ہے۔ وہ میری بات سن کر مولویوں کو گالیاں دینے لگے۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کس جرم میں یہاں آئے۔ انہوں نے ایک ٹریکٹر اور کار کی طرف اشارہ کر کے کہا جو قریب کھڑی تھیں کہ ہم اس جرم میں آئے ہیں اور ایک نے کہا کہ میں ہیروئن کے جرم میں آیا ہوں۔

## احباب کا حسن سلوک

ماسٹر رشید احمد قمر صاحب کوچہ احمدیہ ننکانہ صاحب، بستر لے کر آئے۔ انہوں نے خیریت بھی پوچھی اور بستر دے کر چلے گئے۔ کیونکہ وہ لوگ تو کئی بار پہلے بھی حوالات آ چکے تھے۔ اور ان کو ایسی باتوں کا علم تھا۔ میں پہلی بار حوالات میں آیا تھا اور نہ کسی بات کا علم تھا اور نہ یہ علم تھا کہ اب میرے ساتھ کیا کریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد علم ہوا کہ پولیس مجھے وہاں سے نکال کر کہیں لے جانے والی ہے۔ میں نے حوالاتیوں سے پوچھا کہ پتہ نہیں یہ مجھے کہاں لے جائیں گے۔ حوالاتیوں نے کہا شاید آپ پر کوئی ناجائز اسلحہ ڈال دیا گیا ہوگا۔ اور پولیس آپ کو تفتیش کے لئے لے جا رہی ہو۔ یہ بات سن کر میں گھبرا گیا۔ کہ اب پولیس مجھے مار مار کر منوائے گی۔ جب



حوالاتیوں نے دیکھا کہ میں گھبرا گیا ہوں۔ تو وہ کہنے لگے ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ آپ گھبرا گئے ہیں۔ آپ نیک اور سادہ آدمی ہیں۔ ہمارے لیے کوئی بد دعا نہ کر دیں۔ ہم پہلے ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جو مارا پیٹا گیا ہے۔ آپ کے رشتہ داروں نے درخواست دی ہوگی۔ آپ کو پولیس ہسپتال لے کر جائے گی۔ اور آپ کا وہاں سے نتیجہ لیں گے۔

پولیس نے مجھے ایک کار میں جو وہ ختم نبوت کے صدر کی معلوم ہوتی تھی اور وہ بھی ساتھ تھا۔ اس میں بٹھایا۔ اور ہسپتال لے گئے۔ اور پولیس نے مجھے بتایا کوئی ایسی بات نہ کریں۔ یہ اس شخص کی کار ہے جس نے آپ کو مارا تھا۔ بہر حال ہسپتال کے ڈاکٹر نے نتیجہ دفعہ 26 کا دیا اور پولیس نے مجھے دوبارہ لا کر حوالات میں بند کر دیا۔ سردی بہت تھی۔ ساری رات بارش ہوتی رہی جو 10:00 بجے دن کو رُک گئی۔

## احمدی احباب کی محبت کے نظارے

جب بارش تھم گئی اور سورج نکل آیا۔ ارد گرد کی جماعتوں سے چالیس پچاس افراد احمدی تھانہ میں آئے اور جماعت احمدیہ چک 563 گ ب۔ ضلع فیصل آباد کے صدر جماعت مکرم ڈاکٹر محمد نواز صاحب بھٹہ بھی آئے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی احمدی آئے۔ اور وہ کوشش کرنے لگے کہ یہاں ہی ضمانت ہو جائے۔ لیکن ننکانہ صاحب کے مولویوں نے میری ضمانت نہ ہونے دی اور پھر جیل میں بند کرنے کے لیے شیخوپورہ لے جانے لگے۔

ایک پولیس کا سپاہی مجھے کہنے لگا۔ آپ تو رات کو کہتے تھے کہ ہمارا کوئی رشتہ دار احمدی نہیں ہے۔ یہ لوگ کہاں سے آ گئے ہیں۔ میں نے اس کو کہا کہ میں نے تو آپ کو یہ بتایا تھا کہ ہمارا کوئی رشتہ دار احمدی نہیں ہے۔ میں اپنے خاندان سے اکیلا احمدی ہوں۔ یہ لوگ تو ہمارے ہم عقیدہ احمدی بھائی ہیں جن کے ساتھ یہ روحانی رشتہ ہے۔ یہ تو ہمارا ایسا رشتہ ہے کہ اس علاقہ کے لوگ یہ واقعہ سن کر میری مدد کو آئے ہیں۔ اگر مجھے لاہور لے جاؤ گے تو

وہاں کے ہمارے احمدی بھائیوں کو علم ہوگا۔ تو وہ میری مدد کو آئیں گے۔ اگر دنیا کے کسی کنارے پر لے جاؤ گے۔ اگر وہاں ہماری جماعت کے لوگ ہوں گے تو وہ میری مدد کے لئے آئیں گے۔ یہ ہمارا مذہبی رشتہ ہے۔ وہ کہنے لگے۔ کہ آپ لوگوں کی ایک دوسرے کے ساتھ بہت محبت ہے۔ اور ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔

## شیخوپورہ جیل جانا

ننکانہ صاحب میں ہماری جماعت کے افراد نے بہت کوشش کی میری ضمانت ہو جائے۔ لیکن مولویوں نے میری ضمانت نہ ہونے دی۔ اس وجہ سے مجھے شیخوپورہ جیل میں بند کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اور دو سپاہی مجھے ہتھکڑی کے ساتھ ننکانہ صاحب اسٹیشن پر لے گئے اور ماسٹر قمر صاحب مذکور آئے۔ انہوں نے مجھے اپنا کمبل دیا تا کہ سردی سے محفوظ رہ سکوں۔ ننکانہ صاحب سے ہم ریل گاڑی پر جا رہے تھے۔ تو کئی لوگ یہ دیکھ کر کہ داڑھی والا آدمی ہے نیک معلوم ہوتا ہے پتہ نہیں کہ کس جرم میں اس کو گرفتار کیا گیا ہے۔ تو وہ پوچھتے کہ آپ نے کیا جرم کیا ہے۔ تو میں بتاتا تھا کہ میں احمدی ہوں۔ اور میرا جرم یہ ہے میں نے ایک مولوی کو السلام علیکم کہا ہے۔ اور انہوں نے مجھے بہت مارا بھی ہے۔ اور میرے خلاف مقدمہ درج کروادیا ہے۔ میری باتیں سن کر لوگ مولویوں پر بہت افسوس کرتے۔ اور مولویوں کو برا بھلا کہتے۔ ہم شیخوپورہ اسٹیشن پر گاڑی سے اترے اور جیل کی طرف روانہ ہوئے۔ جب جیل کے گیٹ پر پہنچے تو ملک خالد محمود صاحب قائد ضلع شیخوپورہ اور محترم مغفور احمد قمر صاحب مربی ضلع ملے اور خیریت دریافت کی۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم جیل میں ڈپٹی سپریڈنٹ کے پاس جیل میں جارہے ہیں۔ ان کا نام مجید قریشی ہے۔ جب میں جیل میں ڈپٹی کے دفتر میں پہنچا۔ انہوں نے سپاہی کو کہا کہ ہتھکڑی اتارو۔ اور مجھے ایک کرسی پر بیٹھا دیا۔ اور دلاسہ دیا کہ آپ کی بہت قسمت اچھی ہے کہ خدا کے لئے آپ کو مار پڑی ہے۔ ہمیں تو کوئی مارتا نہیں۔ آپ کا نام تو تاریخ میں آجائے گا کہ آپ نے صرف خدا کے دین کی خاطر مار کھائی ہے۔ آپ پریشان نہ



ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ آئے۔ بہرحال قانونی کاروائی ہوگی اور انہوں نے ایک پولیس والے کو بلایا۔ کہ اس کو فلاں جگہ لے جائیں۔ اور قید کے دنوں میں مجھے جیل کے ہسپتال میں رکھا گیا۔ اور کھانا وغیرہ بھی شیخوپورہ کے احمدی احباب بھیجتے رہے اور حضرت صاحب کی طرف سے چوہدری انور حسین صاحب کو فون آیا کہ جلدی رہائی کی کوشش کی جائے۔ چوہدری انور حسین صاحب بھی سخت سردی کے موسم میں دیر تک اپنے دفتر میں تھے اور کوشش کرتے رہے کہ جلدی ضمانت ہو جائے۔ اور مرکزی وفد بھی میری ملاقات کے لئے آیا اور جس دن میری ضمانت پر رہائی ہوئی تھی۔ جماعت کے عہدیداران اور چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد کے احباب بھی تشریف لائے۔ جنہوں نے میرا جیل کے باہر استقبال کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے (آمین)۔ میں 8 دن جیل میں رہا۔ مقدمہ دائر ہونے کے بعد دو ماہ تک تو میں جماعت احمدیہ چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد میں کام کرتا رہا۔ اور فروری کے آخر میں میرا تبادلہ چک 18 بھوڑو ضلع شیخوپورہ کر دیا گیا۔ جماعت احمدیہ چک 563 میں ایک فرد نے ترجمہ قرآن اور 22 افراد نے ناظرہ قرآن کریم ختم کیا۔

## اللہ تعالیٰ کی محبت

چک نمبر 563 گ۔ب ضلع فیصل آباد سے میں اپنا سامان لے کر روانہ ہوا۔ اور سائیکل پر چک نمبر 559 گ۔ب سے وہاں سے مارٹن پور سے گذر کر چک نمبر 7 ضلع شیخوپورہ پہنچا۔ چک نمبر 7 میں ہماری جماعت کا ایک ہی کنبہ ہے جو گاؤں کا نمبردار ہے۔ ان کا نام غلام احمد ہے۔ میں ان کے گھر گیا۔ اور اس کے دروازہ پر جا کر دستک دی۔ گھر والوں نے کہا۔ کہ غلام احمد صاحب تو کھیتوں میں گئے ہیں۔ ہم ان کو گھر بلاتے ہیں۔ بیٹھک میں چار پائیاں پڑی ہیں آپ وہاں جا کر بیٹھیں۔ میں چارپائی پر جا کر بیٹھ گیا۔ کوئی آدمی نہیں تھا۔ ایک چھوٹی سی بچی میرے پاس کھڑی ہوگئی وہ کوئی بات نہ کر سکتی تھی۔ میں اس کے ساتھ پیار کرنے لگا۔ اور پوچھنے لگا کہ

بیٹی آپ کا کیا نام ہے۔ وہ کوئی نام تو بتا نہیں سکتی تھی۔ چھوٹی تھی۔ ایک بار میرے دماغ کی نبض تین بار ہلی اور تین بار زبان سے یہ لفظ جاری ہوئے۔

ثمینہ۔ ثمینہ۔ ثمینہ

میں یہ حالت دیکھ کر حیران ہوگیا۔ کہ کیا بات ہے۔ ایک طرف دماغ کی نبض تین بار حرکت کرتی ہے اور زبان پر ثمینہ ثمینہ جاری ہوا ہے۔ میں نے اس بچی سے پھر پوچھا بیٹی آپ کا نام ثمینہ ہے۔ اس نے اپنا سر ہلا کر جواب دیا۔ جس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ بتاتی ہے کہ میرا نام ثمینہ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑا آدمی آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس بچی کا نام ثمینہ ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ میں نے اس کو سارا واقعہ سنایا۔ کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے دماغ میں ڈالا ہے۔ کہ اس بچی کا نام ثمینہ ہے۔ بہر حال یہ خبر غائبانہ تھی۔ جس کا مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرشمہ تھا جس نے مجھے اس طرح بچی کا نام بتایا۔

## 18 بھوڑو ضلع شیخوپورہ تبادلہ

پھر میں وہاں سے سائیکل سے شاہکوٹ پہنچا اور شاہکوٹ چک نمبر 18 ضلع شیخوپورہ پہنچا۔

چک نمبر 18 بھوڑو بہت بڑی جماعت ہے۔ 70/80 گھرانے آباد ہیں اور ساڑھے سات سو کے قریب احمدی افراد تھے جو سارے گاؤں میں پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے سب گھروں میں جا کر رپورٹ تیار کی۔ پڑھنے والے افراد بہت تھے۔ جو پڑھنے کے قابل تھے۔ نماز فجر کے بعد درس دیا جاتا تھا اور درس کے بعد ان بچوں کی کلاس لگائی جاتی تھی جو سکول پڑھنے والے تھے۔ ناشتہ کے بعد ان بچیوں کی کلاس لگائی جاتی تھی۔ جو سکول نہیں پڑھتی تھیں۔ اور ان کے گھروں کے نزدیک کلاس لگائی جاتی تھی۔ جو بچے بچیاں نماز فجر کے بعد بیت الذکر میں پڑھتی ان کی تعداد ایک سو سے زائد تھی۔ اور پڑھانے والا میں اکیلا تھا۔ اتنے بچوں کو سنبھالنا بھی مشکل تھا۔ بڑی عمر کی بچیاں جنہوں نے ترجمہ قرآن پڑھنا شروع کیا ان کی تعداد پنتالیس تھی۔ جب میں نے انہیں ترجمہ قرآن پڑھانا شروع کیا تو ان کا



ناظرہ بھی درست نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر ان کو کہا گیا کہ پہلے قاعدہ یسرنا القرآن پڑھو اور پھر ناظرہ قرآن پڑھو تو یہ بچیاں پڑھنے نہیں آئیں گی۔ کہیں گی کہ ہم اتنی بڑی ہیں اب ہم پھر قاعدہ پڑھنے لگیں۔ میں نے کہا بیٹیو بات یہ ہے کہ میں نے آپ کو قرأت کے ساتھ قرآن کریم پڑھانا ہے۔ آپ کو ترجمہ قرآن کے ساتھ۔ قاعدہ یسرنا القرآن بھی پڑھایا جائے گا۔ آپ قاعدہ یسرنا القرآن بھی ساتھ لایا کریں۔ پنتالیس لڑکیوں کو روزانہ قاعدہ یسرنا القرآن پڑھانا شروع کیا اور ان سے تلاوت بھی کرائی جاتی تھی۔ اور ترجمہ قرآن کا سبق بھی دیا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ نماز ناظرہ اور نماز ترجمہ کا سبق اور دعائیں بھی سکھاتا رہا۔ کیونکہ مجھے ہمیشہ سے بہت شوق تھا۔ بچوں کو پڑھانے کا اور جماعت کی تعلیم و تربیت کا۔ اور پھر گھروں میں بھی چکر لگائے جاتے تھے۔ جو لوگ نمازوں میں سست ہوتے ان کو گھروں سے بلایا جاتا۔ اور بچوں کو گھروں سے لانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اور جماعت بہت بڑی تھی۔ اور میں ہر وقت دینی کاموں میں لگا رہتا تھا۔ اور یہ کام میری طاقت سے زیادہ تھا۔ اور میری طبیعت ایسی تھی کہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ کہ کوئی بچہ پڑھنے نہ آئے۔ زیادہ کام کی وجہ سے میرے دماغ کو درد شروع ہوگئی۔ اور تھکاوٹ کی وجہ سے ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ شاید دماغ فیل ہو جائے لیکن میں بچوں کو پڑھانے میں لگا رہتا۔ بہر حال بھوڑو چک نمبر 18 میں 8 ماہ تک رہا۔ کیونکہ جماعت میں کوارٹر تھا اور فیملی ساتھ رکھی جا سکتی تھی۔ میں اپنے ساتھ بیوی بچے نہیں رکھ سکتا تھا۔ اکیلا رہتا تھا۔ اس وجہ سے یہاں سے میرا تبادلہ کر دیا گیا اور ایسے معلم کو بھیجا گیا جو اپنے ساتھ بیوی بچے رکھتا تھا اور میرا تبادلہ چک نمبر 18 بھوڑو ضلع شیخوپورہ سے جماعت احمدیہ گجر ضلع شیخوپورہ کر دیا گیا۔

## گجر ضلع شیخوپورہ تبادلہ

چک نمبر 18 سے میں نے اپنا بوریہ بستر سائیکل پر لادا اور گجر روانہ ہوگیا۔ گجر پہنچ کر چوہدری محمود احمد صاحب پٹواری کی بیٹھک میں رہائش اختیار کی۔ کیونکہ گجر جماعت میں معلم ہاؤس نہیں تھا۔ پہلی بار میرے

ذریعے یہ سنٹر کھلا تھا۔ میں نے وہاں جاکر تعلیم وتربیت کا کام شروع کیا۔ بیت الذکر میں بھی کلاس لگائی جاتی تھی۔ بڑی بچیوں کو گھروں میں جاکر پڑھایا جاتا تھا۔ اور احباب جماعت کو معلم ہاؤس بنانے کی تحریک کی اور روپے اکٹھے کئے گئے۔ چھ ماہ کے بعد ایک کمرہ بیت الذکر کے عقب میں تیار کیا گیا اور گجر جماعت کے علاوہ سچا سودہ بھی جاکر بچوں کی کلاس لیتا تھا۔ سچا سودا موضع گجر سے 9 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اس کے علاوہ ڈیرہ داد پوترے ایک ہفتہ کے بعد پڑھانے جاتا تھا۔ وہاں لجنات سے کلاس لگوائی تھی۔ وہ بچوں اور بچیوں کو پڑھاتی تھیں اور میں ہفتہ کے بعد ان سے سبق سنتا تھا اور لجنات کو ایک ہفتہ کے لئے۔ ترجمۃ القرآن لکھ کردے آتا تھا اور ہفتہ کے بعد سبق ناظرہ قرآن سے سنتا تھا۔ اس طرح دو احمدی خواتین نے تین پارے ترجمہ سیکھا۔ اس کے علاوہ کوٹ سوہندا اور ڈیرہ ڈوگراں تک ہفتہ میں ایک بار دورہ کرتا رہا۔

جماعت احمدیہ گجر میں ہی رہتا تھا کہ مجھے علم ہوا کہ میرے بعد جب میرا تبادلہ چک نمبر 563 ضلع شیخوپورہ سے ہو چکا تھا۔ وہاں مقدمہ کیلئے سمن گئے جس کی مجھے اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے میں تاریخ پر نہیں جاسکا تھا۔ جس وجہ سے عدالت نے میری ضمانت منسوخ کردی گویا مجھے اشتہاری قرار دے دیا گیا کہ جہاں بھی پایا جائے گرفتار کرلیا جائے کیونکہ ضمانت کے بعد میرا تبادلہ ہوگیا اور میں عدالت میں حاضر نہ ہوسکا تھا مجھے اس بات کا علم ہوا۔ تو میں نے ننکانہ صاحب میں رہنے والے احمدیوں کو کہا۔ کوشش کر کے میری حاضری لگوائی جائے۔ کسی نہ کسی طرح کوشش کی جائے۔ اور میرے مقدمے کا فیصلہ ہو جائے۔ میں کس طرح چھپتا پھروں۔ کیونکہ مجھے کہا گیا تھا کہ ننکانہ کی طرف نہ آئیں۔ آپ کی ضمانت منسوخ ہوگئی ہے اور پولیس آپ کو پکڑ لے گی۔ تو ننکانہ صاحب کے ایک احمدی نے کہا کہ آپ ننکانہ صاحب آجائیں ہم کسی نہ کسی طرح آپ کی حاضری لگوانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن یہ خیال رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ پولیس آپ کو پکڑ کر جیل میں بند کردے۔



میں بڑے محتاط طریقے سے ننکانہ صاحب سے روانہ ہوا۔ میں نے ٹوپی کی بجائے پگڑی باندھ لی۔ کیونکہ جناح کیپ اکثر احمدی پہنتے ہیں۔ اور احمدی معلمین اور مربیان کی پہچان ہے۔ میں شیخوپورہ سے ننکانہ صاحب ریل پر روانہ ہوا میری سیٹ کے قریب ایک مسافر تھا جو پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اور اس نے بتایا۔ کہ میں اسلام آباد میں پروفیسر ہوں۔

## پروفیسر کے سوالوں کا جواب

اپنی طرف سے تو میں ایسی حالت میں تھا کہ بھیس بدلہ ہوا تھا کہ مجھے کوئی پہچان نہ سکے اور پولیس کو بتا کر سکے۔ اور پولیس کو بتا کر پکڑوا نہ دے۔ پروفیسر صاحب نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں دینی کام کرتا ہوں۔ قرآن کریم ناظرہ اور ترجمہ پڑھاتا ہوں۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ گاؤں والے آپ کو کیا کچھ گزارہ کے لئے دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہم گاؤں والوں سے کچھ نہیں لیتے۔ پروفیسر نے کہا کہ اگر گاؤں والے آپ کو گزارہ کے لیے کچھ نہیں دیتے تو آپ کا گزراوقات کس طرح ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ گزارا الاؤنس ہماری جماعت ہم کو دیتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ آپ کا کس جماعت سے تعلق ہے۔ میں نے کہا کہ میرا احمدی جماعت سے تعلق ہے۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ پھر تو آپ مرزائی ہیں۔ میں نے کہا کہ ہماری جماعت کا نام جماعت احمدیہ ہے۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ آپ کی جماعت تو تنزل میں چلی گئی ہے۔ میں کہا کہ کس طرح تنزل میں چلی گئی ہے۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ آپ کی جماعت کو غیر مسلم ہونے کا فتویٰ دے دیا گیا ہے۔ اور آپ کی جماعت کی تبلیغ پر پابندی لگادی گئی ہے۔ اور آپ کی جماعت کے بڑے بڑے افسروں کو حکومت نے نوکریوں سے نکال دیا ہے۔ اور نوکری دیتے نہیں۔ اس لئے آپ کی جماعت مالی طور پر کمزور ہوگئی ہے۔ اور آپ کے خلیفہ یہاں سے ملک چھوڑ کر لندن چلے گئے ہیں۔ اور آپ کی جماعت کو لٹریچر وغیرہ چھاپنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس وجہ سے آپ کی جماعت تنزل میں چلی گئی ہے۔

میں نے کہا کہ ہماری جماعت بالکل تنزل میں نہیں گئی۔ ہماری جماعت تو پہلے سے بڑھ کر ترقی کر رہی ہے۔ حکومت نے اس لیے غیر مسلم ہونے کا فتوی دیا تھا کہ پہلے لوگ بھی احمدیت چھوڑ دیں گے۔ اور اس کے بعد کوئی اور احمدی نہیں ہوگا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ اس جماعت کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے اور نوکریوں سے اس لئے نکالا تھا کہ یہ لوگ غریب ہو جائیں گے اور بھوکے مریں گے۔ لیکن ہماری جماعت کو غیر ملکوں نے تحفظ دیا ہے۔ ہماری جماعت کے افراد غیر ملکوں میں چلے گئے ہیں۔ اور وہاں جا کر کام کرتے ہیں۔ جو لوگ یہاں ہزاروں روپے کماتے تھے وہ وہاں لاکھوں روپے کمانے لگے ہیں۔ اور ہماری جماعت کا بجٹ لاکھوں سے کروڑں تک جا پہنچا ہے۔ اور ہمارے حضرت صاحب جو ملک سے باہر چلے گئے ہیں اور انہوں نے وہاں جا کر کمپیوٹرائزڈ پریس لگوایا ہے۔ جو ہماری جماعت کی ہر قسم کی کتابوں اور لٹریچر کو چھاپ رہا ہے۔ اور ہماری جماعت پر پابندی لگائی گئی تھی کہ یہ قرآن کریم کی اشاعت اور تراجم وغیرہ نہیں چھاپ سکتے۔ ہماری جماعت کا منصوبہ تھا کہ ایک سو زبان میں قرآن کریم کے تراجم شائع کر کے ایک سو ملک میں پھیلایا جائے۔ حکومت پاکستان نے اس کو نا کام کرنے کے لئے ہماری جماعت پر قرآن کریم کی اشاعت کرنے کی پابندی لگادی تھی۔ وہ کام بڑی تیزی سے جاری ہے۔ یہاں تو دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے والے نہیں ملتے تھے۔ وہاں لندن میں مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ کرنے والے بھی آسانی سے مل گئے ہیں۔ اور قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع ہو رہے ہیں۔ اور حضرت صاحب کے لندن جانے کی وجہ سے دعوت الی اللہ کا کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔ اور لاکھوں لوگ جماعت میں شامل ہو رہے ہیں۔ یہ بات آپ کی صحیح نہیں ہے۔ کہ جماعت احمدیہ تنزل میں چلی گئی ہے۔ میں نے کہا کہ ہماری جماعت کا ویلفیئر کا کام ایسا ہے۔ اگر اس طرح کا نظام حکومت قائم کرے جس طرح حکومت کے وسائل ہیں تو ہر قسم کو چوری چکاری اور رشوت خوری اور لوٹ کھسوٹ ختم ہو



جائے۔ پروفیسر صاحب کہنے لگے کہ وہ کس طرح۔ میں نے کہا کہ حکومت کا معاشی نظام اس طرح ہے کہ حکومت اپنے کارکنوں کو جو ایک رینک کے ملازم ہیں ان کو تنخواہ برابر دیتی ہے۔ چاہے کسی کے بچے کم ہوں یا زیادہ ہوں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ سب کے بچے برابر ہوں کسی ملازم کے دو بچے ہو سکتے ہیں اور کسی کے دس بچے ہو سکتے ہیں۔

اب جس کے دو بچے ہوں گے وہ دس بچوں والے سے آسانی سے گزارا کریگا۔ اور جس کے دس بچے ہوں گے وہ تو آسانی سے گزارا نہیں کر سکے گا۔ لازمی بات ہے کہ وہ اپنے بچوں کے آرام و آسائش اور ان کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرے۔ رشوت یا کوئی غبن کرے یا چوری چکاری کرے۔ ہماری جماعت کا نظام چندوں پر ہے۔ جو ہر احمدی اپنی جیب سے جماعت کو دیتا ہے۔ حکومت کی طرح ہماری جماعت کے پاس روپیہ وغیرہ نہیں ہے۔ لیکن ہماری جماعت کے افراد باوجود مالی کمزوری کے سکون میں ہیں۔ وہ اس طرح کہ جماعت احمدیہ اپنے کارکنوں کو علاوہ تنخواہ کے۔ فی کس کے حساب سے گندم الاؤنس دیتی ہے۔ اور موسم سرما کا الاؤنس بھی دیتی ہے۔ جو حکومت اپنے کارکنوں کو نہیں دے رہی۔ لیکن ہماری جماعت میں تنخواہ کے علاوہ فی کس کے حساب سے گندم الاؤنس اور موسم سرما اؤنس دیا جاتا ہے۔ تنخواہ کے علاوہ یہ الاؤنس ملنے سے جن کے بچے زیادہ ہوں گے ان کو الاؤنس زیادہ ملے گا اور جن کے بچے کم ہوں گے ان کو کم ملے گا۔ اس طرح جماعت کے کارکنوں کا مالی نظام متوازن ہے۔

موسم گرما میں گندم کی کٹائی کے وقت سب کارکنوں کو گندم الاؤنس کے روپے مل جاتے ہیں اور جماعت کے سب کارکن وقت پر گندم خرید کر اپنے گھروں میں جمع کر لیتے ہیں۔ اور سارا سال آٹا کی کمی کا کوئی فکر نہیں ہوتا۔ اور موسم سرما میں اپنے کپڑے وغیرہ خرید لیتے ہیں۔ اور بڑے سکون سے زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بیوگان اور یتیموں کی لسٹیں بنی ہوتی ہیں ان کے گھروں میں بھی جماعت گندم الاؤنس اور موسم سرما کا الاؤنس

پہنچاتی ہے۔اس وجہ سے بیوگان اور یتیموں کے ہاتھ پھیلانے کا موقع نہیں ملتا اور نہ ہماری جماعت میں بھیک مانگنے کی عادت ہے۔ جس طرح ہماری جماعت کا معاشی نظام ہے۔اگر حکومت بھی ایسا نظام قائم کرے تو جس طرح حکومت کے پاس وسائل ہیں تو ملک میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہے گا۔اور رشوت خوری فراڈ وغیرہ جو لوگ بھوک کی وجہ سے کرتے ہیں یہ سب ختم ہو جائیں گے اور لوگ آرام وآسائش سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

پروفیسر صاحب نے کہا کہ آپ کی جماعت کا نظام بہت اچھا ہے۔میں بھی پروفیسر ناصر احمد پروازی کے ساتھ دو بار ربوہ گیا ہوں۔اور آپ کی جماعت کی کچھ کتابیں بھی پڑھی ہیں۔بہر حال ننکانہ صاحب کا اسٹیشن آگیا میں وہاں سے اور محتاط طریقہ سے بیت الذکر پہنچا دوسرے دن عدالت میں حاضری دی۔اور اشتہارانہ زندگی ختم ہوئی۔

## غیر احمدی وکیل کا مشورہ اور اللہ کی مدد

دوبارہ تاریخ پر جج صاحب کے پیش ہونا تھا۔اور دوسری بار جماعت احمدیہ کجر سے ننکانہ صاحب پہنچا۔رائے منصب صاحب کے منشی ناصر احمد تھے۔جو احمدی تھے ان کے گھر رات ٹھہرا۔نماز عشاء کے بعد ناصر احمد صاحب اور محترم نعیم احمد چیمہ صاحب مربی ننکانہ صاحب اور میں ایک وکیل کے گھر گئے جن کا نام کمال الدین تھا۔اس کا نام سن کر میرا خیال حضرت مسیح موعودؑ کے وکیل کمال الدین صاحب کی طرف چلا گیا۔جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ کہیں کہ میں نے ڈاک میں خط نہیں رکھا تھا ورنہ آپ کو سزا ہو جائے گی۔لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔تو حضرت مسیح موعودؑ نے سچا بیان دیا تھا۔تو جج نے حضرت مسیح موعودؑ کو باعزت بری کر دیا تھا۔کمال الدین وکیل نے مجھے کہا کہ جب جج آپ سے پوچھے کہ آپ نے السلام علیکم کہا تھا تو آپ کہیں کہ میں نے السلام علیکم نہیں کہا تھا۔میں نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے سچائی کے پیچھے تو میں نے مار کھائی تھی۔اگر میں اس وقت کہہ دیتا۔کہ میں تو احمدی نہیں ہوں۔تو نہ کوئی مجھے



مارتا پیٹتا اور نہ مقدمہ قائم ہوتا اور نہ میں جیل جاتا۔کیونکہ میں نے ان کو السلام علیکم کہا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کے میں نے السلام علیکم نہیں کہا تو مولوی کہیں گے کہ احمدی بھی جھوٹ بولتے ہیں۔وکیل صاحب نے کہا۔کہ پھر تو آپ کو وکیل کی ضرورت نہیں۔آپ وہاں سچ بول دیں۔جج آپ کو تین سال قید اور جرمانہ بھی کر دیں گے۔بہر حال ہم وکیل صاحب کے پاس سے واپس آگئے۔صبح تاریخ تھی۔اور جج صاحب کے پاس حاضر ہونا تھا۔میں نے خدا کے حضور عاجزانہ دعائیں کیں۔اے خدا اگر سچ بولوں تو سزا ملے گی اگر جھوٹ بولوں تو گناہ ہوگا۔جھوٹ بولنا بھی بہت مشکل ہے۔اے میرے خدا میری رہائی کے سامان پیدا فرما۔رات کو خدا تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں کیں۔

دوسرے دن صبح وکیل صاحب کمال الدین کے چیمبر میں گیا۔اور باری کا انتظار کرنے لگا۔جب گیارہ بج گئے تو وکیل صاحب نے کہا کہ آپ کی فائل نہیں مل رہی۔آپ آج تو جج کے سامنے پیش نہیں ہو سکتے۔آپ چلے جائیں۔فائل مل گئی تو آپ کو بلا لیں گے۔میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔کہ اس نے مجھے جج صاحب کے سامنے پیش ہونے سے بچا دیا اور میں واپس اپنے سنٹر کجر پہنچ گیا اور اپنی جماعت کی تعلیم و تربیت کرنے لگا۔

## مجھے جھوٹ بولنے کی تلقین لیکن خدا نے محفوظ رکھا

ہمارے خاندان میں ایک گھریلو جھگڑا تھا اور مخالف گروہ برادری کے طور پر فیصلہ کی طرف نہیں آرہے تھے۔اور برادری کی بات نہیں مانتے تھے۔میں نے عدالت میں مقدمہ کرنا چاہا۔وکیل صاحب نے مجھے جھوٹا مقدمہ دائر کرنے کی تلقین کی۔اور کہا کہ اس طرح مقدمہ کیا جائے تو آپ کے حق میں فیصلہ ہو سکتا ہے۔میں نے کہا یہ تو جھوٹ ہے۔میں جھوٹا مقدمہ نہیں کرنا چاہتا۔چیمبر میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے میری بات سن کر کہا کہ عدالتوں میں زیادہ جھوٹے مقدمے دائر ہوتے ہیں۔اور جھوٹ بولنا پڑتا ہے اگر آپ سچ بولیں گے تو آپ کو انصاف نہیں مل سکے گا۔وکیل صاحب نے جو درخواست لکھی

تھی۔ وہ جھوٹ پر مبنی تھی۔ میں نے اس پر دستخط نہ کئے اور نہ ہی وہ درخواست دی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد میں وکیل صاحب کو ملا اور کہا کہ میرا عقیدہ ہے اور میں ڈرتا ہوں اگر میں جھوٹا مقدمہ کروں گا تو پھنس جاؤں گا۔ اور اگر سچا مقدمہ کروں گا تو خدا ضرور میری مدد کریگا۔

وکیل صاحب نے کہا کہ اگر آپ کو خدا تعالیٰ پر اتنا زیادہ یقین ہے تو جس طرح آپ چاہیں اس طرح کا مقدمہ دائر کر لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس طرح کی درخواست دیتے ہیں۔ وکیل صاحب نے اس طرح کی درخواست لکھ کر عدالت میں پیش کر دی۔ کچھ دنوں کے بعد جب فریق ثانی کو عدالت نے سمن جاری کئے اور ان کے پاس پہنچے تو تو فریق ثانی نے کہا کہ ہم برادری کے طور پر فیصلہ کریں گے۔ وہ اپنی درخواست واپس لے لیں۔ اس وجہ سے ہمارا فیصلہ برادری میں ہو گیا۔ اور میں نے دوسری تاریخ آنے سے پہلے وکیل صاحب کو کہا کہ جو درخواست دی تھی اور مقدمہ کیا تھا ختم کرا دیں ہمارا برادری کے طور پر فیصلہ ہو گیا ہے۔ وکیل صاحب نے لوگوں میں برملا کہا کہ میری ایک بات سن لو۔ ہمارے پاس ساری عمر میں ایک آدمی ایسا آیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں جھوٹا مقدمہ نہیں کروں گا سچا مقدمہ کروں گا۔ تو جتنا جلدی ان کا فیصلہ ہوا ہے آج تک کبھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔

تو بہر حال خدا تعالیٰ نے فضل کیا۔ اور مدد کی۔ جو لوگ برادری کی بات نہیں مان رہے تھے ان کے دل میں خدا نے یہ بات ڈال دی۔ کہ ایسے مقدموں میں اور بھی خرچہ ہو گا۔ اور آخر فیصلہ ان کے حق میں ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ عدالت میں خرچ کے علاوہ ہی بات ختم ہو جائے تو اللہ نے فضل کیا۔ ہمارے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ اور ہمیں جھوٹ بولنے سے بھی خدا تعالیٰ نے بچا لیا۔ الحمد للہ

## دوبارہ نگر پارکر تبادلہ

جماعت احمدیہ کجر ضلع شیخوپورہ میں 1993ء تک تین سال کام کرنے کے بعد 1993ء میں میرا تبادلہ دوبارہ نگر پارکر سندھ کے علاقے میں ہو گیا۔ پہلی بار تو نگر پارکر سندھ کے علاقہ میں جاتے ہوئے پریشانی اور



گھبراہٹ ہوئی تھی۔ دوسری بار جاتے ہیں۔ کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں تھی۔ وہ علاقہ پہلے ایک بار دیکھ چکا تھا اور اس علاقہ کے حالات سے آگاہی ہو چکی تھی۔ میں دوبارہ احمدیہ مشن ہاؤس نگر پارکر پہنچا۔ اس وقت محترم محمد شفیع صاحب کشمیری وہاں امیر معلمین تھے۔ انہوں نے مجھے سنٹر سادالواس بھیجا۔ سادالواس سنٹر نگر پارکر سے سب سے قریبی سنٹر ہے اور وہ بھی دس میل کے فاصلہ پر ہے پیدل چلنے کے لحاظ سے بڑا مشکل رستہ ہے۔ سارے راستہ میں ریت ہے چلتے پاؤں پھسلتے جاتے ہیں۔ اس وقت قحط سالی کی وجہ سے گھوڑے سندھ کے میدانی علاقوں میں گئے ہوئے تھے۔ گھوڑا وغیرہ پاس نہیں تھا۔ پیدل سفر کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ نگر پارکر کے علاقہ سے آئے ہوئے بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ جو واقعات یاد رہے وہی لکھے جا رہے ہیں۔ جب میں پہلے اس علاقے دھنا گام رہا تھا۔ سادالواس کے قریب ہی رہا تھا۔ اس وقت سادالواس کا سنٹر ایک چورا کی شکل میں تھا۔ دوسری بار گیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں بیت الذکر اور اس کے ساتھ ملحقہ معلم ہاؤس پکا بن چکا تھا۔ رہنے سہنے کے لحاظ سے آسان جگہ بن گئی تھی۔ پانی تقریباً ایک کلومیٹر دور تھا۔ لیکن وافر مل جاتا تھا۔ چھ ماہ تک میں اس سنٹر میں رہا۔

## لاعلاج مریض کو شفاء

ایک دن ایک مریضہ بیل گاڑی پر لائی گئی۔ وہ حاملہ بھی تھی۔ اس کی بیماری یہ تھی کہ اس کو اُلٹی شروع ہو جاتی تھی۔ جس سے اس کو بہت تکلیف ہوتی۔ اگر اُلٹی سے آرام آتا تو دست لگ جاتے۔ جس وجہ سے وہ بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اس کا رنگ پیلا ہو گیا تھا اور وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھی۔ کیونکہ میں ڈاکٹری علاج کے ساتھ دیسی علاج بھی کرتا تھا۔ اور کچھ دیسی دوائیاں بنا کر ساتھ لے گیا تھا۔ میں نے اس مریضہ کو دیکھا اس کے والدین نے کہا کہ یہ سندھ سے آئی ہے۔ اور ہزاروں روپے اس پر لگ چکے ہیں۔ یہ صحتیاب نہیں ہو سکی۔ ہم نے سنا ہے آپ بوٹیوں کی دوائیاں بھی بناتے ہیں اس لیے ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔

میں نے خدا تعالیٰ سے دعا بھی کہ اور دو قسم کی دیسی سفوف میں سے ایک ہفتہ کے لئے دوائی دی اور پچیس روپے لیے۔ اور وہ دوائی لے کر چلے گئے۔ میں نے ان کو کہا کہ جیسے دوائی ختم ہو جائے دوبارہ آ کر لے جانا۔

وہ ہفتہ گزرنے کے بعد مریضہ اپنی والدہ کے ساتھ تین میل کا فاصلہ کر کے پیدل آئی اور بتایا کے دوائی سے بہت فائدہ ہوا۔ اس کی اُلٹیاں بھی بند ہو گئی ہیں۔ اور دست وغیرہ بھی نہیں لگے۔ میں نے ایک ہفتہ کے لیے پھر دوائی دی۔ اس کی والدہ نے کہا کہ آج ہمارے پاس کوئی روپیہ نہیں ہے۔ اس کا والد ایک بکرا بیچنے گیا ہے۔ ہم پھر دوائی کے پیسے دیں گے کیونکہ میں ان کو جانتا بھی نہیں تھا میں نے کہا کہ اس کے والد کا کیا نام ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ ہمیں پتہ نہیں۔ میں نے کہا کہ ساری عمر اس کے ساتھ گذاری ہے۔ آپ کو اپنے خاوند کا نام بھی نہیں آتا۔ وہ کہنے لگی مجھے بھول گیا ہے۔ مجھے پتہ تو تھا کہ ہندو عورتیں اپنے خاوندوں کا نام نہیں لیتی۔ بہر حال میں نے اس کی بیٹی سے پوچھا کہ آپ کے والد کا کیا نام ہے۔ تو وہ کہنے لگی کہ اس کا نام کرناں ہے۔ میں نے اس کا نام اور پتہ لکھ لیا۔

ایک ہفتہ اور گزر گیا تو میں اس کا پتہ لینے گیا تو پتہ چلا کہ وہ کوئیں سے پانی لینے گئی ہے۔ واپس آئی تو ایک ہفتہ کی اور دوائی دی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بالکل صحت مند ہو گئی۔ اور اس کا رنگ بھی ٹھیک ہو گیا۔ تو اس علاقہ میں اللہ تعالیٰ معمولی دوائیوں سے بھی ہمارے ہاتھوں شفاء دے دیتا تھا اور ہمارے پاس کچھ دوائیاں ہوتی تھیں۔ ان سے ہر ایک مریض کا علاج کیا جاتا تھا۔ تو اصل شفاء تو خدا تعالیٰ دیتا تھا۔ ورنہ ہمارے پاس کیا تھا۔

## اکثر سانپ کی اطلاع چھٹی حس سے ہو جاتی

سانپ تو اس علاقہ میں بہت ہوتے ہیں۔ پہلی بار میں جب اس علاقہ میں رہا تھا تو بہت سانپ مارے تھے۔ اور جب بھی ہم سفر کرتے رات بھر یا دن سب سے زیادہ فکر سانپوں کی ہوتی تھی۔ کسی انسان کا خوف نہیں ہوتا تھا۔ پنجاب کے علاقہ میں



بھی سانپ ہوتے ہیں۔ لیکن پنجاب کے علاقہ میں سانپ کا کوئی خوف نہیں ہوتا ہے۔ انسان انسان سے ڈرتا ہے۔ ایک دن پہلے میں نے اپنے کمرے سے سانپ مارا تھا۔ اس نے ایک مینڈک کا بچہ اپنے منہ میں ڈالا ہوا تھا۔ میں نے اس کو مار دیا تھا۔ اس رات صالح محمد صاحب جو دو ہتڑ سنٹر میں رہتے تھے جو میرے سے 13 کلومیٹر کے فاصلہ پر سے آئے تھے۔ رات رہے تھے نماز فجر کے لئے ہم دونوں بیت الذکر میں داخل ہوئے تو آگے سانپ بیٹھا تھا۔ کیونکہ اس علاقہ میں زیادہ خطرہ سانپ کا ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ اس سے بچنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ اور رات کو اٹھتے وقت ٹارچ سے روشنی کر لی جاتی ہے۔ اور اِردگرد دیکھ کر چلا جاتا ہے۔ بیت الذکر میں داخل ہوتے ہوئے روشنی کر کے دیکھا تو آگے سانپ بیٹھا تھا۔ جس کو میں نے مار دیا۔ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے۔ کہ سانپ نظر آنے سے پہلے ہی خیال آ جاتا تھا کہ یہاں سانپ ہو گا تو اسی وقت سانپ نظر آ جاتا اور سانپ کے ڈسنے سے محفوظ رہتے اور اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا رہا۔ کیونکہ سادالواس سنٹر میں کوارٹر تھا۔ وہاں بیوی بچے رکھے جا سکتے تھے۔ محترم جمیل احمد صاحب اپنے بیوی بچے ساتھ لے کر گئے تھے۔ ان کو سادالواس سنٹر میں بھیج دیا گیا۔ اور میرا تبادلہ سادالواس سے کویا سنٹر میں کر دیا گیا۔

## کویا سنٹر میں تبادلہ

کویا سنٹر۔ نگر پارکر کے شہر سے جہاں ہمارا مشن ہاؤس ہے 45 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور راستہ میں کہیں بہت زیادہ ریت اور کہیں پتھریلہ علاقہ ہے۔ پیدل سفر کرنا بہت مشکل ہے۔ ہر ماہ میٹنگ کے لئے نگر پار کر آنا پڑتا تھا۔ اور اس راستہ میں کوئی سواری وغیرہ نہیں ملتی تھی۔ اونٹ وغیرہ کا بھی بہت کرایہ لیتے تھے۔ اس وجہ سے اکثر بار سفر پیدل کرنا پڑتا تھا۔ نماز فجر کے بعد کھانا پکا لیا جاتا تھا۔ اور کچھ ناشتہ کر کے کھانا ساتھ رکھ لیتے تھے۔ کیتلی پانی کی اور دوائیوں والا تھیلا بھی پاس ہوتا تھا۔ جہاں پانی مل جاتا تھا۔ وہاں پانی پی لیا جاتا تھا۔ اور کیتلی میں اور پانی بھر لیا جاتا تھا۔ نصف راستہ میں جو کھانا ساتھ ہوتا تھا وہ کھا لیا جاتا تھا۔ کویا سے صبح پانچ بجے روانہ ہو کر

سات بجے رات تک بہت مشکل سے نگر پار کر پہنچتا تھا۔اسی طرح میں ایک دن سفر کر رہا تھا۔نگر پار کر شہر سے 5 کلو میٹر کے فاصلہ پر تھا اور رات ہو چکی تھی۔اندھیرے کی وجہ سے سانپوں کے خطرہ سے میں نے اپنی ٹارچ تھیلے سے نکال لی تھی اور روشنی کر کے سفر کر رہا تھا۔تو پیچھے سے پپلیاں گوٹھ کی طرف سے روشنی نظر آئی۔اس راستہ پر کوئی ٹریفک جو سواری لے جائے نہیں چلتی تھی۔اتفاقا گاڑی آ رہی تھی۔میں نے سوچا کہ ان سے کہوں گا کہ نگر شہر تک مجھے بھی ساتھ لیتے جاویں بہت تھکاوٹ ہو چکی تھی۔کنکریوں پر چلتے ہوئے پاؤں میں چھالے پڑ چکے تھے۔لیکن جب گاڑی نزدیک آئی تو میں نے ٹارچ کے اشارہ سے ان کو کہا کہ گاڑی روکیں۔لیکن انہوں نے گاڑی نہیں روکی۔بہت افسوس ہوا۔کہ انہوں نے گاڑی کیوں نہیں روکی۔تھوڑی دیر کے بعد پھر پیچھے سے روشنی نظر آئی۔ان کو بھی اشارہ کیا گیا کہ گاڑی روکیں انہوں نے بھی گاڑی نہیں روکی۔اور مجھے بہت دکھ ہوا۔کہ ان لوگوں نے بھی گاڑی نہیں روکی۔یہ لوگ انسان کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔جب وہ گاڑی میرے پاس سے آگے گزارنے لگے تو میری زبان سے غصہ میں نہ جانے کیا نکل گیا۔وہ گاڑی بیس پچیس گز دور جا کر کھڑی ہوگئی۔اور انہوں نے ہارن دیا میں نے سمجھا کہ شاید انہوں نے مجھے بٹھانے کے لئے گاڑی روکی ہے۔انہوں نے مجھے گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی نہ چلی تو مجھے کہنے لگے کہ ذرا ٹارچ دو ہم گاڑی دیکھ لیں اس وقت مجھے پتہ چل گیا کہ دراصل گاڑی خراب ہوگئی ہے۔اور انہوں نے مجھے گاڑی میں اس لئے بٹھایا ہے کہ ہمیں ٹارچ دے دے۔میں نے ان کو ٹارچ دے دی وہ گاڑی ٹھیک کرتے رہے۔لیکن گاڑی ٹھیک نہ ہو سکی اور پیدل ہی جانا پڑا۔وہ مجھے کہنے لگے ڈاکٹر صاحب ہم نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔میں نے کہا ہم دین خداوندی کی خاطر یہاں آئے ہیں اور ہمارا اس کے علاوہ اور کوئی نظریہ نہیں۔اور ہم خدا کے مامور کو مانتے ہوئے۔دین کی خدمت کے لئے آئے ہیں۔اور خدا تعالیٰ پر یقین ہوتا ہے۔کہ وہ ہماری مدد کرے گا۔جس کی خاطر ہم اس علاقہ



میں آئے ہیں۔اور وہ اپنے خاص فضل کے ساتھ ہماری مدد کرتا ہے۔اور لوگوں کے دلوں میں جماعت کا رعب بھی ہے۔کیونکہ ایسی جماعتوں پر خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔جو غائبانہ طور پر مدد کرتا رہتا ہے۔اور ہمارے پیچھے خلیفہ وقت کی دعائیں بھی ہوتی ہیں۔جو ہماری مدد کر رہی ہوتی ہیں۔اس وجہ سے باوجود ہم اکیلے ہوتے ہیں۔ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بڑی دلیری سے کام کر رہے تھے۔

## ایک سندھی حوالدار سے مکالمہ

ایک دفعہ میرے پاس ایک سندھی جو کویا سنٹر میں آیا اور اس کے ساتھ تین سپاہی تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے۔اور میرے سنٹر کے ساتھ ملحقہ سکول میں آ کر انہوں نے ڈیرہ لگایا اور ان کے آنے کی وجہ سے گوٹھ کویا کے غیر مسلم بھی آ گئے۔اور دن غروب ہو رہا تھا۔انہوں نے ایک آدمی بھیج کر مجھے بلایا۔اور وہ چاہتا تھا کہ اس کو ڈرایا جائے اور کچھ روپے وصول کیے جائیں۔میں ان کے پاس سکول میں گیا۔اور اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں نکال کر میری طرف دیکھا۔کہ میں ڈر جاؤں۔میں نے جاتے ہی اس کو بلند آواز سے السلام علیکم کہی۔اور اس نے آہستہ سے کہا وعلیکم السلام۔اور قریب ہی ایک چارپائی تھی۔اشارہ کیا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔اور کہنے لگا کہ میں آپ کو پکڑ سکتا ہوں۔میں نے کہا۔ہاں آپ پکڑ سکتے ہیں۔کیونکہ آپ سرکاری آدمی ہیں اور میں غیر سرکاری آدمی ہوں۔اگر میری غلطی ہوگی تو آپ پکڑ سکیں گے۔وہ کہنے لگا کہ مجھے گوٹھ کے چار آدمی لکھ کر دیں کہ تم ڈاکٹری نہیں کرو گے اور نہ تبلیغ کرو گے۔میں نے کہا میں ڈاکٹری تو کرتا ہوں۔وہ کہنے لگا کہ آپ کے پاس سند ہے۔میں نے کہا کہ ہاں میرے پاس سند ہے۔وہ کہنے لگا مجھے پتہ نہیں کہ آپ کے پاس سند ہے۔میں نے کہا کہ تجھے کیا پتہ۔سند میری ہے آپ کی تو نہیں۔یہ باتیں کر کے وہ ذرا خاموش سا ہو گیا۔میں نے یہ کہا کہ میں جا رہا ہوں میں نے اپنا کھانا پکانا ہے اور وہاں سے اپنے سنٹر آیا۔اور آگ جلا کر چائے بنا کر پی لی۔اور نماز مغرب وعشاء ادا کی۔اور خدا تعالیٰ سے دعا

کی کہ اے خدا تیرے دین کی خاطر ہم اس علاقہ میں آئے ہیں۔ تو جانتا ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ تو ہی میرے مدد کرنے والا ہے۔ تو ہی میری عزت رکھنے والا اور حفاظت کرنے والا ہے اور تو مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ اور نماز تہجد میں عاجزانہ دعائیں کیں۔ رات اللہ تعالیٰ کے فضل سے گذر گئی۔ نماز فجر کے بعد ناشتہ تیار کیا۔ ناشتہ کر کے میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک آدمی آیا کہ آپ کو حوالدار صاحب بلاتے ہیں۔ میں نے اپنے کپڑے وغیرہ پہنے اور پکا ارادہ کر لیا کہ اس کو ایک پیسہ بھی نہیں دونگا۔ اگر وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہے گا تو ساتھ چلا جاؤں گا۔ میں ان کے پاس گیا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ رات کو ہمارے پاس کیوں نہیں آئے میں نے کہا۔ مجھے آپ کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے نماز پڑھی اور سو گیا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی کیا نماز ہے۔ آپ لوگ تو کافر ہیں۔ آپ کو حکومت نے غیر مسلم قرار دیا ہے۔ میں نے کہا حکومت خدا نہیں۔ یہ دنیا کی حکومت ہے۔ اور میں نے یہ بات سن کر جوش میں آکر کہا۔ کہ جب ہم مر جائیں گے اور خدا کے حضور جائیں گے۔ تو پتہ چلے گا۔ کہ کافر کون ہے اور مسلمان کون ہے۔ ہم لوگ نمازیں پڑھیں۔ روزے رکھیں تلاوت کریں۔ اور دین کی خاطر جنگلوں میں مارے مارے پھریں۔ تو ہم پھر بھی کافر۔ اور آپ لوگ نہ نمازیں پڑھیں نہ قرآن۔ لوگوں سے رشوتیں لیں اور شراب پئیں تو آپ پھر بھی مسلمان ہیں۔ یہ فیصلہ خدا کرے گا۔

کیونکہ انہوں نے وہاں رات کو بکرا ذبح کر کے گوشت کھایا تھا اور شراب بھی پی ہوئی تھی اور لوگوں سے رشوت کے طور پر روپے بھی لئے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے ذرا خاموش ہو گیا۔ اور پھر کہنے لگا۔ اچھا مجھے بھی قادیانی بنا لو۔ میں نے کہا احمدی ہونا بہت مشکل ہے۔ میں خود احمدی ہوا تھا۔ مجھے گھر سے نکال دیا گیا تھا۔ وہ کہنے لگے میں قادیانی بنتا ہوں۔ مجھے گھوڑا لے کر دیں (کیونکہ میرا گھوڑا سامنے نظر آ رہا تھا جو جماعت کی طرف سے مجھے ملا تھا) میں نے کہا کہ گھوڑے ایسے ہی نہیں مل جاتے۔ کہ زبان سے کہہ دو۔ کہ میں قادیانی بنتا



ہوں۔ احمدی ہونے کے بعد پھر زندگی وقف کرنی پڑتی ہے۔ مرکز میں جا کر تعلیم حاصل کرنا پڑتی ہے۔ پھر اس علاقہ میں کام کرنے کے لئے گھوڑے ملتے ہیں۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ آپ کی تنخواہ کتنی ہے۔ میں نے کہا کہ میری تنخواہ 2200 روپے ہے۔ وہ کہنے لگا پھر آدھی ہماری ہوگی۔ میں نے کہا کہ وہ تنخواہ مجھے یہاں نہیں ملتی وہ تو میری بیوی کو ملتی ہے۔ اور یہ جو ہم اس علاقہ میں ڈاکٹری کرتے ہیں۔ روپے کمانے کے لئے نہیں کرتے۔ یہ صرف ان لوگوں کی خدمت ہے۔ خدمت خلق کے طور پر کرتے ہیں۔ تھوڑے سے روپے لے کر دوبارہ دوائیں لے آتے ہیں۔ اور یہاں اپنا گذارا بھی کر لیتے ہیں۔ اور باقی اس علاقہ میں خرچ بھی کر دیتے ہیں۔ ہم یہاں روپے کمانے کے لئے نہیں آتے بلکہ ان لوگوں کی خدمت کرنے کے لئے ہیں۔ اور دین محمد ﷺ کو پھیلانے کے لئے آئے ہیں۔ حوالدار نے کہا میرا گھوڑا بیمار ہے اس کو دم کر دو۔ کیونکہ ان کا گھوڑا بیمار تھا۔ وہ چارہ نہیں کھا رہا تھا۔ حوالدار نے کہا کہ آپ میرے گھوڑے کو دَم کر دیں میں دم وغیرہ نہیں جانتا تھا کہ کس طرح کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں میں گھوڑے کو دم کر دیتا ہوں۔ اور گھوڑے کے پاس کھڑے ہو کر سورۃ فاتحہ اور چار قل اور آیت الکرسی پڑھ کر گھوڑے پر تین بار پھونکیں ماردیں۔ اور وہ بہت خوش ہوا۔ جب وہ وہاں سے جانے لگا تو مجھے گلے لگا کر ملا اور کہا کہ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔ آپ کو ہم چھوڑتے ہیں۔ اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چلے گئے۔ میں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے میری عزت رکھی۔ اور ساری گوٹھ کے لوگ ہماری اور پولیس کی گفتگو سنتے رہے۔

## ایک مسلمان زمیندار سے مجادلہ

کیونکہ ہمارے سنٹر کے قریب ایک سکول تھا۔ اس کا ٹیچر ہندو تھا اور وہ ہماری جماعت کا بہت مخالف تھا۔ اور وہ یہ چاہتا تھا کہ یہاں سے سنٹر ختم ہو جائے۔ سنٹر سے دو فرلانگ دور ایک مسلمان نے دو مربع زمین خریدی ہوئی تھی۔ ان کی چودہ پندرہ گاڑیاں بھی تھیں۔ بہت

مالدار آدمی تھا۔ ماسٹر صاحب نے ان کے بیٹے کو کہا کہ یہاں سے اس قادیانی ڈاکٹر کو بھگا دیا جائے۔ ایک بار وہ چار پانچ آدمی اپنی گاڑی پر لے کر آیا اور مجھے بلا کر کہنے لگا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ میں نے کہا کہ کیوں چلا جاؤں۔ کہنے لگا کہ حکومت نے آپ کی جماعت کو غیر مسلم قرار دے دیا ہے۔ اور تمہاری جماعت کے بڑے بڑے افسروں کو نوکریوں سے نکال دیا گیا ہے۔ تمہاری جماعت کی وقعت نہیں رہی۔ جو پہلے تھی۔ میں نے کہا کہ ہمیں مسلمان ہونے کے لئے کسی حکومتی فیصلہ کی ضرورت نہیں۔ ہمارا خدا ہمارا حاکم ہے۔ ہم اس سے ڈرتے ہیں۔ اور آپ نے کہا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں نہیں جاؤں گا۔ یہاں نہ میں خود آیا ہوں اور نہ ہی جاؤں گا۔ یہاں مجھے میری جماعت نے بھیجا ہے۔ اگر وہ کہیں گے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ورنہ نہیں جاؤں گا۔ آپ نے جو کرنا ہے کر لیں۔ وہ کہنے لگا۔ میں پولیس لے آؤں گا۔ میں نے کہا جاؤ۔ پولیس لے کر آؤ۔ میں یہاں ہی ہوں۔ وہ یہ کہہ کر کہ میں پولیس لے آتا ہوں وہاں سے چلا گیا۔ اور میں اپنے سنٹر میں بیٹھا رہا۔ کوئی ایک گھنٹہ کے بعد مجھے گاڑی آنے کی آواز آئی۔ تو میں اپنے سنٹر کے صحن میں آکر کھڑا ہو گیا۔ گاڑی ہمارے سنٹر کے قریب سے گزر گئی۔ اور اس کا دوسرا چھوٹا بھائی چلتی گاڑی سے یہ کہتا ہوا کہ ڈاکٹر صاحب آپ اپنا کام کریں ہم آپ کے ساتھ کھیل مکھ کر رہے تھے۔ یعنی مذاق کر رہے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ جب ان کے والد صاحب کو پتہ چلا کہ میرے بیٹے نے قادیانی ڈاکٹر کے ساتھ اس طرح بُرا سلوک کیا ہے۔ تو اس نے ان کو بہت گالیاں دیں کہ تم نے اس کو کیوں تنگ کیا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے عزت رکھ لی۔ اور غیر مسلموں کے سامنے اس نے مجھے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

## ایک دوکاندار کی موت

زمیندار جس کے بیٹے کا میں ذکر کر چکا ہوں کہ اس نے میرے ساتھ گستاخانہ باتیں کیں ان کی دوکان پر ایک شخص لطیف احمد سودا سلف دیا کرتا تھا۔ جب میں ان کے پاس سے دوکان سے سودا وغیرہ لینے



جاتا تو وہ بعض اوقات کہہ دیتا کہ اگر مجھے حکومت کا خوف نہ ہو تو میرا دل چاہتا ہے تجھے قتل کر دوں۔ میں کہتا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ میری حفاظت کرے گا تو تو مجھے قتل نہیں کر سکے گا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ مجھے اس کی بات سن کر تکلیف تو بہت ہوتی۔ لیکن صبر کر لیتا۔ دو تین بار انہوں نے مجھے ایسا کہا تھا۔ کچھ دن گزرے تو میرے پاس ایک آدمی سنٹر پر پہنچا کہ لطیف احمد دوکاندار بیمار ہے۔ آپ کو بلا رہا ہے۔ میں ان کے پاس گیا۔ اور ان کو دیکھ کر کہا کہ آپ کو دل کا دورہ اور حملہ ہوا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے کسی بڑے ہسپتال میں علاج کروائیں۔ ہمارے پاس تو معمولی دوائیاں ہی ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی میں نے اس سے پہلے ایسے مریض کا علاج کیا تھا۔ ان کے مالک کا ایک نوکر گاڑی لے کر دوکان پر بھی آیا تھا میں نے ان کو بھی کہا تھا کہ لطیف احمد کو دل کا حملہ ہو رہا ہے۔ اس کے بائیں طرف سینے میں درد ہے۔ اس کو ہسپتال میں داخل کرا کر علاج کراؤ۔ لیکن انہوں نے بھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ اور وہ گاڑی لے کر وہاں سے چلے گئے۔ میں تو اس کا علاج وغیرہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے میرے سامنے جان دی اور وہ مر گیا۔ بہر حال وہ کہتا تھا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تجھے قتل کر دوں۔ باوجود اس کے میں کوشش کرتا رہا۔ کہ کسی طرح اس کا علاج ہو جائے اور نہ مرے اور وہ میرے سامنے فوت ہو گیا۔

## چند ہندوؤں کے ساتھ مکالمہ

ایک دفعہ ہم ایک کنویں سے پانی لینے گئے۔ میرے ساتھ محترم عبدالرشید چھینا صاحب معلم وقف جدید بھی تھے۔ وہاں کچھ غیر مسلم بھی پانی بھر رہے تھے۔ انہوں نے باتیں کرتے ہوئے ہمیں طعنہ دیا کہ مسلمان تو بہنوں کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں۔ یعنی قریبی رشتے داروں میں۔ چچا کی بیٹی یا پھوپھی کی بیٹی خالہ وغیرہ کی بیٹیوں سے اور یہ تو بہنیں ہوتی ہیں کیونکہ ہندو لوگ اپنی قوم میں بھی رشتہ داری نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں قوم کی لڑکیاں بھی ایک دوسرے کے بھائی بہن ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی چوہان قوم کا آدمی ہے تو وہ چوہان قوم میں اپنی لڑکی یا

لڑکے کا رشتہ نہیں کرے گا۔ کسی اور قوم پر ماریا مکو آنہ قوم میں کریگا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک قوم کا خون دوسری قوم میں مل جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اگر اپنی قوم میں لڑکی لڑکا کا خون مل جائے تو وہ تو بہن بھائی ہیں۔ ایسا کرنا گناہ ہے۔ اس لئے وہ اپنی قوم میں بھی رشتہ داری قائم نہیں کرتے۔ ہم نے کہا ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ بار بار شادی کرنے کی وجہ سے دونوں قوموں کا خون مل کر پھر ایک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس قوم میں بار بار لڑکیاں دوگے اور بار بار لوگے تو وہ قوم خونی رشتہ دار بن جائے گی۔ صرف قوم کے نام کے لحاظ سے فرق رہے گا۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے مذہب میں جو قریبی رشتہ داریاں قائم کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے بہت فائدے ہیں۔ اس وجہ سے مسلمانوں میں اتحاد اور ایک دوسرے سے محبت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور خاندانوں کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ اور خاندانوں کا ایک جتھہ بن جاتا ہے۔ لیکن آپ لوگوں میں مسلمانوں کی طرح پیار و محبت قائم نہیں رہ سکتا۔ مثال کے طور پر چار ہندو آپس میں بھائی ہوں۔ اور ان کی شادیاں اپنے خاندان کے علاوہ مختلف قوموں میں ہوں۔ ان کی بیویوں کی تو ایک دوسرے سے کوئی رشتہ داری نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے ان کی ایک دوسرے کے ساتھ قریبی رشتہ داروں کی طرح محبت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ ان کے خونی رشتے دار نہیں ہوتے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ اگر کسی خاوند کے بھائی کو کوئی مار رہا ہو تو وہ خاوندوں کو بھی روک دیتی ہیں اگر تم اس کی مدد کے لئے جاؤ گے۔ تو تم کو بھی مار پڑے گی۔ اس کی مدد کے لئے نہ جاؤ۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے بھائی کی مدد نہیں کر سکتے۔ جس وجہ سے اس علاقہ میں ہندو ماریں کھا رہے ہوتے ہیں۔ مسلمان یا ٹھاکر۔ تمہارے لوگوں کو اکیلے آ کر مار پیٹ لیتا ہے۔ اور مار کھانے والے بھائی کو اس کے دوسرے بھائی دیکھتے رہتے ہیں۔ اور ان کی مدد نہیں کرتے۔ اگر ان کی بیویاں بھی ان کی رشتہ دار ہوتیں۔ کوئی چچا کی بیٹی ہوتی۔ کوئی خالہ کی بیٹی ہوتی۔ کوئی ماموں کی بیٹی ہوتی یا پھوپھی کی لڑکی ہوتی تو وہ ان کے بھائیوں کی بھی رشتہ دار ہوتیں۔ تو پھر ایک دوسرے کی



بیویوں کو بھی تکلیف ہوتی۔ کہ ہمارے خاوند کا بھائی۔ جو ہمارے چچا کا بیٹا ہے یا پھوپھی کا بیٹا ہے یا ہماری خالہ کا بیٹا ہے۔ اس کو مار پڑ رہی ان کو تکلیف ہوتی۔ وہ خود بھی خاوندوں کے بھائیوں کی مدد کرتیں اپنے خاوندوں کو بھی مدد کے لئے کہتیں۔ اور سب بھائی ایک دوسرے کی مدد کے لئے اکٹھے ہو جاتے تو مارنے والوں کو فکر ہوتی کہ ایک بھائی کو ہم نے مارا پیٹا تو سارے بھائی اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ تو کوئی آدمی تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا۔ قریب ہی مسلمانوں کی ایک گوٹھ تھی۔ میں نے اشارہ کر کے کہا کہ وہ مسلمانوں کی گوٹھ میں جا کر کسی آدمی کو مار کر دیکھو پھر آپ لوگوں کو پتہ چل جائے گا۔ اور ساری گوٹھ کے مرد عورتیں تمہارے پیچھے لگ جائیں گے۔ پھر آپ کو پتہ چل جائے گا کہ مسلمانوں میں قریبی رشتہ داروں میں شادیاں کرنے کا فائدہ ہے یا نقصان۔ مذہب اسلام نے مسلمانوں میں پیار و محبت اور اخوت کا مضبوط رشتہ قائم کر دیا ہے۔ اس وجہ سے مسلمان رشتہ داروں کا آپس میں اتحاد ہے جو ہندوں لوگوں میں نہیں ہے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کا طریقہ کار ہندوؤں سے بہتر ہے۔

## ایک ہندو ٹھاکر راجپوت سے مکالمہ

کیونکہ ہندوؤں کے مذہب میں اونچ نیچ کا مسئلہ ہے۔ اس وجہ سے ٹھاکر راجپوت کوہلیوں بھیلوں اور میگواڑوں وغیرہ سے نفرت کرتے ہیں۔ اور ان کو اپنے پاس چار پائیوں پر بیٹھنے بھی نہیں دیتے اور نہ اپنے برتنوں میں کھانا وغیرہ دیتے ہیں۔ اس علاقہ میں ہر طبقہ کے علیحدہ علیحدہ برتن ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے الگ اور راجپوتوں کے الگ اور بھیلوں کوہلیوں اور میگواڑوں کے الگ الگ برتن ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہماری جماعت کے معلمین کو دعوت الی اللہ کے میدان میں اس علاقہ میں یہ دشواری پیش آتی ہے۔ اگر کوئی معلم کسی سے نفرت کرتے ہوئے کسی کے گھر سے کھانا یا چائے وغیرہ نہ پیئے۔ تو وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ معلمین ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ تو نفرت کسی کو قریب نہیں ہونے دیتی بلکہ دور کرتی ہے۔

اور اگر کھا پی لیں تو مسلمان اور ٹھاکر راجپوت ہم سے نفرت کرتے ہیں کہ یہ لوگ شودروں کے گھروں سے کھا لیتے ہیں اور مسلمانوں اور ٹھاکر راجپوتوں کے طعنوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے ان سے اکثر مکالمہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک ٹھاکر راجپوت سے اس وجہ سے بات چیت ہو رہی تھی میں نے کہا کہ ہمارا مذہب تو یہ کہتا ہے کہ یہ قومیں یہ فرقے یہ صرف پہچان کے لئے ہیں کہ فلاں آدمی فلاں قوم کا ہے۔ اور فلاں آدمی فلاں قبیلہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو وہ شخص زیادہ پسند ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے ڈرے اور اس کے احکام پر عمل کرے۔

آپ لوگ کہتے ہیں ہم ٹھاکر راجپوت اونچ ہیں اور بھیل کوہلی میگواڑ نیچ ہیں۔ میں پہلی بات تو آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اگر قوموں کو دیکھا جائے تو ٹھاکروں اور بھیلوں، کوہلیوں اور میگواڑوں کی ایک ہی قومیں ہیں۔ بعض ٹھاکروں کی قوم چوہان ہے۔ اور بھیل کوہلی، میگواڑ بھی بتاتے ہیں کہ ہماری قوم چوہان ہے۔ اس طرح قومیں ٹھاکروں اور بھیل کوہلی اور میگواڑوں کی ایک ہی ہیں۔ قوموں کے لحاظ سے ٹھاکر راجپوت بھیلوں، کوہلیوں اور میگواڑوں وغیرہ میں ایک قوم ہونے کی وجہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب ایک ہی قسم کے لوگ ہیں اور قوم کے لحاظ سے سب لوگ مشترک ہیں۔ ہمارے نزدیک اگر اونچ ہیں تو سب اونچ ہیں اور اگر نیچ ہیں تو سب نیچ ہیں۔ کیونکہ قومیں سب کی ایک ہیں اور پیدائش کے وقت سب لوگ ایک طرح پیدا ہوتے ہیں اور کسی کے متعلق کوئی چٹھی خدا تعالیٰ نہیں بھیجتا کہ پتہ چل جائے۔ یہ اونچ اور یہ نیچ ہے۔ اگر کسی ٹھاکر کی پیدائش پر خدا تعالیٰ چٹھی لکھ کر بھیجتا ہے تو بتاؤ۔ ورنہ سب ایک جیسے انسان ہیں۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اگر کسی ٹھاکر کو زخم آتا تھا۔ خون سرخ ہی نکلتا ہے۔ اگر کسی بھیل کوہلی یا میگواڑ و کو کوئی زخم آتا ہے تو اس کا بھی خون سرخ ہوتا ہے۔ اور کڑوا پانی بھیلوں کوہلیوں اور میگواڑوں کو کڑوا لگتا ہے تو ٹھاکروں کو بھی وہ کڑوا لگتا ہے۔ اگر پانی میٹھا ہو تو سب کو میٹھا ہی لگتا ہے۔ تو ٹھاکروں کو بھی وہی میٹھا لگتا ہے۔ ہم کو تو کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اگر کوئی فرق ہوتا تو ہم مان لیتے کہ یہ فرق ہے۔ اور ٹھاکر



راجپوت دوسرے لوگوں سے بہتر ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ پسند ہیں جو عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ اور جو لوگ متکبر ہیں ان کو پسند نہیں کرتا۔ جس طرح درختوں کو دیکھو۔ نیچے والی ٹہنیوں کو جو جھکی ہوں تو ان کو پھل زیادہ لگتا ہے اور جو سیدھی اوپر نکل جاتی ہیں اس پر پھل کم لگتا ہے۔ یہی حال تمہارا ہے۔ آپ لوگ بھیلوں کوہلیوں، میگواڑوں سے اپنے آپ کو اونچا سمجھتے ہیں۔ ان کے دس دس بارہ بارہ بچے ہوتے ہیں اور تم لوگ جو اپنے آپ کو اونچ سمجھتے ہو۔ اونچے خاندان کی لڑکیاں تلاش کرتے رہتے ہو۔ اگر وٹہ سٹہ نہ ہو تو تم لوگوں کو شادی کرنے کے لئے رشتہ نہیں ملتا۔ اگر مل بھی جائے تو اس وقت بوڑھے ہونے کی وجہ سے کسی کا ایک بچہ ہوتا ہے اور کوئی ایسے ہی دنیا سے چلا جاتا ہے۔ تمہارے تکبر کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ تم سے ناراض ہے۔ تم لوگ کم ہوتے جا رہے ہو اور دوسرے لوگ جن کو تم شودر سمجھتے ہو وہ زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ بہر حال اس طرح میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی۔

## سنٹر کویا میں سانپ

کیونکہ سانپوں کا ذکر ہر سنٹر کے متعلق کرتا آ رہا ہوں۔ اور اس لئے سنٹر کویا میں جو سانپوں سے واسطہ پڑا اس کا بھی ذکر کرتا ہوں۔ اس سنٹر میں بھی سانپوں سے مقابلہ ہوتا رہا۔ اور خدا تعالیٰ نے سانپوں سے محفوظ رکھا۔ ایک دفعہ میں چوَرا کے اندر ایک چارپائی پر بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا تو کمر کی طرف چورا سے سانپ گرا۔ جو میری کمر سے گزرتا ہوا میرے بالکل قریب سے گزرا۔ میں نے دیکھا تو اس کو جلدی سے مار دیا۔ ایک دفعہ میں چورا کے اندر بیٹھ کر روٹیاں پکا رہا تھا تو چورا کی ایک طرف سے پہلے مجھے سانپ کا سر نظر آیا جو میری طرف سوراخ سے باہر نکل رہا تھا۔ میں نے انتظار کیا اچھی طرح سوراخ سے باہر نکل جائے جب باہر آیا تو میں نے اس کو مار دیا۔

ایک بار میں نگر شہر سے واپس آیا۔ اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا۔ میں نے ایک چارپائی

چورا سے باہر نکالی جو چھوٹی چارپائی تھی۔اور بڑی چارپائی اندر تھی جس پر میں رات کو سویا کرتا تھا۔اس پر بستر پڑا ہوتا تھا۔جب میں نے دوسری چارپائی سے بستر اُٹھایا۔بستر کے نیچے سانپ بیٹھا ہوا تھا۔جو چارپائی پر تھا۔جب میں دوسری چارپائی لینے چورا میں داخل ہوا تو سانپ شاپر کی طرح چارپائی پر چمکا۔پہلے تو میں نے سمجھا کہ شاید شاپر ہو جو چمک رہا ہے اور پھر شک پیدا ہوا ایسا نہ ہو کہ سانپ ہو۔اس دن ٹارچ میں جو سیل تھے وہ ٹارچ تھیلا میں رکھی ہوئی تھی۔تو کسی طرح ٹارچ کا بٹن دب گیا تھا۔سارے راستہ میں ٹارچ تھیلا میں روشنی دیتی رہی۔گھر آنے تک سیل ختم ہو چکے تھے۔اور بالکل بہت کم روشنی تھی۔بڑی مشکل سے معلوم کیا کہ سانپ ہے۔میں نے ڈنڈا سے چارپائی پر ہی اس کو مارا اور باہر نکال کر اس کو اچھی طرح ماردیا۔ایک دفعہ بارہ بجے دن کو ایک ٹھاکر راجپوت دوائی لینے آیا تو دوائی پکڑنے لگا تو اوپر سانپ تھا۔اس نے حملہ کیا اور پھنکار مارا۔میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔تو دیکھا تو بہت بڑا سانپ سرخ رنگ کا تھا۔جو چورا کی لکڑیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔قریب ہی کلہاڑی بھی پڑی تھی۔میں نے اس کو مارنا شروع کیا۔بہر حال کلہاڑی اس کو لگ گئی۔اور اس کا سر لکڑیوں سے نیچے کی طرف لٹک گیا۔اور پھر سر پر کلہاڑی ماری اور اس کو لکڑیوں سے کھینچ کر صحن میں لے آیا۔اور اس کو اچھی طرح ماردیا۔وہ اتنا زہریلا تھا کہ وہ ایک گھنٹہ تک ہلتا رہا۔خدا تعالیٰ کا فضل تھا جس نے مجھے بچالیا۔

### میرا بھڑ کا آزاد کشمیر تبادلہ

1994ء میں میرا تبادلہ نگر پارکر سندھ سے میرا بھڑ کا ضلع میر پور آزاد کشمیر میں ہوا۔جماعت احمدیہ میرا بھڑ کا۔ میر پور شہر سے شمال کی طرف 3 کلومیٹر کے فاصلے پر منگلا ڈیم کے کنارہ پر ہے۔وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ستر گھرانے احمدی ہیں اور ان کی تعداد ساڑھے سات سو کے قریب ہے۔یہ لوگ جموں کشمیر کے علاقہ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔اور گورنمنٹ پاکستان نے ان کو وہاں ٹھہرایا تھا۔یہ لوگ بہت مخلص احمدی ہیں۔اور بہت دیندار احمدی ہیں۔اور بہت



ہی ایک دوسرے سے پیار کرنے والے لوگ ہیں۔اور اکثر وہ لوگ اپنی قریبی رشتہ داروں میں رشتہ داریاں قائم کرتے ہیں۔اس وجہ سے ان کا آپس میں پیار اور محبت ہے۔اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں اور دینی تعلیم حاصل کرنے کے شیدائی ہیں۔زیادہ تر عورتیں دینی تعلیم حاصل کرنے کی شیدائی ہیں۔

میں جب ان کے پاس ان کی تعلیم و تربیت کرنے کے لئے گیا۔میرے جانے سے پہلے وہاں محترم محمد حسین خادم صاحب معلم وقف جدید پانچ سال کا عرصہ گذار چکے تھے۔جو قاعدہ یسرنا القرآن پڑھانے کے بڑے ماہر اور ناظرہ قرآن پڑھانے کے بڑے شوقین تھے۔انہوں نے اس جماعت میں بچوں اور بچیوں کو ناظرہ قرآن سکھایا تھا۔میں جب اس جماعت میں پہنچا اور تعلیمی جائزہ لیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی بچوں اور بچیوں کی بہت اچھی تلاوت تھی۔جائزہ کرنے کے بعد محسوس کیا کہ بچوں اور بچیوں کی تلاوت اس طرح خوبصورت اور تلفظ کے ساتھ اچھی ہے کہ اس سے زیادہ صحت کے ساتھ پڑھانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔میں بھی بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کا شوق رکھتا تھا۔اور خیال یہی ہوتا تھا کہ بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کا کام اس طرح کیا جائے کہ پہلے معلمین سے نمایاں کام ہو اور بعد میں آنے والا کوئی معلم بھی اس طرح کا کام نہ کر سکے۔اور میرا نام کام کرنے والوں میں نمایاں رہے۔اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جس جماعت میں بھی میں تعلیم و تربیت کر چکا ہوں۔اس جماعت میں میرا کام نمایاں رہا ہے۔اور کام کو احباب جماعت محسوس کرتے ہیں۔کہ میں نے تعلیم و تربیت کا کام دوسرے معلمین سے بڑھ چڑھ کر کیا ہے۔لیکن جب میں اس جماعت میں آیا تو بہت بڑی جماعت تھی اور محترم محمد حسین صاحب کے تعلیم و تربیت کے کام کو دیکھ کر محسوس کیا کہ یہاں نمایاں کام کرنے کے لئے بڑی محنت کرنا پڑے گی۔جائزہ سے معلوم ہوا کہ ناظرہ قرآن کریم میں تو اس جماعت کے بچوں اور بچیوں کی تربیت پہلے معلمین سے میں زیادہ نہیں کرسکتا۔ایک پہلو میں محسوس کیا کہ

نمایاں کام کر سکتا ہوں۔اس کام میں احباب جماعت کی کمی محسوس ہوئی اور وہ ترجمہ قرآن تھا۔اور محسوس کیا کہ اگر ان لوگوں کو میں ترجمہ قرآن سکھا دوں تو میرا کام ترجمہ قرآن کے متعلق دوسرے معلمین سے نمایاں ہو جائے گا۔ اور میری یاد بھی ان لوگوں میں رہے گی۔اس لئے میں نے خطبہ جمعہ میں اعلان کیا کہ میں ترجمہ قرآن اور گرائمر سکھاؤں گا۔اور احباب جماعت کے بچوں اور بچیوں اور لجنات کو توجہ دلائی کہ ترجمہ قرآن کریم سکھیں اور صدر لجنہ سے رابطہ کیا۔صدر لجنہ محترم مولانا بشیر احمد قمر صاحب (مرحوم) ناظر تعلیم القرآن کی بیٹی تھیں جو لجنات اور ناصرات کی تعلیم و تربیت کا شوق رکھتی تھیں۔انہوں نے میری بہت مدد کی۔اور لجنات اور ناصرات کو توجہ دلائی۔اور 24 لجنات نے ترجمۃ القرآن پڑھنا شروع کیا۔اس کے علاوہ انصار اللہ، اور خدام اور اطفال اور ناصرات کی تعداد ملا کر صرف ترجمۃ القرآن پڑھنے والوں کی تعداد 107 ہو گئی۔ناظرہ قرآن پڑھنے والے بیس افراد اور 70 بچے بچیاں قاعدہ یسرنا القرآن پڑھنے والے تھے۔اور کل تعداد پڑھنے والوں کی 180 افراد تک پہنچ گئی۔

نماز فجر کے بعد درس دیا جاتا تھا۔درس کے بعد اطفال اور ناصرات اور بچیوں کی تعداد 100 کے قریب ہوتی تھی۔ترجمہ قرآن سب کو میں پڑھتا تھا۔اور ناظرہ قرآن پڑھانے میں محترم عبدالرزاق صاحب صدر جماعت معاون ہوتے تھے۔اور قاعدہ یسرنا القرآن پڑھنے والوں کو دو خدام مدد کرتے تھے۔اور ناصرات کو ترجمہ قرآن میں خود پڑھاتا تھا۔اور دو عورتیں ناصرات کو ناظرہ قرآن کریم اور قاعدہ یسرنا القرآن پڑھاتی تھیں۔ 10 بجے لجنات کی ترجمہ کلاس لگائی جاتی تھی۔اور نماز مغرب کے بعد اطفال اور بچوں کی کلاس خدام لگاتے تھے۔وہ اطفال کو دینی معلومات، نماز ناظرہ اور ترجمہ سکھاتے تھے۔نماز عشاء کے بعد مشترکہ انصار اور خدام کی کلاس لگائی جاتی تھی۔اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی تعلیم و تربیت کا کام اچھی طرح ہونا شروع ہو گیا تھا۔



## عیدوالے دن ربوہ پہنچنے کے لیے غیبی مدد

نماز عیدالفطر پڑھانے کے بعد میرا بھڑکا سے روانہ ہوا کہ اپنے گھر ربوہ جاؤں۔میر پور سے لاری پر گوجرانوالہ اور گوجرانوالہ سے حافظ آباد پھر حافظ آباد سے پنڈی بھٹیاں سورج غروب ہونے کے بعد پہنچا اور چنیوٹ کے لئے گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد محترم اللہ دتہ طاہر صاحب معلم وقف جدید اور ایک مربی صاحب اپنی جماعتوں سے عید پڑھا کر پنڈی بھٹیاں پہنچ گئے اور گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔سردی کا موسم تھا اور موسم بھی خراب تھا۔بادل چھائے ہوئے تھے۔بارش کا امکان تھا۔بہت انتظار کیا۔عید کی وجہ سے کوئی گاڑی چنیوٹ کی طرف جانے والی نہ ملی۔آخر کار مشورہ کیا گیا کہ سپیشل ٹیکسی کرائی جائے جو ہمیں ربوہ چھوڑ کر آئے۔ایک ٹیکسی والے سے بات کی۔اس نے کہا کہ میں 600 روپے لوں گا۔میں آپ کو ربوہ چھوڑ آتا ہوں۔ہم نے کہا 450 روپے لے لو اور ہمیں ربوہ چھوڑ آؤ۔لیکن اس نے یہی کہا کہ میں 600 روپے ہی لوں گا ورنہ نہیں جاؤں گا۔کوئی گاڑی مل نہیں رہی تھی۔مجبور ہو کر کہا کہ ہم 600 روپے ہی دیں گے ہمیں ربوہ چھوڑ آؤ۔اس نے ہمیں گاڑی میں بٹھایا اور کہا کہ میں اڈہ سے کسی آدمی کا پتہ کرتا ہوں۔اگر کوئی میرے ساتھ جانے والا آدمی مل گیا تو چھوڑنے جاؤں گا۔حالات بہت خراب ہیں۔ایسا نہ ہو کہ کوئی آدمی راستے میں گاڑی ہی چھین لے۔اس نے اڈہ سے کوئی آدمی تلاش کرنے کی کوشش کی۔لیکن کوئی آدمی نہ مل سکا۔اس نے ہمیں گاڑی سے اتار دیا اور کہا کہ میں اس وقت اکیلا نہیں جا سکتا۔ہم جب گاڑی سے اتر گئے تو کوئی سہارا نظر نہ آیا۔کہ کس طرح ربوہ پہنچ جائیں۔

اللہ دتہ طاہر صاحب نے کہا کہ اب دعا کے سوا اور کوئی چارہ نہیں اور مجھے کہا کہ آپ بڑے ہیں آپ دعا کروائیں۔تینوں مل کر دعا کرتے ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ قبول کرے اور ہمارے گھر پہنچنے کے اسباب پیدا ہو جائیں۔میں نے دعا کروائی اور ہم تینوں نے دعا کی

اے خدا اب تو ہی مدد کرنے والا ہے۔ ہمارے ربوہ پہنچنے کے اسباب پیدا فرما۔ تو ہی ہماری دعاؤں کو سننے والا ہے اور بڑی عاجزی سے دعا کی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹینکر آیا جو کراچی جانے والا تھا۔ میں نے اس کو اشارہ کیا کہ ہمیں بھی لے جائے۔ تھوڑی دور جا کر اس نے ٹینکر کھڑا کر دیا اور مجھے بلایا کہ بابا جی آجاؤ۔ کوئی اور آدمی بھی ساتھ ہے تو اسے بھی لے آؤ۔ میں نے مربی صاحب اور اللہ دتہ طاہر صاحب کو آواز دی کہ آجاؤ ٹینکر والے بلا رہے ہیں۔ ٹینکر میں ڈرائیور کی سیٹ کے علاوہ سیٹیں تھی۔ جس میں پانچ چھ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ اس میں رضائیاں بھی تھیں۔ انہوں نے کہا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اوپر رضائیاں لے لو۔ سردی بہت ہے۔ ہم گاڑی میں بیٹھے اور رضائیاں اوپر لے لیں۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ہمارا ارادہ تھا کہ ہم کرایہ اس کو دے دیں گے۔ جب ہم ریلوے پھاٹک چنیوٹ کے پاس پہنچے تو مربی صاحب نے کہا کہ ان سے پوچھیں کہ کتنا کرایہ دیں کیونکہ اس نے چنیوٹ سے سیدھا جھنگ جانا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کرایہ کتنا دیں۔ ڈرائیور کہنے لگا کہ ہم نہیں لیں گے۔ آپ ہمارے لیے دعا کر دیں۔ ہم نے اس کو بہت دعائیں دیں۔ تحصیل چوک چنیوٹ سے ہم چل کر لاری اڈہ پر پہنچے اور انتظار کرنے لگے کہ کوئی گاڑی فیصل آباد سے سرگودھا جانے والی مل جائے انتظار کرنے کے بعد ایک ٹیکسی والے کو ملے اور اُسے کہا کہ وہ ہمیں ربوہ چھوڑ آئے۔ ٹیکسی والے نے 200 روپے مانگے۔ ہم نے کہا کہ 150 روپے لے لو۔ ہمیں ربوہ چھوڑ آؤ۔ اس نے انکار کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک کار آئی میں نے اس کو اشارہ کیا اس نے کار روک لی اور میں نے کہا کہ ہمیں ربوہ چھوڑ آؤ۔ اور پوچھا کہ کتنے روپے لوگے۔ اس نے کہا کہ یہ ٹیکسی نہیں ہے۔ وہ یہ کہہ کر آگے نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی موڑ کر اس نے ہمارے پاس لا کر کھڑی کر دی۔ وہ کہنے لگا کہ یہ ٹیکسی نہیں ہے کار میں بیٹھ جاؤ میں تم کو ربوہ چھوڑ آتا ہوں۔ میں ان کے ساتھ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مربی صاحب اور اللہ دتہ طاہر صاحب پیچھے والی سیٹ پر



بیٹھ گئے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ عید کا موقعہ ہے۔ یہ شخص ٹیکسی والا بھی نہیں ہے اور کہتا ہے کہ میں آپ کو ربوہ چھوڑ آتا ہوں۔ مربی صاحب کے پاس چندوں کی رقم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی اور مصیبت میں پڑ جائیں۔ کچھ پریشانی ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں چنیوٹ کا رہنے والا ہوں۔ کیونکہ چنیوٹ کے مشہور حکیم محمد مصطفیٰ دواخانہ کے بانی بہت مشہور حکیم چنیوٹ میں گذرے ہیں۔ وہ ہمارے رشتہ دار تھے۔ اور احمد نواز بھٹی ایڈووکیٹ ان کے نواسے اور ایک وکیل نثار احمد بھٹی وہ بھی ہمارے رشتہ دار تھے۔ جو چنیوٹ کے رہنے والے تھے۔ اس طرح اور پندرہ بیس گھرانے ہمارے رشتہ داروں کے رہتے تھے۔ جو حکمت یونانی کی وجہ سے مشہور تھے۔ میں نے ان کا ذکر کیا کہ وہ فلاں فلاں ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اس خیال سے بتایا کہ ہم تو ربوہ کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے رشتہ دار چنیوٹ میں بھی رہتے ہیں۔

وہ کار والے جو سیّد تھے وہ ہمارے رشتہ داروں کو جانتے تھے۔ کیونکہ ہمارے خاندان میں میرے سوا کوئی اور احمدی نہیں تھا۔ اور میں احمدی ہونے کے بعد ربوہ آ گیا تھا۔ اس وجہ سے اکثر لوگوں کو علم نہیں ہے کہ اس خاندان میں سے کوئی شخص احمدی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کہتے ہیں میں نے ربوہ جانا ہے۔ ربوہ میں ہمارا گھر ہے تو اس خاندان سے کوئی احمدی نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ چنیوٹ کے رہنے والے جو ہمارے رشتہ دار ہیں ان میں سے کوئی بھی احمدی نہیں ہے۔ ہمارا گاؤں کوٹ بذرالدین۔ بنگلہ بیرانوالہ سے تھوڑی دور پنڈی بھٹیاں کے علاقہ میں نہر جھنگ برانچ کے ساتھ ہے۔ یہاں سے 30 کلومیٹر دور ہے۔ میں وہاں کا رہنے والا ہوں۔ وہاں سے احمدی ہوا تھا۔ احمدی ہونے کے بعد ربوہ چلا گیا تھا۔ میرے سوا ہمارے خاندان میں کوئی احمدی نہیں ہے۔ اس لیے آپ بھی اپنی بات میں سچے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کون سے محلّہ میں رہتے ہیں؟ میں نے انہیں بتایا کہ میں محلّہ دارالشکر کا رہنے والا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ محلّہ دارالشکر کہاں ہے؟ میں نے کہاں

کہ وہ چھنی قریشیاں کے پاس ہے۔وہ گاڑی مسلم کالونی سے موڑ کر دارالنصر سڑک پر لے آیا ۔ڈاکٹر منیر احمد کی کوٹھی کے قریب پہنچا تو گاڑی کھڑی کی اور کہا کہ آپ تو یہاں اتریں گے میں نے کہا ہاں۔جب میں اترنے لگا تو مربی صاحب نے کہا آپ کرایہ پوچھیں۔انہوں نے کہا کہ آپ کو بتایا نہیں تھا یہ ٹیکسی نہیں ہے۔میں تو آپ کو ویسے ہی چھوڑنے آیا ہوں کہ گاڑی نہیں مل رہی تھی اور عید کا موقعہ ہے۔میں نے کہا۔ جزاکم اللہ۔

اس کے بعد وہ اللہ دتہ طاہر صاحب کو مربی صاحب کو ان کے گھروں کے پاس اتار کر واپس چنیوٹ چلا گیا۔مجھے اللہ دتہ طاہر صاحب نے بتایا کہ وہ ہمارے گھر کے پاس اتار گئے تھے۔تو میں نے کہا کہ یہ دعا کا نتیجہ ہے۔جو خدا تعالیٰ نے منظور کر لی تھی۔کہاں وہ کہ ہم نے 600 روپے میں ٹیکسی کرائی تھی جس نے ہمیں اڈہ پنڈی بھٹیاں پر اتار دیا تھا۔اور کہاں یہ کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی کرایہ کے ربوہ پہنچا دیا ہے۔تو یہ دعا ہماری اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تھی۔ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔جو لوگوں کی دعاؤں کو سنتا اور قبول فرماتا ہے۔اور یہی وہ نعمت اور سرمایہ ہے۔جو واقفین زندگی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔

## غفور آباد چنیوٹ میں مولویوں کی مخالفت

عید کے بعد میں نے اپنے سنٹر میرا بھڑ کا جا کر احباب جماعت کی تعلیم وتربیت کرنی شروع کر دی اور اسی طرح کام شروع کر دیا اور اسی طرح کام کرتا رہا۔اور کلاس لگاتا رہا۔جس طرح میں پہلے لکھ چکا ہوں۔دو ماہ کے بعد چھٹی آیا۔تو اپنے گھر پہنچا تو بچوں نے بتایا کہ ان کی والدہ صاحبہ چنیوٹ غفور آباد گئی ہوئی ہیں۔وہاں ہمارے ایک رشتہ دار کی لڑکی سخت بیمار ہے۔جس طرح میں پہلے تحریر کر چکا ہوں۔کہ ہمارے خاندان میں سوائے ہمارے خاندان کے جو ہم ربوہ میں آ چکے تھے۔اور کوئی احمدی نہیں۔لیکن غیراز جماعت کے ساتھ رشتہ داریوں کی وجہ سے کسی بیمار کی عیادت اور کسی کے فوت ہو جانے کے وقت اس کے افسوس کے لیے اپنے رشتہ داروں کے پاس جانا پڑتا ہے۔کیونکہ



میں تو اکثر اپنے گھر میں نہیں رہتا۔وقف زندگی ہونے کی وجہ سے احباب جماعت کی تعلیم وتربیت کے لیے جماعتوں میں اپنے سنٹر میں رہتا ہوں۔میرے بعد میری اہلیہ صاحبہ ہی ایسے موقعوں پر افسوس کرنے چلی جاتی ہے۔اس طرح جب میں گھر آیا تو پتہ چلا کہ اہلیہ صاحبہ ایک رشتہ دار عورت کی عیادت کے لیے غفور آباد چنیوٹ گئی ہیں میں نے سوچا کہ میں بھی جا کر عیادت کر آؤں اور اپنی اہلیہ صاحبہ کو بھی اپنے ساتھ لے آؤں گا۔میں سائیکل پر ربوہ سے روانہ ہوا جب چنیوٹ اڈہ پر پہنچا تو وہاں اہلیہ صاحبہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ ہماری فلاں رشتہ دار بیمار تھی اور میں ان کی عیادت کے لیے آئی تھی وہ فوت ہو گئی ہے۔اچھا ہوا آپ گھر آ گئے ہیں۔آپ بچوں کے پاس جائیں۔میں نے کہا کہ میں بھی وہاں جا کر افسوس کرنا چاہتا ہوں۔اہلیہ صاحبہ نے کہاں وہاں مولوی اکٹھے ہیں۔آپ دعوت الی اللہ کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔وہاں جھگڑا ہو گا۔میں نے کہا میں مولویوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔کہیں اور جگہ بیٹھ جاؤں گا۔اس طرح میں اپنی اہلیہ کے ساتھ غفور آباد چنیوٹ چلا گیا۔وہاں مولوی صاحبان اکٹھے تھے۔اور وہ اچھے خاصے عالم تھے۔صرف ونحو کے ماہر اور حدیث کا کورس بھی کیا ہوا تھا اور مولوی فاضل تھے۔ایک بھائی نے بی اے بھی کیا ہوا تھا۔وہ میرے استاد بھی تھے۔جب میں چک نمبر 119 بھلیر ضلع شیخوپورہ میں مدرستہ القیوم میں پڑھتا رہا ہوں۔

جب میں ان کے گھر گیا تو وہ مجھے گلے لگا کر ملے۔کیونکہ بہت دیر ہو چکی تھی ان کے ساتھ میری ملاقات نہیں ہوئی تھی اور میرا چھوٹا بھائی محمد ریاض صاحب وہ میرے ہمشکل تھے۔انہوں نے سمجھا کہ میرا بھائی محمد ریاض ہے اور وہ مجھے پہچان نہ سکے۔اس وجہ سے انہوں نے میرے ساتھ گلے لگ کر ملاقات کی۔میں تو ان کو مل کر علیحدہ ایک جگہ پر بیٹھ گیا۔جہاں ہماری قریبی رشتہ دار عورتیں بیٹھی تھیں۔جو ہمارے گاؤں سے آئی ہوئی تھیں۔ان میں میرے بھائیوں کی بیویاں اور اہلیہ صاحبہ کی بہنیں بھی تھیں۔میں ان کے

پاس بیٹھ گیا۔ جہاں مولوی بیٹھے تھے وہاں نہ گیا۔

مولویوں کو جب علم ہوا کہ میں وہاں گیا ہوں اور ملاقات کرنے والا وہی ہے تو ان کو بہت غصہ آیا کہ یہ کیوں یہاں آیا ہے۔ ان میں سے ایک مولوی صاحب جو رشتہ میں ہمارے ماموں بھی تھے۔ وہ آئے اور مجھے بلایا۔ کہ آؤ ہماری باتیں سنیں۔ وہ مجھے ایک مکان میں لے گئے۔ اور کہنے لگے کہ آپ نے احمدیت قبول کر کے ہم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ آپ نے ٹھیک نہیں کیا ہے۔ آپ ہمارے عقیدہ میں واپس آجائیں۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ عالم فاضل ہیں۔ آپ ہمیں سمجھائیں۔ آپ کا حق بنتا ہے۔ اگر میں بھول گیا ہوں تو مجھے بتائیں اگر آپ کی بات سمجھ آگئی تو میں واپس آپ کے عقیدہ میں آجاؤں گا ورنہ جو عقیدہ میں نے پسند کیا ہے اس کو نہیں چھوڑوں گا۔ وہ چار پانچ آدمی تھے۔ میں اکیلا تھا۔ میں نے کہا کہ میں پہلے اپنا موقف بیان کرتا ہوں۔ جہاں میں غلطی کروں گا۔ آپ مجھے بتائیں۔ میں نے کہا کہ میری وہی نماز ہے جو میں پہلے پڑھا کرتا تھا۔ میرا وہی کلمہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا ہوں۔ جیسا کہ پہلے پڑھتا تھا۔ میں اسی طرح انبیاء کو مانتا ہوں جیسا کہ پہلے مانتا تھا۔ اور میں اسی طرح صحابہ کو مانتا ہوں جس طرح پہلے مانتا تھا۔ اور اسی طرح اولیاء اور صلحاء کو مانتا ہوں جس طرح پہلے مانتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جو اسلام کے خلاف ہو۔ انہوں نے کہا کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین کہا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ بھی حضرت نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور آپ کے بعد ایک نبی حضرت عیسیٰؑ کا انتظار کر رہے ہیں۔ جو حضرت نبی کریم کے بعد آئے گا۔ باوجود حضرت نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین ماننے کے ایک نبی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور ہم لوگ آپ کو خاتم النبیین مانتے ہیں اگر ہم بھی یہ کہیں کے آپ کے بعد نبی آسکتا ہے۔ تو ہمارے اور آپ کے عقیدہ میں کوئی فرق نہیں۔ مولانا عبدالرؤف



صاحب نے کہا کہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ سے پہلے ہو چکے ہیں وہ باوجود نبی ہونے کے آسکتے ہیں۔ بعد میں کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب وہ بنی اسرائیلی نبی ہیں۔ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آئے تھے۔ وہ صاحب شریعت نبی ہیں وہ آئیں گے تو وہ تو اپنی شریعت کی تبلیغ کریں گے۔ مولانا صاحب نے کہا کہ وہ امتی ہو کر آئیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ امتی کس طرح بن سکتے ہیں۔ وہ تو پہلے نبی تھے۔ ان کو حضرت نبی کریم ﷺ کو آنے سے پہلے نبوت مل چکی تھی۔ امتی نبی تو وہ ہو سکتا ہے۔ جو پہلے نبی نہ ہو۔ اور وہ حضور ﷺ کی پیروی کر کے نبوت کا مقام حاصل کرے۔ حضرت عیسیٰؑ تو حضرت نبی کریم ﷺ کے امتی بھی نہیں بن سکتے۔ بنی اسرائیلی نبیوں میں سے ایک نبی حضرت عیسیٰؑ سے پہلے اور حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق حدیثوں میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے خدا مجھے حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے نبی بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا تھا کہ اس نبی کی امت میں سے نبی ہو گا۔ آپ اس امت کے نبی نہیں بن سکتے تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا۔ اے میرے خدا اگر میں حضرت محمد ﷺ کی امت میں نبی نہیں بن سکتا تو مجھے ان کا امتی ہی بنا دے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تو امتی بھی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ تو تو پہلے ہو چکا ہے اور وہ بعد میں آئیں گے۔ میں نے کہا ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور حضرت نبی کریم ﷺ ہی آخری نبی ہیں۔ مولانا صاحب نے کہا کہ تم حضرت نبی کریم ﷺ کو آخری نبی مانتے ہو تو مرزا صاحب کو کیوں نبی مانتے ہو۔ اگر مرزا صاحب نبی ہوں تو پھر آخری نبی تو مرزا صاحب بن گئے۔ میں نے کہا مولانا صاحب ہم حضرت مرزا صاحب کو اس طرح کا نبی نہیں مانتے جس طرح کے پہلے نبی آئے تھے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو نبوت حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی تھی وہ بلاواسطہ نبوت تھی۔ چاہے وہ شریعت والے نبی تھے چاہے غیر شریعی نبی تھے۔ وہ نبوت حضرت نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکی ہے۔ آپ کے بعد

اس طرح کا نبی نہیں آ سکتا ہے۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ ہی آخری نبی ہیں۔ اب ایسا نبی قیامت تک نہیں آ سکتا۔ اس طرح کے نبیوں میں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں۔

لیکن حضرت محمد ﷺ کا فیض تو ختم نہیں ہوا۔ وہ قیامت تک جاری ہے۔ کیونکہ آپ کا زمانہ قیامت تک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے نبیوں میں سے صدیقوں میں سے شہیدوں میں سے صالحین میں سے ہوں گے۔ اور یہ سب اچھے دوست ہیں۔ تو حضرت مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئی ہیں۔ مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے فنا فی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے آتا ہے اس پر ظلی طور پر نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے۔ کہ نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا۔ لیکن ایک کھڑکی کھلی ہے۔ جو سیرت صدیقی کی ہے۔ جو عشق رسول میں فنا ہو جاتا ہے اس پر نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے۔ اگر میرے اعمال پہاڑوں کے برابر ہوتے اور میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی نہ ہوتا تو یہ مقام مجھے نہیں مل سکتا تھا۔ اور میں حضرت محمد رسول ﷺ کا امتی ہوں۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا — نام اس کا ہے محمد دلبر میرا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں — وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا — وہ جس نے حق دکھایا وہ ماہ لقا یہی ہے

حضرت مرزا صاحب نے جس طرح کا دعویٰ کیا ہے۔ اس سے تو حضرت نبی کریم صلی



اللہ علیہ وسلم کی شان بہت بلند ظاہر ہوتی ہے۔ آپ اپنے فارسی شعر میں لکھتے ہیں۔

جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم نثار کوچئہ آل محمد است
ایں چشمئہ رواں کے بخلق خدادہم
یک قطرہ زبحر کمال محمد است

کہ میرا دل اور میری جان حضرت نبی کریم ﷺ کے جمال پر فدا ہے۔ اور میری خاک آل رسول کے کوچوں پر قربان ہے۔ اور جو علم و عرفان کا چشمہ رواں ہے اور لوگ مجھ سے حاصل کر رہے ہیں۔ یہ حضرت محمد ﷺ کے بھرے ہوئے سمندر کا ایک قطرہ ہے تو امتی نبی تو حضرت مرزا صاحب ہو سکتے ہیں۔ جنہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کے امتی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

مولانا صاحب نے کہا کہ اس آیت میں مع کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی نہیں ہوں گے۔ بلکہ پہلے نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ میں نے کہا کہ اگر یہ ترجمہ کیا جائے۔ تو اس کا یہ مطلب نکلے گا کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے۔ ان کو اطاعت کرنے کا یہ انعام ملے گا کہ وہ خود تو نبی نہیں ہوں گے۔ پہلے نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ خود صدیق نہیں ہوں گے۔ پہلے زمانہ کے صدیقوں کے ساتھ ہوں گے۔ خود شہید یا صالح نہیں ہوں گے بلکہ پہلے زمانہ کے شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے سے کیا فائدہ آپ کو ماننے کا ہوا اور آپ کی اطاعت کا کیا فیض پہنچا۔

مولوی صاحب نے کہا کہ آپ اس طرح کریں کہ اگر ہمارا کوئی آدمی فوت ہو جائے تو ہمارے پاس نہ آیا کریں۔ جب ہمارا تمہارا عقیدہ نہیں ملتا تو آپ ہمارے پاس کیوں آتے ہیں۔ میں نے کہا۔ ٹھیک ہے، ہم اس کے بعد آپ لوگوں کی وفات پر نہیں آئیں گے۔ مولانا صاحب نے کہا آپ اپنی بیوی کو بھی روک لو وہ جب بھی کوئی آدمی مرتا ہے وہ پہنچی ہوئی ہوتی

ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس کو بھی روک دوں گا۔ بلکہ ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔ وہ کہنے لگے چلے جاؤ۔ میں نے وہاں سے جا کر اہلیہ صاحبہ کو کہا کہ برقعہ پہنو واپس چلیں۔ وہ کہنے لگی کہ میں پہلے ہی سوچ رہی تھی۔ کہ مولویوں نے کسی اچھی بات کے لئے نہیں بلایا۔ کوئی لڑائی جھگڑے والی بات ہوگی۔

میری اہلیہ صاحبہ نے برقعہ پہننا شروع کیا۔ ہمارے گاؤں سے جو ہماری قریبی رشتہ دار عورتیں ، میرے بھائیوں کی بیویاں، میری اہلیہ کی بہنیں اور ہمارے چچوں کی بیٹیاں آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایسی بات ہے کہ مولوی کہتے ہیں آپ یہاں سے چلو جاؤ۔ تو ہم بھی یہاں نہیں رہیں گی۔ انہوں نے گھر آئے ہوئیوں کو نکالا ہے۔ بھلا افسوس پر آئے ہوؤں کو بھی کوئی گھر سے نکالتا ہے۔ تو سب عورتوں نے برقعے پہننے شروع کر دیئے۔

جن کے گھر ہم افسوس کرنے گئے تھے۔ وہ ہمارے دونوں میاں بیوی کے تایا کی بیٹی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے گھر آئے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو کچھ نہیں کہا۔ یہ تو مولویوں نے کہا ہے۔ یہ مولوی مر جائیں گے تو ان کے گھر نہ جانا۔ جنہوں نے آپ کو روکا ہے۔ وہ ہمیں منانے لگ پڑے۔ بہر حال میں نے کہا کہ میں چلا جاتا ہوں۔ تو میں اپنی اہلیہ کو وہاں چھوڑ کر ربوہ آ گیا۔ دوسرے دن اہلیہ صاحبہ بھی واپس آگئیں اور میں چھٹی گذار کر دوبارہ اپنے سنٹر میرا بھڑ کا آزاد کشمیر پہنچ گیا۔ میرا بھڑ کا آزاد کشمیر میں دو سال تک رہا۔ بڑے اچھے طریقہ سے کام کرتا رہا۔ لجنات کی کلاس میں سے کچھ عورتوں نے پانچ پارے تک پڑھا۔ تو پڑھنا چھوڑ گئیں۔ بعض بارہ پارے ترجمہ پڑھ کر پڑھنا چھوڑ گئیں۔ نو عورتوں نے مکمل ترجمہ قرآن پڑھا اور میرا تبادلہ تیسری بار نگر پارکر کے علاقہ میں ہو گیا۔ لجنات نے بڑی اچھی دعوت کی اور احباب جماعت نے اچھے طریقہ سے الوادع کیا۔

## تیسری بار نگر پارکر کے علاقہ میں تبادلہ

1997ء میں تیسری بار میرا تبادلہ نگر پارکر سندھ کے علاقہ میں کر دیا گیا۔ اس



وقت نگر پارکر سندھ کے علاقہ کے امیر مبارک احمد شاہ صاحب تھے۔ انہوں نے میری ڈیوٹی کاسبو سنٹر میں لگائی۔ وہاں محمود احمد گل صاحب معلم تھے۔ میرے وہاں پہنچنے کے بعد وہ پنجاب چلے گئے۔ ان کا تبادلہ کر دیا گیا تھا۔ کاسبو سنٹر پانی کے لحاظ سے بہت اچھا سنٹر ہے۔ وہاں کا پانی صاف اور میٹھا ہے۔ وہاں لوگوں نے کنوؤں پر موٹریں وغیرہ بھی لگائی ہوئی ہیں اور پانی کے ذریعہ کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں۔ وہاں کچھ نہ کچھ گندم وغیرہ بھی پیدا ہوتی ہے اور پیاز، تھوم، اور سبزیاں وغیرہ اُگائی جاتی ہیں۔ وہان کھانے کے لئے سبزی مل جاتی ہے۔ نگر پارکر کے علاقہ میں وہاں بھی کچھ سبزیاں کچھ فصلیں پانی پر اگائی جاتی ہیں۔ سبزی مل جانے کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ سندھیا وانڈھیا میں محسن صاحب اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں ان کو سبزی پہنچائی جائے۔

## سندھیا وانڈھیا سبزی لے کر جانا

سندھیا وانڈھیا کاسبو سے تقریباً 25 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جو بارڈر کے کنارے پر ہے۔ اس کی دوسری طرف انڈیا کا علاقہ جو سمندر کا حصہ ہے۔ وہاں سے سمندر شروع ہو جاتا ہے۔ سندھیا وانڈھیا میں رینجرز کی چوکی بھی ہے۔ سندھیا وانڈیا سنٹر میں پکی احمدیہ بیت الذکر ہے اور ساتھ ہی ملحقہ معلم سنٹر ہے۔ رہنے سہنے کے لحاظ سے اچھی جگہ ہے۔ وہاں پانی بھی وافر میسر ہے۔ اس وجہ سے محسن صاحب اپنی بیوی بچوں کو بھی ساتھ لائے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ ہمارے پاس سبزی وغیرہ ہوتی ہے۔ ان کو سبزی وغیرہ دے آتا ہوں۔ ایک باڑی سے سبزی وغیرہ لی اور گھوڑے پر سوار ہوا۔ راستہ میں ایک جگہ پہنچا جہاں مویشوں کو پانی پلانے کے لئے جگہ بنائی گئی ہے۔ تا کہ گھوڑے کو پانی پلالوں۔ گھوڑے کو پانی پلانے لگا تو گھوڑے نے کھانسنا شروع کر دیا۔ پاس ہی ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس نے کہا کہ آپ کے گھوڑے کو زکام ہو گیا اس قریب کی باڑی میں جنگلی بینگن ہیں۔ اس کو اگر دھواں دیا جائے تو گھوڑا ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ ابھی تو میں سندھیا وانڈھیا جا رہا ہوں۔ واپسی پر

بینگن لے کر دھواں دوں گا۔ میں سبزی لے کر سندھیا وانڈھیا پہنچا۔ محسن صاحب کو ملا۔ دوپہر وہاں گزاری۔ نماز ظہر کے بعد وہاں سے اپنے سنٹر روانہ ہوا۔ جب اس جگہ پہنچا جہاں سے گھوڑے کو پانی پلایا تھا۔ وہاں سے پھر دوبارہ گھوڑے کو پانی پلایا۔ وہاں پانی نکالنے کے لیے ایک بہت اونچا پنکھا لگا ہوا تھا جو ہوا کے ذریعہ چلتا رہتا ہے اور نیچے نلکا لگا ہوا ہے۔ جس سے ہوا کے ذریعہ پانی نکلتا ہے۔ وہاں آکر گھوڑے سے اُتر کر میں اس کھیت کی طرف جانے لگا۔ جہاں بتایا گیا تھا۔ کہ جنگلی بینگن ہیں۔ میں اس کھیت میں ایک کھڑکی کھول کر داخل ہوا۔ جو کھیت میں داخل ہونے کے لئے راستہ بنایا ہوا تھا۔ اردگرد باڑ تھی۔ کیونکہ سورج ڈوبنے کے قریب تھا۔ ایک تو مجھے یہ فکر تھا کہ سورج ڈوب گیا تو سانپ وغیرہ نکل آئیں گے۔ میں نے جا کر کھانا وغیرہ بھی پکانا ہے۔ دوسری طرف جلدی تھی کہ کھیت سے جنگلی بینگن لے کر جاؤں۔ اس جلدی میں فکر تھا کہ رات ہو جائے گی۔ میں اس باڑی میں گھوڑے کو لگام سے پکڑ کر پیدل چل رہا تھا۔ آگے سے ایک تحصیل دار آرہے تھے اور اس کے پیچھے پانچ آدمی آرہے تھے۔ جو پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے۔ اور مسلمانوں کا اس علاقہ میں بڑا رعب تھا۔ لوگ ان سے ڈرتے تھے۔ اکثریت ہندوؤں کی ہے۔ اور حکومت مسلمانوں کی ہے۔ اس وجہ سے کیونکہ مسلمانوں کی بہت زیادہ سنی جاتی ہے۔ ہندوؤں کی سنی نہیں جاتی۔ اکثر ہندوؤں کے کام مسلمان کراتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ مسلمان باوجود وہاں دس فیصد ہیں پھر بھی ہندوان سے ڈرتے ہیں۔ تحصیل دار بھی مسلمان تھا۔ اس علاقہ میں تحصیل دار کو مختار کار کہتے ہیں۔ اور وہ عدالتیں بھی لگاتے ہیں۔ اور لوگوں کے مقدمات سنتے اور ان کے فیصلے کرواتے ہیں۔ اور وہ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے دلوں میں تکبر بھی ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بہت بڑا بھی سمجھتے ہیں۔ مجھے تو علم نہیں تھا۔ کہ وہ مختار کار یا تحصیلدار ہے۔ اور میں اپنے خیال میں تھا۔ میں نے ان کو اس وقت دیکھا جب وہ دس پندرہ گز کے فاصلے پر تھے۔ ان کو میرے آنے کی وجہ سے غصہ آرہا



تھا۔ کہ میں راستے پر جارہا ہوں اور یہ شخص آگے گھوڑا لے کر آرہا ہے۔ اور گھوڑے کو لے کر وہاں پیچھے کھڑا کیوں نہیں ہو گیا۔ آگے کیوں چلتا آرہا ہے۔ اس کا میرے ساتھ اُردو میں گفتگو کرنے سے معلوم ہوتا تھا ہے کہ تحصیل دار کو علم تھا کہ گھوڑے والا شخص پنجابی ہے یہ سندھی نہیں ہے۔ ورنہ وہ میرے ساتھ سندھی زبان میں بات کرتا۔ ہوسکتا ہے اس کو ساتھ والے آدمیوں نے بتادیا ہو کہ یہ قادیانی ہے۔

## تحصیل دار سے مجادلہ

میں نے جب تحصیل دار کو قریب آتے دیکھا تو اس کے چہرہ سے تو معلوم ہوا کہ وہ غصہ میں ہے۔ پھر بھی مین نے اس کو السلام علیکم کہا۔ اس نے مجھ کو السلام علیکم کا جواب نہ دیا۔ اُلٹا ڈانٹنا شروع کر دیا کہ میں تحصیل دار ہوں اپنا گھوڑا وہاں کیوں نہیں روکا۔ میں اتنا دلیر تو نہیں تھا کہ چھ ہٹے کٹوں کے سامنے بول سکتا لیکن معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی کہ میں بھی غصہ میں آگیا۔ اس نے اپنا رعب جمانے کے لئے مجھے کیوں ڈانٹا ہے اور ڈرانے کے لئے اپنا عہدہ ظاہر کرتا ہے۔ جس طرح وہ بلند آواز سے وہ مجھے ڈانٹ رہا تھا۔ میں نے بھی اس کو اسی طرح بلند آواز سے کہنا شروع کر دیا۔ مجھے کیا پتہ کہ آپ تحصیل دار ہیں۔ آپ کے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوا کہ آپ تحصیلدار ہیں۔ اگر آپ تحصیل دار ہیں تو مجھے دور سے کہہ دیتے کہ میں آرہا ہوں۔ آپ پیچھے گھوڑا روک دیں تو میں گھوڑا روک دیتا۔ اب جب آپ قریب آگئے ہیں تو آپ نے مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا ہے۔ میں تو آپ کو ایک انسان سمجھ رہا ہوں۔ میں بھی ایک انسان ہوں۔ آپ کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے اور مجھے بھی خدا نے پیدا کیا ہے۔ جب تحصیل دار قریب آگئے تو میں نے گھوڑے کو ایک طرف کر لیا اور کہا کہ گزر جائیں۔ وہ کہنے لگا آپ کون ہیں۔ میں نے کہا میرا جماعت احمدیہ سے تعلق ہے۔ وہ کہنے لگا کہ وہ احمدیہ کیا ہوتا ہے۔ دوسرے آدمیوں کی طرف منہ کر کے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ قادیانی ڈاکٹر ہے۔ وہ خاموشی سے آگے چل پڑا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانی والا پنکھا دیکھنے آئے تھے جو زمین سے دس پندرہ گز

اونچا تھا اور اس کے ہوا کے ساتھ چلنے کی وجہ سے زمین میں نلکا لگایا تھا اس کے ذریعہ زمین سے پانی نکلتا تھا وہ خراب تھا۔ اس کو دیکھنے آئے ہوں گے۔ اور پھر اس نے اسی راستہ پر واپس بھی جانا تھا۔ میں نے ایک لڑکے کو بینگنوں کی تلاش کیلئے بھیجا تھا اور خود گھوڑے کو گھاس چرا رہا تھا۔ وہ راستہ چھوڑ کر کھیت سے ہوتے ہوئے دوسرا راستہ اختیار کر کے گزر گئے۔

بعد میں میں نے سوچا کہ میں نے بڑی غلطی کی ہے۔ میں کیا تھا ایک چھوٹا سا آدمی ہوں اور اکیلا ہوں۔ اگر مجھے پکڑ کر دو تھپڑ لگاتے تو میں کیا کر سکتا تھا۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں جو خلیفہ وقت کی دعائیں ہیں اور جماعت احمدیہ کا رعب ہے جو لوگوں کے دلوں پر ہے اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے اس کے ساتھیوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ یہ قادیانی ڈاکٹر ہے۔ ان کو کیا علم تھا کہ کہ یہ کالج کا پڑھا ہوا ڈاکٹر ہے۔ کہ پرائمری پاس ہے اور جاہل ڈاکٹر ہے۔ ڈاکٹر کی بھی کوئی وقعت ہوتی ہے۔ اور پھر میرا ان کے سامنے بلند آواز سے بولنا۔ جس طرح وہ مجھے ڈانٹ رہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی خیال کیا ہو گا کہ یہ چھوٹا سا آدمی ہے۔ اور اس طرح جرأت کے ساتھ ہمارے سامنے بول رہا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی بڑی طاقت ہے۔ وہ اس وجہ سے بھی ڈر گئے ہوں گے۔ اور مجھے انہوں نے مارا پیٹا نہیں تھا بلکہ خاموشی سے آگے نکل گئے۔ سوائے خدا تعالیٰ کے وہاں ہمارا کوئی محافظ نہ تھا۔ اس نے ہی میری حفاظت فرمائی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ آئندہ حکمت سے بات کیا کروں گا (انشاء اللہ) بینگن لے کر میں اپنے سنٹر پہنچا۔ اپنا کھانا وغیرہ پکایا اور گھوڑے کو بیگنوں کا دھواں دیا۔ دو تین ماہ میں نے کاسبو سنٹر میں کام کیا پھر میرا تبادلہ کاسبو سے تھر کے علاقہ اونڈرو میں کر دیا گیا۔ اونڈرو سنٹر دانو داندل کے حلقہ میں ہے۔

## ایک مجلس میں مذاکرہ

ایک بار مجلس میں حیات وفات مسیح پر سوال و جواب ہو رہے تھے اور بحث اس آیت پر تھی کہ مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ کہ لوگوں نے بھی تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ تدبیروں کرنے



والوں میں سے بہتر ہے۔ اس آیت کے متعلق غیر از جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب دنیا میں آئے تھے اور انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو یہودی حضرت عیسیٰؑ کے مخالف ہو گئے اور انہوں نے کوشش کی حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھا کر مارا جائے اور ثابت کیا جائے کہ یہ سچے نبی نہیں تھے۔ اور انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دلوانے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر کی کہ کسی اور شخص کی حضرت عیسیٰؑ جیسی شکل بنا دی اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھا لیا۔ یہودیوں نے اس شخص کو جس کی شکل حضرت عیسیٰؑ جیسی بنا دی گئی تھی انہوں نے اس کو حضرت عیسیٰؑ سمجھ کر صلیب دلا کر مار دیا۔ اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دلا کر مار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں کی تدبیر سے بچا لیا اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر بہتر رہی۔

تو فریق ثانی اس آیت کی یہ تشریح کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ اور یہودی اپنی تدبیر میں ناکام ہو گئے۔ اس کے جواب میں میں نے کہا کہ اس کی جو تشریح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تدبیر کر کے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر بلا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر میں بہتر ہے۔ اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو دنیا میں نبی بنا کر کیوں بھیجا تھا اور یہودیوں نے آپ کی مخالفت کیوں کی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو اس لئے بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کی طرف لے آئیں۔ اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کے احکام سنائیں۔ اور ان پر عمل کرنے کی تلقین کریں۔ تو جن لوگوں کی طرف وہ نبی ہدایت لے کر آتا ہے۔ وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنے عقیدہ میں درست ہیں ہمارے ماں باپ بھی اس عقیدے پر قائم تھے۔ یہ تو ہمارے عقیدہ کے خلاف باتیں بتاتا ہے۔ ہمارے ماں باپ دادے جس طریقہ پر چل رہے تھے۔ ان طریقوں کو چھڑا کر ہمیں اپنے طریقے سکھاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ نبیوں کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔ جو لوگ نبیوں پر

ایمان لاتے ہیں۔ان کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔اس وجہ سے وہ چاہتے ہیں کہ نہ نبی دنیا میں رہیں اور نہ لوگوں کو تبلیغ کر کے پرانے دین سے ہٹائیں اس وجہ سے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس نبی کو ختم کریں اور نبیوں کے خلاف تدبیریں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ تدبیریں ہر زمانہ میں ہوتی ہیں۔ جب بھی کوئی نبی خدا تعالیٰ کے دین کو دنیا میں قائم کرنے لئے آیا اس کے مخالفین نے اس کو ناکام کرنے کی کوششیں کیں۔لیکن خدا تعالیٰ جو نبی دنیا میں لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے۔اس کی مدد کرتا ہے اور جس کام کے لئے اس نبی کو بھیجتا ہے اس کو کامیاب کرتا ہے۔اور وہ نبی کامیابی کے ساتھ اس کام کو کرتا ہے جس کے لئے اس کو بھیجا جاتا ہے۔اور کوئی نبی ناکام نہیں ہوا۔خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے متعلق وعدہ فرمایا ہے، كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ (المجادلہ:58) قوی عزیز اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے۔اور یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ طاقت والا اور غالب ہے۔ جتنے انبیاء دنیا میں آئے ہیں۔ ہر نبی کو ان کے مخالفین نے کوشش کی ان کو اپنی کوششوں سے ناکام کر دیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو کامیاب کیا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ جب دنیا میں آئے تو ان کے مخالفین نے بھی آپ کی مخالفت کی اور آپ کے ماننے والوں کی بھی مخالفت کی جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کام صرف مخالفت کرنے سے ہی ختم نہیں ہوگا۔ان کے بانی کو ہی نعوذ باللہ ختم کر دیا جائے۔ اور اکٹھے ہو کر منصوبہ بنایا جس کا قرآن کریم کی سورۃ توبہ آیت نمبر 21 میں ذکر ہے۔اور ان الفاظ کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ کے متعلق بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اور یاد کر جب تیرے خلاف کافر تدبیریں کر رہے تھے تا کہ وہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا وہ تجھے اپنے ملک سے نکال دیں۔

تو یہ تین قسم کی تدبیریں۔ آپ کے مخالفین نے تیار کیں۔اور آخری فیصلہ ان کا یہی تھا



کہ جب آنحضرت ﷺ رات کو گھر سے نکلیں تو آپ کو تلاش کر کے شہید کر دیا جائے تا کہ جس دین کی یہ ہمیں تبلیغ کرتے ہیں وہ سلسلہ ختم ہو جائے۔ کیونکہ آپ کے مخالفین نے آپ کے خلاف تدبیریں کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے مقابلہ میں تدبیر کی۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیروں میں بہتر ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مخالفین نے یہ تدبیر کی کہ آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا کہ رات کو جب آپ اپنے گھر سے باہر نکلیں تو آپ کو شہید کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر کی کہ آپ کو وہاں سے ہجرت کا حکم دے دیا۔اور آپ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ گھر سے نکلتے وقت اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلا دیا جائے۔تا کہ لوگ یہ سمجھتے رہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے بستر پر سوئے ہوئے ہیں۔اور آپؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اپنے گھر سے نکل گئے۔اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے بستر پر سوئے ہوئے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ جب غار ثور کے قریب پہنچے تو دن نکل رہا تھا۔ آپ غار ثور میں داخل ہو گئے۔ جب دن نکلا تو آپ کے مخالفین کو پتہ چلا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے نکل گئے ہیں اور آپ کے بستر پر حضرت علی سوئے ہوئے تھے۔تو انہوں نے اپنے ساتھ ایک کھوج لگانے والا آدمی لیا اور آپ کا پیچھا کیا کہ ان کو تلاش کر کے شہید کر دیا جائے اور وہ غار ثور تک پہنچ گئے۔اور کھوج لگانے والے نے کہہ دیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ اس غار میں ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں اس کے آگے پاؤں کا نشان نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر کی کہ مکڑی کو حکم دیا جس نے غار کے منہ پر جالا بنا دیا اور انہوں نے یہ دیکھ کر کہ اگر کوئی آدمی غار میں داخل ہوتا تو یہ جالا ٹوٹ جاتا وہ اس وجہ سے غار میں داخل نہ ہوئے۔اور ناکام واپس لوٹ گئے۔تو ان کے جانے کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ غار سے نکلے اور تین دن تک سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ میں بفضل اللہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد بھی انہوں نے مخالفانہ تدبیریں کیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیریں کیں۔ آخر حضرت نبی کریم ﷺ کامیاب ہوئے۔ اور آپ کے ماننے والے ساری دنیا پر چھا گئے۔ اور جس کام کے لئے آپ کو بھیجا گیا تھا۔ وہ کامیابی کے ساتھ کر گئے۔ تو اللہ تعالیٰ مخالفین کی تدبیروں کے مقابل پر کامیاب رہا۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کامیاب ہونا اس بات میں ہے کہ جس مقصد کے لئے وہ انبیاء کو بھیجتا ہے۔ وہ اپنا کام پورا کر کے جائیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ کیا ہو کہ حضرت عیسیٰؑ کے مخالفین کی تدبیروں کے مقابلہ میں یہ تدبیر کی ہو۔ کہ ان میں سے کسی اور کی شکل حضرت عیسیٰؑ جیسی بنا دی ہو۔ اور اس شخص کو انہوں نے قتل کر کے یہ سمجھ لیا ہو کہ جس کو صلیب پر مار کر قتل کر دیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰؑ تھے اور وہ ان کے عقیدہ کے مطابق وہ نعوذ باللہ لعنتی موت مر چکے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نکلے گا کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ کرنے کا خود طریقہ نکالا۔ کیونکہ وہ آج تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ صلیب پر مرنے والا شخص حضرت عیسیٰؑ تھے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰؑ خدا تعالیٰ کے سچے نبی ہوتے تو صلیب پر نہ مرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر واقعی خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اُٹھا لیا ہے۔ تو یہودی یہ چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے اور وہ اس دنیا پر نہ رہیں اور ہمارے عقیدے کے خلاف تبلیغ نہ کریں۔ تو آج دو ہزار سال گزر گئے ہیں انہوں نے ان کو دوبارہ نہیں دیکھا۔ تو وہ اپنی تدبیر کے ذریعہ سے کامیاب ہو گئے۔ اور جس نبی کو خدا تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے بھیجا تھا کہ اس کو قائم کرے۔ یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کو بچانے کے لئے اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا۔ تو پھر وہ خدا تعالیٰ کس طرح اپنی تدبیروں میں کامیاب ہو گیا۔ کامیاب تو وہ اس طرح ہو سکتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں سے محفوظ رکھتے۔ اور جس کام کے لئے ان کو بھیجا گیا تھا۔ وہ کام کر کے جاتے تو



پھر اللہ تعالیٰ اپنی تدبیروں میں کامیاب ثابت ہوتا۔

تو ایک آدمی نے کہا کہ یہودی اور عیسائی دونوں گروہ یہ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت ہو گئے ہیں تو خدا تعالیٰ نے فرمایا ما قتلوہ و ما صلبوہ ولکن شبہ لھم کہ یہودی لوگ نہ تو حضرت عیسیٰؑ کو قتل کر سکے اور نہ صلیب پر چڑھا کر مار سکے لیکن ان کو شبہ ہوا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا ہے۔ اگر ہم یہ نہ سمجھیں کہ ان کی جگہ کوئی اور آدمی تھا جس کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا گیا ہے تو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ نہ وہ صلیب پر فوت ہوئے تو یہ ماننا پڑے گا کہ صلیب پر چڑھایا جانے والا آدمی کوئی اور تھا۔ انہوں نے کہا آپ لوگ تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں جو قرآن کریم کے خلاف ہے۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت ہو گئے ہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ نہیں۔ عیسیٰؑ کی وفات کے متعلق جو حضرت مرزا صاحب نے عقیدہ بیان کیا ہے وہ ایسا عقیدہ ہے کہ اگر اس پر ایمان لایا جائے تو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جتنے جھگڑے ہیں سب ختم ہو جائیں۔ اور اسلام کو قبول نہ کرنے کی سب روکیں ختم ہو جائیں۔ یہودی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ سچے نہیں تھے۔ کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق جو شخص مدعی نبوت صلیب پر یا قتل کر کے مار دیا جائے تو وہ لعنتی سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کا انکار کر رہے ہیں۔

عیسائی بھی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت آدم نے غلطی کی تھی جس وجہ سے وہ گنہگار ہو گئے تھے۔ اور ان کی نسل بھی گنہگار ہو گئی تھی۔ اس نے لوگوں کے گناہ بخشوانے کے لئے لعنتی موت قبول کی۔ اور انہوں نے صلیب پر جان دے کر لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا تھا۔ اور لوگوں کے گناہوں کو بخشوا دیا ہے۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ جو شخص یہ مانتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی جان صلیب پر دے کر لوگوں کے

گناہوں کا کفارہ کر دیا ہے۔ وہ بخشا جائے گا۔ اسی وجہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں مانتے۔ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نہ وہ صلیب دیئے گئے نہ قتل کئے گئے اور ان کی جگہ کو اور ان کی جگہ کوئی اور شخص مارا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور وہ دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ ہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر یہ عقیدہ پیش کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے مخالفین نے یہ تدبیر کی کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا جائے اور ان کی موت لعنتی ثابت کر دی جائے۔ اس وجہ سے انہوں نے اس زمانہ کی حکومت کو بھی حضرت عیسیٰؑ کے خلاف اُکسایا۔ اور ان کے خلاف مقدمہ کر دیا۔ تا کہ ان کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا جائے۔ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے خلاف تدبیریں کیں تو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو بچانے کے لئے تدبیریں کیں۔ پہلی تدبیر تو یہ تھی کہ جو اس زمانہ میں پیلاطوس جج تھا۔ جس کی عدالت میں حضرت عیسیٰؑ کے خلاف مقدمہ تھا۔ اس کی بیوی کو خوابیں آئیں اور وہ حضرت عیسیٰؑ کی معتقد ہو گئیں۔ اس نے اپنے خاوند کو ڈرایا کہ یہ خدا تعالیٰ کا پیارا ہے اگر اس کے خلاف فیصلہ کیا گیا تو تو مارا جائے گا اسی وجہ سے اس کے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔

اس کو یہ خوف بھی تھا کہ اگر میں صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ نہیں کروں گا تو حکومت میرے خلاف ہو جائے گی۔ اس نے اس طریقہ سے فیصلہ کیا کہ وہ خود بھی سزا سے بچ جاوے اور حضرت عیسیٰؑ مرنے سے بچ جاویں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ جمعہ کے روز تیسرے پہر کیا۔ سبت کی رات قریب آنے والی تھی جو یہودیوں کا بہت مبارک دن ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن ہے۔ وہ سبت والے دن کسی کو صلیب پر رہنے نہیں دیتے تھے۔ جب ان کو صلیب پر چڑھایا گیا تو حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ دو چوروں کو بھی صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ وہ صلیب ایسی نہیں ہوتی تھی کہ جیسا کہ آج کل کسی کو گلا میں پھندا دے کر مارا جاتا ہے۔ وہ لکڑی کی صلیبیں ہوتیں تھیں۔



جیسا کہ عیسائیوں کے گھروں میں نشان کے طور پر رکھی جاتی ہیں۔

صلیب پر چڑھا کر ہاتھوں اور پاؤں پر کیل لگا دیئے جاتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آندھی اور جھکڑ آیا جس کی وجہ سے اندھیرا چھا گیا۔ سبت کی رات شروع ہونے والی تھی۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ ان کو صلیب پر سے اتار لیا جائے۔ دوسرے دو چوروں کی تو ہڈیاں توڑ کر مار دیا گیا تھا اور حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مارا گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔ ان کے حواری ان کو اٹھا کر لے گئے اور ایک غار نما قبر میں رکھا۔ اور ان کا وہاں علاج وغیرہ کیا گیا۔ اور جس مرہم سے علاج کیا گیا وہ مرہم عیسیٰؑ کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ بے ہوش گئے تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں نے سمجھ لیا کہ وہ فوت ہو گئے تھے۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ نہ وہ صلیب کی موت مرے تھے۔ اور نہ قتل ہوئے۔ کیونکہ مصلوب وہ ہوتا ہے جو صلیب پر چڑھنے کی وجہ سے فوت ہو جائے۔ اور مقتول بھی وہی ہوتا ہے جس کو کوئی آلہ مارنے سے مر جائے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ صلیب کی وجہ سے فوت نہیں ہوئے تھے۔ بے ہوش ہو گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ شبہ سے مسلمان نے یہ سمجھ لیا کہ مرنے والا کوئی اور شخص تھا۔ اصل میں صلیب پر چڑھنے والے حضرت عیسیٰؑ ہی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے انہیں بچا لیا۔

پھر قرآن کریم کی سورۃ مومنون آیت 15 میں آتا ہے کہ وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ کہ ہم نے مریم اور ان کے بیٹے کو ایک نشان بنایا۔ اور ان کو ایک اونچی جگہ پر پناہ دی جو رہنے سہنے کے لحاظ سے اچھی اور چشموں والی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ صلیب کے واقعہ کے بعد جب صحت مند ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس علاقہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ جس کا ذکر حدیثوں میں آتا ہے کہ اے عیسیٰؑ اپنی

جگہ بدل لے ایسا نہ ہو کہ تو پہچانا جائے اور دکھ دیا جائے۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب مسیح ہندوستان میں اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے اور تاریخی واقعات سے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیبی واقعہ کے بعد کشمیر کے علاقہ میں ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور سورۃ مومنین کی آیت سے استدلال کر کے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیبی واقعہ کے بعد ایسے علاقہ میں چلے گئے تھے جو اونچی جگہ ہے اور چشموں والی ہے۔ تو ایسی جگہ تو کشمیر ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے ساتھیوں کو حضرت عیسیٰؑ کی قبر تلاش کرنے کو بھیجا جو سری نگر محلہ خانیار سے مل گئی ہے۔ اور مرزا صاحب نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی راجہ شالباہن سے ایک پہاڑی پر ملاقات ہوئی۔ اور انہوں نے فرمایا کہ میں کنواری کے بطن سے پیدا ہوا ہوں کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کا جب صلیبی واقعہ ہوا ہے اس وقت حضرت عیسیٰؑ کی عمر 33 برس کی تھی۔ جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ہے لیکن حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے کہ وَ اَخْبَرَنِیْ اَنَّ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَ مِائَۃَ سَنَۃٍ ۔ (کنز العمال جلد 4 صفحہ 110) کہ مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ 120 سال زندہ رہے۔ تو ہماری جماعت کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ بے ہوش ضرور ہو گئے تھے۔ جس وجہ سے عیسائیوں اور یہودیوں کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے تھے۔ جس کا ذکر قرآن کریم نے بھی کیا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ صحت یاب ہونے کے بعد اس علاقہ سے ہجرت کر کے 87 سال تک کشمیر میں لوگوں کو تبلیغ کرتے رہے۔ اور جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو بھیجا تھا وہ کر کے طبعی موت سے فوت ہوئے۔ آپ کے مخالفین نے آپ کے متعلق بہت تدبیریں کیں کہ ان کو ناکام کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کے مطابق ان کو بچا لیا اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر میں بہتر ہے۔ تو جو عقیدہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق حضرت مرزا



صاحب نے بیان کیا ہے اگر یہودیوں کو سمجھ آ جائے تو یہودی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا سچا نبی مان سکتے ہیں۔ اور عیسائیوں کا کفارہ والا عقیدہ بھی جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اسلام قبول کرنے کے قریب ہو جائیں گے۔ اگر مسلمان سمجھ لیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ نہیں ہیں۔ وہ بھی دوسرے نبیوں کی طرح فوت ہو گئے ہیں تو مسلمانوں کو بھی حضرت مرزا صاحب کو مثیل مسیح ماننا آسان ہو جاتا ہے۔ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہودیوں نے بھی تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہی بہتر رہی۔ اس کا صحیح مفہوم بھی سمجھ آ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مذاہب کو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اصل حقیقت سمجھنے کی توفیق دے۔ اور حقیقی اسلام احمدیت قبول کرنے کی توفیق دے۔ آمین

### اُنڈر وسنٹر میں تبادلہ

اس سے پہلے تو میں نگر پارکر کے علاقہ میں دعوت الی اللہ کا کام کرتا رہا۔ جس کو پارکر کہتے ہیں۔ پارکر کے علاقہ میں زمین کچھ پکی ہے اور ریت کم ہے اور چلنے پھرنے کے لحاظ سے کچھ آسان ہے۔ دو تین ماہ کے بعد میرا تبادلہ تھر کے علاقہ میں انڈرو سنٹر میں کر دیا گیا جو چلنے پھرنے کے لحاظ سے پارکر کے علاقہ سے مشکل ہے۔ اُونڈر وسنٹر نگر پارکر شہر سے 80 کلومیٹر دور ہے۔ پہلے تو میں اس علاقہ میں رہتا رہا۔ جس علاقہ میں اکثریت کوہلیوں، میگواڑوں اور ٹھاکروں کی تھی اور تھر کے علاقہ میں اکثریت بھیلوں کی ہے اور مسلمان بھی نسبتاً پارکر کے علاقہ کے تھر کے علاقہ میں زیادہ ہیں۔ چونکہ اس علاقہ میں تعلیم بہت ہی کم ہے اس وجہ سے مذہب کا علم نہ تو ہندوؤں کو ہے اور نہ مسلمانوں کو ہے ہندو بھی ہندو اس لئے ہیں کہ ہندوؤں کے گھر میں پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے۔ ان کو بھی اپنے مذہب کا علم نہیں ہے۔ وہ مسلمان صرف اس لئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور جو کچھ ان کے پاس علم ہے۔ وہ بھی زیادہ سنی سنائی باتوں پر ہے۔

ایک دفعہ میں مسلمانوں کے ایک گاؤں گیا۔ دعوت الی اللہ اس طرح کرنا چاہی کہ ان سے نماز سنی جائے اور ان لوگوں کو علم ہو جائے کہ احمدی جماعت کے لوگوں کی بھی وہی نماز ہے جو دوسرے مسلمان پڑھتے ہیں۔ بعض مسلمانوں سے پوچھا کہ آپ کو نماز آتی ہے تو انہوں نے کہاں کہ ہمیں نہیں آتی۔ میں نے کہا کہ آؤ میں تمہیں نماز سکھاتا ہوں۔ اور میں نے کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح یہ نماز کے لفظ دہرائیں لیکن انہوں نے تو میرے نماز کہلانے پر بھی نماز کے الفاظ نہ دہرائے۔ انہوں نے یہ بھی سنا ہوا ہے کہ جماعت احمدیہ پر غیر مسلم ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ اور یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ میں نے تو سوچا تھا۔ کہ جب ان کو نماز سکھاؤں گا تو یہ ہماری نماز سن کر سمجھیں گے کہ نماز تو وہی ہے جو ہم پڑھتے ہیں۔ انہوں نے تو میرے نماز کہلانے پر بھی نماز کے الفاظ نہ دہرائے۔ شاید انہوں نے سوچا ہوگا کہ یہ لفظ پڑھ کر ہم کو بھی احمدی نہ بنا لے۔ یا ویسے ہی ڈرتے ہوں۔ کہ اگر ہم صحیح طور پر نماز کے لفظ دہرا نہ سکے۔ تو یہ کہے گا کہ مسلمانوں کو نماز بھی نہیں آتی۔ مسلمان بنے پھرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ دوسری بار ہمارے پاس آئیں گے تو ہم سکول کا پڑھا لکھا لڑکا لائیں گے۔ اس کو نماز سکھانا۔ تو ایسے لوگ جن کو نماز بھی نہ آتی ہو۔ اور نماز کہلانے سے بھی وہ نماز کے الفاظ نہ دہرا سکتے ہوں۔ اور وہ سنی سنائی باتوں کی وجہ سے احمدیوں کو غیر مسلم سمجھتے ہوں۔ اور اس وجہ سے نفرت کرتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو دعوت الی اللہ کرنا کتنا مشکل تھا۔ پہلے تو ان کو ان کا عقیدہ بتایا جاتا تھا کہ مسلمانوں کا عقیدہ کیا ہے۔ کہ حضرت پکی ہے اور ریت کم ہے کو وہ زندہ آسمان سمجھتے ہیں۔ اور ہماری جماعت کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ وہ دوسرے نبیوں کی طرح فوت ہو گئے ہیں۔ پھر ان کو جتنی بھی قرآن کریم کی آیات پڑھ کر سناتے جاؤ، حدیثیں سناتے جاؤ وہ یہی کہتے جائیں گے کہ ہم تمہارا عقیدہ نہیں مانیں گے۔ ہم مسلمان ہیں تم کافر ہو۔



ایک دفعہ میں مسلمانوں کے ایک ایسے گاؤں میں گیا کہ اس گاؤں کے کچھ لوگ پڑھے لکھے تھے۔ اور ان کو کچھ نہ کچھ دین کا علم تھا۔ ان کے ساتھ مذہبی بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ اور وہ کوئی نہ کوئی سوال کرتے تھے۔ ان کو وفات مسیح کے متعلق قرآن کریم اور حدیث سے بتایا جاتا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اور آنے والا مثیل مسیح امتی ہے۔ اور امام مہدی اور مسیح ایک ہی وجود ہیں۔ اور وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ ہیں۔ اور ختم نبوت کے متعلق بھی بتایا جاتا کہ ہم نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں۔ اور جو نبوت حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد ختم ہوئی ہے وہ نبوت ہے جو آدمؑ سے شروع ہوئی تھی۔ وہ براہ راست نبوت تھی۔ وہ آنحضور ﷺ کے بعد ختم ہو گئی ہے۔ اور آپ قیامت تک نبی ہیں۔ ان کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔ وہ ختم نہیں ہو گا۔ حضرت مرزا صاحب نے جو دعویٰ کیا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے حضرت نبی کریم ﷺ کے قدموں سے یہ مقام ملا ہے۔ کیونکہ میں جب بھی ان کے پاس جاتا تھا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کو مذہب کا کچھ نہ کچھ علم ہے۔ اور میرا خیال تھا کہ یہ لوگ جماعت احمدیہ کا عقیدہ سمجھ کر احمدی ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ ان کے ساتھ مذہبی ہی باتیں ہوتی تھیں۔ اور دنیوی اور سیاسی باتیں نہیں ہوتی تھیں اور ہمارا علاج معالجہ کا کام بھی ایسا تھا کہ وہ سمجھیں کہ یہ ڈاکٹری کر کے روپے کمانے نہیں آتا۔ چند روپے سے علاج کیا جاتا ہے اور ہمیشہ بات چیت دینی علوم کے متعلق ہوتی تھی۔ اور میری باتوں کا ان کے دل پر بہت زیادہ اثر ہوتا تھا۔ ایک شخص جن کا نام محمد شریف تھا ان نے بھری مجلس میں کہا کہ اس جماعت میں شامل ہونا یا نہ ہونا ایک لگ بات ہے۔ لیکن میں ڈاکٹر صاحب کو دیکھتا ہوں کہ جب یہ ہمارے پاس آتے ہیں یہ سوائے دین کے اور کوئی بات نہیں کرتے۔ دین محمدیؐ کے بارے میں بات چیت کرتے رہتے ہیں۔ اور نیکی کی باتیں کرتے ہیں ایسے لوگ کافر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہم کہتے ہیں کہ جھوٹے ہیں۔ بہر حال انہوں نے احمدیت قبول نہیں کی تھی۔

سنٹر اُونڈرو میں جب میں رہتا تھا۔ میرے گردہ میں سخت درد پیدا ہو گیا۔ بہت

**درد گردہ**

علاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اپنے آپ کو ٹیکے لگائے۔ بڑی سخت تکلیف میں کراہ رہا تھا۔ وہاں کسی معلم کا سنٹر بھی قریب نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہوا۔ حمید ظفر صاحب معلم دانو داندل مشن ہاؤس کے انچارج تھے۔ وہ گاڑی پر دورے پر آئے۔ اور انہوں نے مجھے تکلیف میں دیکھا۔ میرے کلاس فیلو بھی تھے۔ انہوں نے بڑی ہمدردی کی اور مجھے گاڑی پر سوار کر کے مٹھی لائے۔ اور مہدی ہسپتال سے میرا علاج کروایا۔ اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ میں نے کچھ دن مٹھی شہر میں گزارے۔ جب بالکل ٹھیک ہو گیا۔ پھر اپنے سنٹر آ کر کام کرنا شروع کر دیا۔

## اُنڈر وسنٹر میں گھوڑے نے مجھے دولتا مارا

گرمیوں کے موسم میں جب برسات ہوتی ہے اور ہوائیں چلنا رُک جاتیں ہیں بہت حبس ہو جاتا ہے گرمی بھی ہوتی ہے۔ اور کئی قسم کی مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو مویشیوں کو بہت تنگ کرتی ہیں۔ ایسی حالت میں مکھیاں اور مچھر گھوڑوں کو بھی بہت تنگ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے لوگ گھاس وغیرہ جلا کر دھواں دے رہے تھے تا کہ دھوئیں کی وجہ سے مکھیاں اڑ جائیں اور گھوڑوں کو تنگ نہ کریں۔ میرے گھوڑے کو بھی مکھیاں تنگ کر رہی تھیں۔ میں نے بھی آگ جلائی تا کہ گھوڑے سے مکھیاں اُڑ جائیں تو گھوڑا اپنا منہ مکھیوں سے تنگ آ کر بار بار آگ کی طرف لے جاتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ گھوڑے کا منہ جل جائے گا۔ اور پھر اس کو اور زیادہ تکلیف ہو گی۔ اس لیے میں بار بار اس کے منہ کو پکڑ کر آگ سے پیچھے کھینچ لیتا تھا۔ میں نے تنگ آ کر گھوڑے کے منہ پر مکا مار دیا۔ اس پر گھوڑے کو بہت غصہ آیا اور وہ پیچھے ہو کر جس طرح کہ انسان کسی سے بدلہ لیتا ہے اس نے مجھے پچھلے پاؤں سے دولتا مارا۔ جو میری ران پر لگا۔ قسمت اچھی تھی۔ اگر اس کا دولتا پیڑو میں لگ جاتا۔ جس طاقت سے اس نے مارا تھا تو میں وہاں ہی مر جاتا۔ کوئی آدمی بھی پاس نہیں تھا۔ وہاں سے



گوٹھ بھی ایک فرلانگ کے فاصلے پر دور تھی۔ کسی کو پتہ بھی نہ چل سکتا تھا۔ میرا دل بہت گھبرایا اور خوف تھا کہ بے ہوش ہو جاؤں گا۔ بہر حال میں نے اپنے دل کو مضبوط رکھنے کی کوشش کی اور لڑکھڑاتا ہوا اپنے سنٹر کے اندر پہنچا۔ پانی پیا اور گولیاں وغیرہ کھائیں اور ران پر آئیوڈیکس لگائی۔ بہر حال زخم وغیرہ تو نہیں ہوا لیکن گھوڑے کا پاؤں لگنے سے نشان بن گیا اور سوزش ہو گئیں تین ماہ تک درد ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس نے مجھے بچا لیا۔ ورنہ وہاں اور کون تھا۔ جو علاج معالجہ بھی کرتا تھا۔

## گھوڑا خود بڑی مشکل سے بچا

کیونکہ بارش ہونے کی وجہ سے گھاس وغیرہ پیدا ہو گئی تھی۔ گھوڑے کو بغیر باندھے چھوڑا نہیں جا سکتا تھا کہ کہیں گھوڑیوں کے پیچھے نہ بھاگ جائے۔ اس لیے لمبا رسہ ڈال کر کسی جھاڑی کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔ تا کہ گھوڑا ارد گرد گھوم کر گھاس چرتا رہے۔ ایک بار میں نے گھوڑے کی پچھلی ٹانگ سے رسہ ڈال کر ایک جگہ باندھ دیا تا کہ گھوڑا دور دور سے گھاس چرتا رہے۔ گھوڑا ایک اونچے دھڑا پر باندھا ہوا تھا اور قریب ہی نیچی جگہ تھی۔ گھوڑا نیچے کی طرف گیا اور گر گیا۔ اور پچھلی ٹانگ سے باندھا ہوا تھا اس وجہ سے گھوڑے کا منہ نیچے کی طرف ہو گیا تھا اور اس کے لیے وہاں کھڑا ہونا بہت مشکل تھا۔ گھوڑے نے اوپر اٹھنے کی بہت کوشش کی اور اپنی طاقت لگا تا رہا۔ گھوڑا مرنے کے قریب ہو گیا۔ میں بار بار کمرے سے نکل کر گھوڑے کی طرف دیکھ لیا کرتا تھا۔ کہ کہیں گھوڑا رسہ توڑ کر بھاگ نہ جائے۔ میں نے دیکھا کہ گھوڑا نظر نہیں آیا۔ پہلے تو میں نے سمجھا کہ گھوڑا کہیں بھاگ گیا جب۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو گھوڑے کی بہت بری حالت ہو چکی تھی۔ رسہ کھولنے کی کوشش کی وہ ایسی حالت میں کھل نہ سکا۔ پھر دوڑتا گیا کلہاڑی لایا اس سے گھوڑے کا رسہ کاٹ دیا۔ اور کھینچ کر گھوڑے کا پچھلا دھڑ نیچے کو کیا۔ اور اس کو دباتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑے کو ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھول لیں۔ اور اس کو مالش وغیرہ کی۔ اور اس کو کھڑا کیا۔ اور

وہاں سے نکال کر اپنے سنٹر کے اندر لے آیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ جس نے گھوڑے کو بچا لیا۔ ورنہ مرکز کو بتاتے ہوئے شرم آتی۔ اور جماعت کا نقصان بھی ہو جاتا۔ اس کے بعد میں نے گھوڑے کو پچھلے پاؤں سے باندھنا چھوڑ دیا۔ پھر آگے والے پاؤں کو رسہ ڈال کر باندھتا رہا۔ اور اگر دوبارہ گر بھی جائے تو منہ اس کا اوپر کی طرف رہے۔ اور مرنے سے بچا رہے۔ بہر حال گھوڑے کو میں بہت پیار سے رکھتا تھا۔ اس کے چارہ اور پانی کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اس کو نہلاتا تھا اور پیار سے بعض دفعہ گلے لگا کر ملتا تھا جیسا کہ کوئی دوست کسی دوست سے ملتا ہے۔

### والدہ کی بیماری کی خبر

میں اُنڈرو سنٹر میں ہی تھا کہ والدہ صاحبہ کی بیماری کی خبر فون پر مٹھی پہنچی۔ کہ وہ بیمار ہیں اور وہ آپ کو بلا رہی ہیں۔ میرے پاس ایک وفد گاڑی پر انڈرو پہنچا تھا انہوں نے مجھے خبر دی کہ آپ کی والدہ بیمار ہیں اور وہ آپ کو بلا رہی ہے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ گاڑی نگر پارکر شہر کی طرف جانی تھی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ گاڑی پر ہمارے ساتھ نگر پارکر شہر چلے جائیں۔ میرے پاس گھوڑا ابھی تھا میں گھوڑا سنٹر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا کہ گھر گیا تو ایک ماہ تو وہاں رہوں گا اور واپس آنے تک گھوڑے کا برا حال ہو جائے گا۔ اس کو اچھی طرح کوئی نہیں سنبھالے گا۔ اس لئے سوچا کہ گھوڑا نگر پارکر مشن ہاؤس میں چھوڑا جائے۔ تا کہ اس کی دیکھ بھال ہوتی رہے۔ اس لئے میں نے گاڑی والوں کو کہہ دیا کہ آپ چلے جائیں میں گھوڑے پر نگر پہنچوں گا۔

سندھ کی طرف جانے والی گاڑی صبح 6 بجے نگر سے روانہ ہوتی تھی۔ ایک ہی گاڑی تھی میں نے خیال کیا کہ اگر کل صبح جاؤں تو ایک اور رات رہنا پڑے گی۔ والدہ صاحبہ کی کیا حالت ہے۔ اس لئے آج رات کو ہی نگر شہر پہنچتا ہوں۔ وہاں سے صبح 6:00 بجے سندھ کو روانہ ہو جاؤں گا، اور وہاں سے پنجاب اپنے گھر کو روانہ ہو جاؤں گا۔ میں نے والدہ صاحبہ کی بیماری کی خبر سن کر نگر شہر جانے اور وہاں سے پنجاب جانے کی تیاری کی اور جو ضروری



سامان تھا ساتھ لیا اور رات کے 8 بجے اپنے سنٹر سے گھوڑے پر چل پڑا کیونکہ تقریباً 80 کلومیٹر دُور نگر پارکر کا شہر تھا۔ اور راستہ میں جنگلات سے گزر کر جانا تھا اتنا لمبا سفر اکیلے آدمی کے لئے بہت مشکل تھا نہ کوئی راستہ میں کوئی ایسی گوٹھ تھی جہاں کوئی جاننے والا آدمی ہو، سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی سہارا نہیں تھا۔ اس علاقہ میں یہ فکر تو نہیں تھا کہ کوئی آدمی راستے میں مار دے گا اور نہ ہی کسی ڈاکو کا ڈر تھا۔ اس علاقہ میں تو سانپوں یا جنگلی جانوروں کا ڈر ہوتا ہے۔ میں نے کلہاڑی ہتھیار کے طور پر ساتھ رکھ لی۔ اور سفر پر روانہ ہوا سارے راستہ میں ایک جگہ جنگل میں کچھ آدمی ملے جو اپنے مویشی چرا رہے تھے۔ 8:00 بجے شام روانہ ہوا تھا۔ صبح چار بجے نگر شہر 8 گھنٹے اکیلے سفر کرتا ہوا پہنچا۔ راستے میں خوف تو بہت آیا لیکن خدا سے دعا کرتا ہوا خیریت سے نگر پہنچا جو وفد گاڑی پر آیا تھا وہ بھی حیران ہوا کہ اس نے اتنا لمبا سفر اکیلے کس طرح کر لیا ہے کیونکہ والدہ کی بیماری کا فکر تھا جس نے رات کو سفر کرنے کے لئے دلیر کر دیا اور بہت جلدی تھی کہ جتنا ہو سکے جلدی گھر پہنچوں۔

نگر شہر پہنچ کر صبح چھ بجے نگر شہر سے روانہ ہوا۔ مٹھی پہنچا۔ مٹھی سے حیدر آباد اور حیدر آباد سے دوسرے دن فیصل آباد۔ فیصل آباد سے دارالاحسان اترا۔ وہاں ہمارے سسر صاحب کا دواخانہ تھا۔ وہاں میری اہلیہ صاحبہ کا بھائی تھا۔ اس سے ملاقات ہوئی اور سب حالات دریافت کئے اور والدہ صاحبہ کی خیریت دریافت کی پتہ چلا کہ وہ گری ہیں۔ اور گرنے کی وجہ سے ٹانگ پر چوٹ آئی ہے چل پھر نہیں سکتیں۔ دارالاحسان سے کچھ انجکشن اور گولیاں وغیرہ خریدیں۔ اور والدہ صاحبہ کا علاج شروع کیا۔ ایک ہفتہ کے بعد والدہ صاحبہ نے چلنا شروع کر دیا۔ والدہ صاحبہ احمدی نہیں تھیں۔ لیکن وہ میرے ساتھ بہت پیار کرتی تھیں۔ اور میرے احمدی ہونے کے بعد وہ میرے لئے بہت سہارا تھیں۔ وہ مخالفت کرنے والوں کو بہت ڈانٹ دیتی تھیں۔ اور کہتی تھیں کہ ہمارا بیٹا احمدی ہو گیا ہے۔ تمہارا کیا اس نے بگاڑا ہے۔ اگر اس کی طرف کسی نے ہاتھ بڑھایا تو اچھا نہیں ہوگا۔ بعد میں تو وہ ربوہ بھی آئی

تھیں۔اور بیعت بھی کر لی تھی۔لیکن بیماری کے وقت وہ ابھی احمدی نہیں ہوئی تھیں اور پھر والدہ ہونے کی وجہ سے میرا فرض تھا کہ میں ان کی خبر لیتا اور ان کا علاج کرواتا۔میں ان کی بیماری کی خبر سنتے ہی نگر پارکر کے علاقہ سے روانہ ہوا۔اور ان کے پاس پہنچ کر ان کا علاج کیا اور وہ بہت خوش ہوئیں اور بہت دعائیں دیں۔جلدی علاج کرنے کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے لگیں۔اس کے علاوہ ہماری ایک اور چچی صاحبہ تھیں۔جن کو گرنے کی وجہ سے چوٹیں وغیرہ آگئیں۔ان کی اولاد بھی ان کے پاس تھی۔مگر مناسب علاج نہ کرانے کی وجہ سے وہ معذور ہوگئی تھیں۔اور وہ اسی حالت میں فوت ہوگئیں۔میری والدہ صاحبہ گریں اور میں نے اس کا جلدی آکر علاج کیا تو دوسرے رشتہ دار بھی خوش ہوگئے۔کہ اس کو اپنی والدہ کی بیماری کا کتنا احساس ہوا ہے کہ خبر سنتے ہی وہاں سے دوڑا چلا آیا ہے۔اور اپنی والدہ کا علاج کیا ہے۔وہ چلنے پھرنے کی قابل ہوگئیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس نے مجھے اپنی والدہ کا علاج کرنے کی توفیق دی۔ایک ہفتہ کے بعد میں اپنے گھر ربوہ پہنچا اور اپنی چھٹیاں گزار کر دوبارہ اپنے سنٹر جا کر وہاں کام کرنا شروع کر دیا۔اور اس کے بعد لمبا عرصہ حیات رہیں۔

## والدہ کی وفات

ہمارے خاندان میں سے میری والدہ غلام زینت نے ربوہ آکر بیعت کر لی تھی اور وہ برملا اپنے احمدی ہونے کا اظہار کرتی تھی اور وہ ہمارے پاس تین چار ماہ رہیں۔پھر وہ اپنے گاؤں چلی گئیں۔بیعت سے پانچ چھ ماہ کے بعد اپنے گاؤں میں ان کی وفات ہوگئی۔

ہمارے خاندان کے سب لوگ احمدی نہیں تھے اور نہ ہی دوسرے بہن بھائی احمدی تھے۔انہوں نے ہمیں ان کی وفات کی اطلاع دی تھی لیکن میرے پہنچنے سے قبل ہی جنازے کے ساتھ ہی تدفین ہو چکی تھی۔شاید اس خدشہ سے کہ وہ آئے گا اور اپنی والدہ کا علیحدہ جنازہ پڑھے گا اور جن لوگوں کو ان کے احمدی ہونے کا علم نہیں ان کو بھی پتہ چل جائے گا کہ ہماری والدہ احمدی ہوگئی تھیں۔کیونکہ وہ لوگ تو احمدیت قبول کرنا بھی شرمندگی سمجھتے



ہیں۔بہر حال میں نے سنٹر میں جا کر غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی کہ ہمارے خاندان میں تو اور کوئی احمدی نہیں تھا۔ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کا نام احمدیت میں زندہ رکھنے کے لئے جو ان کا چندہ تحریک جدید اور وقف جدید ان کی زندگی میں لکھوایا تھا اب تک ادا ہو رہا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔آمین

## اُنڈڑو سے ویکا سر تبادلہ

اُنڈڑو سے میرا تبادلہ نگر پارکر کے علاقہ ویکا سر میں ہوا۔چھ ماہ تک میں نے اس سنٹر میں کام کیا۔کیونکہ نگر پارکر سندھ کے علاقہ میں کام لوگوں کو دعوت الی اللہ اور لوگوں کا علاج معالجہ کرنا ہی ہوتا ہے۔پنجاب کی طرح وہ علاقہ نہیں ہے اور نہ وہاں پنجاب کی طرح کا تربیتی کام ہوتا ہے۔اور نہ ہی پنجاب کی طرح کوئی پڑھنے والا ہوتا ہے۔اور میری طبیعت کچھ اس طرح کی ہے کہ پنجاب کے علاقہ میں جب کبھی دیکھتا ہوں جماعتی تعلیم و تربیت کا کام کم ہے اور بچے پڑھنے والے کم ہیں۔اور خیال آتا رہتا تھا کہ ہم نے زندگی وقف کی ہے۔جماعت ہمیں گزارہ الاؤنس بھی دیتی ہے۔ہم جماعت کو کتنا فائدہ پہنچا رہے ہیں۔اگر جماعتی کام برائے نام ہو جاتا تھا تو پریشان ہو جاتا تھا۔کہ ہم جماعت کا کیا کام کر رہے ہیں۔جماعت ہمیں اتنی زیادہ تنخواہ دیتی ہے۔اور ہمارا سارا بوجھ اٹھایا ہوا ہے۔میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔تو یہ فکر تو مجھے ساری عمر رہی ہے۔پھر میرا تبادلہ میرا بھڑ کا آزاد کشمیر سے ہوا تھا۔جہاں مجھے کام کرنے کی بڑی توفیق مل رہی تھی۔اور میں خوش تھا۔اور کچھ نہ کچھ محسوس کرتا تھا۔کہ جو جماعت ہمیں گزارا الاؤنس دیتی ہے۔اس کا کچھ نہ کچھ حق ادا کر رہا ہوں۔کیونکہ نگر پارکر سندھ کے علاقہ میں کام کرنے کی توفیق کچھ اور طرح تھی۔اس وجہ سے میرا وہاں دل نہیں لگتا تھا۔حالانکہ وہاں جماعت بھی پنجاب کی نسبت زیادہ الاؤنس دیتی تھی۔اور علاج معالجہ کرنے کی وجہ سے بھی آمد ہو جاتی تھی۔لیکن جب میں رات کو سوتا تھا تو مجھے خوف آتا تھا کہ جماعت ہمیں اس علاقہ میں تنخواہ بھی زیادہ دیتی ہے۔اور علاج معالجہ کر کے ہم روپیہ بھی کما لیتے

ہیں۔اور وہ بھی اپنی جیب میں ڈالتے ہیں۔اس کے مقابلہ میں جماعت کا کام برائے نام ہے۔تو مجھے بڑی مشکل سے نیند آتی تھی۔کہ مرنے کے بعد خدا کو کیا جواب دوں گا۔کہ میں نے خدا کیلئے کیا کام کیا ہے۔

## نائب ناظم نگر پارکر کا سندھ کا دورہ

ایک رات نائب ناظم نگر پارکر مکرم احسان اللہ چیمہ صاحب ہمارے پاس سنٹر ویکا سر میں دورہ پر آئے اور میرے پاس رات رہے۔میں نے ان کے پاس اس بات کا ذکر کر دیا۔کہ اس علاقہ میں رہنے کی تو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔جماعت نے مجھے گھوڑا بھی دیا ہے۔جس پر میں سفر کرتا ہوں۔اور اس کی خوراک کے 400 روپے ماہانہ بھی دیتی ہے۔اور اس علاقہ میں پنجاب کے علاقہ سے مرکز تنخواہ بھی زیادہ دیتا ہے اور علاج معالجہ کے ذریعہ بھی ہم روپیہ کما لیتے ہیں۔اور جب رات کو مجھے خیال آتا ہے کہ میں جماعت کا کیا کام کر رہا ہوں تو مجھے رات کو نیند بڑی مشکل سے آتی ہے کہ مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔پنجاب میں ہوتے تھے۔دعوت الی اللہ کا کام بھی کرتے تھے۔اور بچے وغیرہ پڑھاتے تھے۔تو دل میں خوشی ہوتی تھی۔کہ کچھ نہ کچھ جماعت کا کام کر رہے ہیں۔میں نے آپ کو اپنے دل کی بات بتا دی ہے۔اب آپ کی مرضی۔دوسری بات یہ ہے کہ سات سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ہم اس علاقہ میں کام کر رہے ہیں اور حیدر آباد سے اس علاقہ میں آجاتے ہیں۔لیکن آج تک ہم نے کراچی نہیں دیکھی۔اگر کراچی شہر بھی دکھا دیا جائے تو یہ بات تو ہم کہنے والے ہو جائیں گے کہ ہم نے کراچی بھی دیکھا ہوا ہے۔

## کراچی کی سیر

مکرم احسان اللہ چیمہ صاحب نے میرا تبادلہ بھی نگر پارکر سندھ کے علاقہ سے کرا دیا اور دوبارہ میرا ابھڑ کا آزاد کشمیر ہو گیا اور انہوں نے میرے تبادلہ کے ساتھ ہی کراچی کی سیر کرنے کا پروگرام بنا لیا۔عید کے موقعہ پر اور بھی معلمین پنجاب میں مٹھی آنے والے تھے۔انہوں نے سب معلمین کو مٹھی بلا لیا۔اور سب کو



مرکز کی گاڑی پر سوار کیا اور کراچی لے گئے اور سب معلمین کو کراچی کی سیر کرائی اور واپسی پر جو معلمین پنجاب آنے والے تھے وہ حیدر آباد سے پنجاب آ گئے اور دوسرے اپنے سنٹروں میں واپس چلے گئے۔اور میں عید گزار کر دوبارہ میرا ابھڑ کا ضلع میر پور آزاد کشمیر چلا گیا۔

## دوبارہ میرا ابھڑ کا آزاد کشمیر پہنچنا

میرا ابھڑ کا آزاد کشمیر میں پہلے بھی میں دو سال تعلیم و تربیت کا کام کر چکا تھا۔اور میرے کام پر لوگ بہت خوش تھے۔میرے دوبارہ اس جماعت میں جانے سے احمدی احباب کو بہت خوشی ہوئی اور جو بچیاں میرے پاس ایک بار ترجمہ قرآن پڑھ چکی تھیں ان کو دیکھ کر دوسری بچیوں کے دل میں بھی بہت خواہش پیدا ہو چکی تھی کہ ہم بھی ترجمہ قرآن سیکھیں۔ہم کیوں محروم رہیں۔اس وجہ سے پہلے کی نسبت پڑھنے والے زیادہ ہو گئے اور ترجمہ قرآن سیکھنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔اور میرے لئے اکیلے کام کرنا مشکل تھا۔صبح کے وقت 150 کے قریب اطفال اور ناصرات اور بچے بچیاں پڑھنے والے تھے اور انہوں نے قرآن کریم پڑھ کر سکول بھی جانا ہوتا تھا۔اس لئے میں نے مکرم عبدالرزاق صاحب جو صدر جماعت تھے کو مدد کے لئے کہا وہ پہلے بھی میری مدد کرتے رہے تھے۔وہ اطفال سے ناظرہ قرآن سنتے۔چار خدام ان کی مدد کرتے۔وہ اطفال کو قاعدہ یسرنا القرآن سکھاتے تھے۔

پردہ کی دوسری طرف ناصرات اور بچیاں پڑھنے والی تھیں۔ان میں دو بڑی عمر کی خواتین کو بٹھایا گیا جو ترجمہ قران پڑھ چکی تھیں۔وہ ناصرات اور بچیوں کو ناظرہ قرآن اور قاعدہ یسرنا القرآن پڑھاتی تھیں۔اور بعد میں خود دو رکوع ترجمہ قرآن پڑھ کر جاتی تھیں۔اس طرح صبح کا وقت جو زیادہ مشکل تھا۔تربیت کے لحاظ سے گزر جاتا۔ناشتہ کے بعد آٹھ بجے ان خواتین کی کلاس شروع ہو جاتی تھی جو اپنے گھروں میں رہتی تھیں اور سکول نہیں جاتی تھیں۔پہلے ایک کلاس کی لجنات آتیں۔وہ دو رکوع ترجمہ سناتیں اور دو رکوع ترجمہ قرآن پڑھ کر جاتیں۔ان کے بعد دوسری کلاس آتی اور وہ بھی دو رکوع ترجمہ قرآن سناتیں اور

دورکوع پڑھ کر جاتیں ان کے بعد تیسری کلاس کی خواتین آتیں۔ وہ بھی دورکوع ترجمہ قرآن سناتیں اور دورکوع ترجمہ قرآن پڑھ کر جاتی۔ یہ کلاسز آٹھ بجے شروع ہوتیں اور 10:30 بجے ختم ہوتیں۔ ان کو لگاتار اڑھائی گھنٹے پڑھایا جاتا۔ ان کے علاوہ نماز ظہر سے پہلے ان خدام کی کلاس لگائی جاتی جو روزانہ ایک رکوع ترجمہ قرآن پڑھتے تھے۔ نماز ظہر کے بعد چار استانیاں دورکوع روزانہ سناتیں اور دورکوع ترجمہ قرآن پڑھ کر جاتیں۔ نماز عصر کے بعد چھ لڑکیاں جو کالج میں پڑھتی تھیں آتیں اور دورکوع ترجمہ قرآن سناتیں اور دو رکوع پڑھ کر جاتیں۔ اور یہ سب پڑھنے والے یا پڑھنے والیاں ناظرہ یعنی سادہ قرآن سے سبق سناتے تھے۔ سبق سناتے وقت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی ترجمہ قرآن سے دیکھ کر سبق نہ سنائے۔ نماز مغرب کے بعد خدام اطفال اور بچوں کی دینی معلومات کی کلاس لگاتے تھے۔ جو نماز، قرآن کریم ناظرہ، ترجمہ، دینی معلومات اور دعائے جنازہ وغیرہ یاد کراتے تھے۔ جن کی تعداد ستر تک ہوتی تھی۔ اور نماز عشاء کے بعد مشترکہ کلاس انصار اللہ اور خدام کی لگائی جاتی تھی۔ جو روزانہ ایک یا دو آیتیں ترجمہ قرآن سیکھتے تھے۔ اس طرح روزانہ نو کلاسز لگائی جاتی تھیں اور احباب جماعت کی تعلیم وتربیت کا کام ہو رہا تھا۔ صرف ترجمہ قرآن پڑھنے والے روزانہ تقریباً چودہ رکوع ترجمہ پڑھتے تھے اور چودہ رکوع نیا سبق پڑھتے تھے اور بڑے اچھے طریقہ سے کام کرتا رہا۔

## اجتماع انصاراللہ ضلع میرپور آزاد کشمیر

احباب جماعت کی تعلیم وتربیت کے علاوہ اجتماعات کے وقت میں ورزشی مقابلوں میں بھی شامل ہوتا تھا۔ 1999ء میں ضلع میر پور آزاد کشمیر کا اجتماع انصار اللہ جماعت احمدیہ میرا بھڑکا میں ہوا۔ اس اجتماع میں مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب صدر انصار اللہ پاکستان اور محترم مبشر احمد کاہلوں صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ورزشی مقابلوں میں بھی میں نے بھی حصہ لیا۔ میری عمر اس وقت 55 سال تھی۔ اور مقابلہ



میں 41 سالہ انصار بھی شامل تھے۔ کلائی پکڑنے والے سولہ جوڑے تھے 32 انصار نے حصہ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کلائی میں اول نمبر پر رہا اور چھلانگ میں دوسرے نمبر پر رہا۔ جب چوہدری حمید اللہ صاحب انعام دینے لگے تو کبھی میری طرف دیکھتے اور کبھی مدمقابل خواجہ صاحب کی طرف۔ کیونکہ ان کا قد بھی میرے سے لمبا تھا اور وزن بھی دوگنا تھا۔ چوہدری حمید اللہ صاحب نے ہنستے ہوئے اول انعام مجھے دیا اور لمبی چھلانگ میں دوم انعام مجھے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ورزشی مقابلوں میں بھی ضلعی اجتماع میں اول انعام حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمد للہ

## لجنہ کی ممبرات کا ترجمہ قرآن ختم کرنا

ب 20 خواتین نے لفظی قرآن ختم کرلیا تھا توسب لجنات نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کولندن میں دعا کے لئے خط لکھے۔ اور ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے محمد نواز مومن صاحب سے ترجمہ قرآن سیکھا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مزید ہمیں دینی تعلیم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔ میں نے بھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو دعا کے لئے خط لکھا کہ حضور اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے 20 خواتین کو ترجمہ القرآن کریم سکھانے کی توفیق ملی ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے زیادہ سے زیادہ دینی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔ حضرت صاحب نے لجنہ کے دعائیہ خطوط کے جواب بھی دیئے اور ان کے لئے دعائیں کیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا محبت بھرا خط مجھے بھی مجھے موصول ہوا۔ **الحمد للہ علی ذلک**

بہر حال مجموعی طور پر چار سال میں 26 ممبرات نے میرے ذریعے ترجمہ قرآن سیکھا تھا۔ اس طرح کوئی بچہ پندرویں پارہ میں پڑھ رہا تھا اور کوئی دسویں پارہ میں پڑھ رہا تھا اور بہت سی بچیاں ترجمہ قرآن سیکھ رہی تھیں۔ کام بہت زیادہ تھا بچوں اور بچیوں کو پڑھانے کے علاوہ مطالعہ بھی کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ دعوت الی اللہ بھی کرتا تھا۔ دماغی کام زیادہ کرنے

کی وجہ سے بلڈ پریشر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ سر اور سینہ میں درد شروع ہو گئی اور ربوہ جا کر علاج کرواتا رہا۔ جب کچھ ٹھیک ہو جاتا تھا۔ واپس جا کر کام شروع کر دیتا تھا۔ پھر بیمار ہو جاتا تھا۔ اس وجہ سے میں نے درخواست دی کہ میں اب اتنی بڑی جماعت میں کام نہیں کر سکتا۔ مجھے کوئی چھوٹی جماعت دی جائے۔ تو محترم ناظم صاحب نے میرا تبادلہ چک نمبر 93 ضلع ساہیوال میں کر دیا۔

## چک نمبر 93 ضلع ساہیوال تبادلہ

یہ بالکل چھوٹی جماعت تھی۔ پڑھنے والے بچے بہت کم تھے۔ لیکن باوجود اس کے کہ میں نے درخواست دے کر چھوٹی جماعت میں تبادلہ کرایا تھا۔ لیکن چھوٹی جماعت دیکھ کر کہ اس میں تو پڑھنے والے بہت ہی تھوڑے تھے۔ میں نے چک نمبر 90 جو وہاں سے 5 کلومیٹر کے فاصلہ پر جماعت تھی۔ وہاں بھی پڑھانا شروع کر دیا۔ بہر حال دو ماہ تک میں اس جماعت میں رہا۔ وہاں کا پانی مجھے موافق نہ آیا۔ جس وجہ سے میرے پیٹ میں خرابی ہو گئی۔ میں نے ناظم صاحب کو لکھا کہ اس جماعت کا پانی مجھے نہیں سمایا ہے۔ کسی ایسی جماعت میں میرا تبادلہ کیا جائے جہاں کا پانی ٹھیک ہو۔ تو ناظم صاحب نے میرا تبادلہ گجر ضلع شیخوپورہ میں کر دیا۔ کیونکہ اس جماعت میں میں ایک بار تین سال گزار چکا تھا۔ اور احباب جماعت بھی یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ دوبارہ ان کو ہماری جماعت میں بھیجا جائے۔

## جماعت گجر ضلع شیخوپورہ میں دوبارہ جانا

جماعت احمدیہ گجر میں تین سال پہلے بھی گزار چکا تھا اور یہ سنٹر میرے ذریعہ کھلا تھا۔ اور بڑے اچھے دن گزرے تھے۔ اور اچھی طرح کام کیا تھا۔ اور تبادلہ کے بعد بھی میں وہاں چلا جاتا تھا۔ اس وجہ سے تعلقات اچھے تھے۔ اور وہاں جب میں دوبارہ گیا تو احباب جماعت بہت خوش ہوئے۔ احمدیوں کے علاوہ غیر از جماعت سے تعلقات اچھے تھے۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ میں نے وہاں پھر دوبارہ جا کر تعلیم و تربیت کا کام شروع کر



دیا۔ اور احمدیہ بیت الذکر میں کلاسوں کے علاوہ گھروں میں ترجمہ قرآن کلاسز لگانی شروع کیں۔ گجر گاؤں کے علاوہ ایک ڈیرہ جو 2 کلومیٹر گاؤں سے دور تھا۔ وہاں بھی کلاس لگانا شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعلیم و تربیت کا کام اچھی طرح ہونے لگا۔

## اپنے بھائی اور اہلیہ کے بھائیوں سے مذاکرہ

گجر سے ربوہ جاتے ہوئے۔ دارالاحسان اسٹیشن کے قریب 2 کلومیٹر دور چک نمبر 131 بھچوآنہ ہے۔ جو ضلع فیصل آباد کی حدود میں ہے۔ وہاں میرے سسرال کا گھر بھی تھا۔ تو میں وہاں گیا۔ وہاں میرا چھوٹا بھائی احمد خان بھی موجود تھا اور میری اہلیہ صاحبہ کے دو بھائی بھی اپنے گھر موجود تھے۔ وہاں ہماری مذہبی بات شروع ہو گئی۔ باتیں کرتے ہوئے وحی کے متعلق ذکر چل پڑا۔ کیونکہ وہ تینوں احمدی نہیں تھے۔ ان تینوں کا موقف یہ تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد ہر قسم کی وحی بند ہو چکی ہے اور میں کہہ رہا تھا کہ شرعی وحی بند ہو چکی ہے۔ کیونکہ قیامت تک کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی۔۔ غیر شرعی وحی بند نہیں ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ وہ اس بات پر بہت اصرار کر رہے تھے کہ وحی کا دروازہ قیامت تک بند ہے۔ میں نے کہا حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ آنے والے مسیح پر وحی ہو گی وہ کہنے لگے ہم اس بات کو نہیں مانتے۔ میں نے کہا کہ آپ کو یہ بات ماننی پڑے گی۔ وہ کہنے لگے۔ اچھا ہمیں منوا کر دکھاؤ۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کا عقیدہ ہے کہ امام مہدیؑ آئیں گے۔ وہ تینوں بیک زبان ہو کر بولنے لگے ہاں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام مہدیؑ آئیں گے۔ میں نے کہا کہ جب مہدیؑ پیدا ہوں گے اور بڑے ہوں گے۔ ان کو کس طرح پتہ چلے گا کہ وہ امام مہدی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ ان کو خدا تعالیٰ علم دے گا کہ وہ امام مہدی ہیں۔ میں نے کہا کہ خدا تعالیٰ کس طرح بتائے گا۔ وہ کہنے لگے کہ وحی کے ذریعہ سے۔ میں نے کہا پھر تو آپ نے یہ بات مان لی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد وحی الہام مہدیؑ پر نازل ہو گی۔ تو اگر مرزا صاحب ہی امام مہدی ہوں تو پھر ان پر

بھی وحی نازل ہوسکتی ہے۔ اگر وحی نازل نہیں ہوگی تو امام مہدی کو کس طرح معلوم ہوگا کہ میں امام مہدی ہوں۔ میری اہلیہ کے بھائیوں کا استاد ماسٹر لطیف احمد صاحب ایم اے عربی جو جماعت احمدیہ بہلول پور چک نمبر 132 فیصل آباد میں رہتے تھے اور جماعت کے مخالف تھے اور جماعت کے خلاف بہت اعتراض کرتے تھے۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ ماسٹر صاحب احمدیوں کے خلاف بڑے اچھے مبلغ ہیں۔ تو میری اہلیہ صاحبہ کے بھائیوں نے کہا کہ ہمارے استاد ماسٹر لطیف احمد صاحب سے آپ مذہبی بحث کریں۔ ہم کو تو کوئی مذہبی علم نہیں۔ اگر اس کو بھی آپ لاجواب کردیں تو ہم احمدی ہوجائیں گے۔ میں نے کہا کہ میں ان کے ساتھ بات کرنے کو تیار ہوں۔ فاصلہ ایک کلومیٹر کا تھا۔ سورج غروب ہونے والا تھا۔ ہم تینوں سائیکلوں پر روانہ ہوگئے۔ اور وہاں پہنچ کر مربی صاحب کو ملے۔

## ماسٹر لطیف احمد صاحب سے مباحثہ

اس وقت جماعت احمدیہ بہلول پور ضلع فیصل آباد میں خوشی محمد شاکر صاحب مربی سلسلہ کے طور پر کام کررہے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ ملاقات کی۔ اور بہلول پور آنے کا مقصد بیان کیا کہ میں ماسٹر لطیف احمد صاحب ایم اے عربی سے بات کرنے آیا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ وہ بہت شرارتی آدمی ہے۔ اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں سے حوالے پیش کر کے غلط تشریح کر کے لوگوں کو خراب کر رہا ہے اور وہ چالاک آدمی ہے۔ اگر آپ مناظرہ وغیرہ کرسکتے ہیں تو ان سے بات کریں۔ میں نے کہا میں مناظرہ وغیرہ کرنا نہیں جانتا۔ لیکن کیونکہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سچا سمجھ کر مانا تھا اور میرا یقین ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت بیان کرسکوں گا۔ نماز عشاء سے پہلے ماسٹر لطیف احمد صاحب کو ایک بیٹھک میں بلالیا۔ ماسٹر صاحب آئے اور السلام علیکم کہا۔ میں نے ان کو وعلیکم السلام کہا اور میرے قریب آکر بیٹھ گئے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ وہ کس قسم کے اعتراض کرتے ہیں اور کس طرح سوال کرتے ہیں۔ اُس آتے ہی سوال کیا کہ نبی شروع



سے ہی نبی ہوتا ہے کہ بعد میں نبی بنتا ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ نبی شروع ہی سے نبی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس میں جوہر نبوت رکھ دیتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ مرزا صاحب نے 1901ء میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس سے پہلے وہ نبوت کا انکار کرتے رہے۔ اگر وہ شروع سے ہی نبی تھے تو پہلے نبوت سے کیوں انکار کرتے رہے اور نبی ہوکر جھوٹ بولتے رہے۔

میں نے کہا کہ میری ایک بات پہلے سن لو۔ کہ جو کیکر کا درخت ہوتا ہے اس کا چھوٹا سے بیج ہوتا ہے۔ اور اس چھوٹے سے بیج میں اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے بھی رکھے ہوتے ہیں او اس کے پتے بھی رکھے ہوتے ہیں اور اس کے پھول اور پھلیاں بھی رکھی ہوتی ہیں اور اس کے بڑے بڑے ہونے والے تنے بھی رکھے ہوتے ہیں۔ کیا یک لخت اس بیج میں اس کے بننے والے درخت کے پھول اور پھلیاں اور اس کی ٹہنیاں اور کانٹے اور پتے وغیرہ نکل آتے ہیں۔ یہ بات سن کر مربی صاحب نے جو میرے ساتھ بیٹھے تھے میری ران کو دبایا۔ مطلب یہ تھا کہ آپ نے بہت اچھا طریقہ جواب کا سوچا ہے۔

ماسٹر صاحب کہنے لگے کہ یہ سب کچھ یک دفعہ تو نہیں ہوجاتا۔ آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ تو میں نے کہا کہ جب نبی پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی روحانی جسمانی طاقتیں رکھ دیتا ہے۔ جس طرح حضرت نبی کریم ﷺ شروع سے ہی نبی تھے۔ اور ان کے اخلاق شروع سے ہی نبیوں والے تھے۔ اور ان کے اخلاق کو دیکھ کر پہلے ہی لوگوں نے آپ کو صادق اور امین کا لقب دیا تھا۔ اور آپ کو نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے سچی خوابیں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ اور جب آپ کی عمر چالیس سال ہوگئی تو آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا کہ آپ خدا تعالیٰ کے نبی ہیں۔ پہلے تو وہ لوگوں کو نہیں کہتے تھے۔ کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ جب خدا تعالیٰ نے آپؐ پر ظاہر کر دیا کہ آپ اس زمانہ کے نبی ہیں تو آپؐ نے لوگوں کے سامنے اپنی نبوت کا اظہار کر دیا۔ پہلے تو حضرت نبی کریم ﷺ یہ بھی

کہا کرتے تھے کہ مجھے حضرت یونسؑ بن متیٰ اور حضرت موسیٰؑ پر فضلیت مت دو۔ جب خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ آپؐ تو ساری دنیا کے لوگوں کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر بھیجا گئے ہیں تو آپ نے یہ دعویٰ فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اور میں سب نبیوں سے افضل ہوں اور خاتم النبیین ہوں۔ تو حضرت مرزا صاحب نبی شروع سے ہی تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر کیا کہ آپ اس زمانہ کے مجدد تھے۔ تو آپ نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ ظاہر کیا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے اور آنے والا مسیح امتی ہے اور آپ ہی مثیل مسیح ہیں۔ تو آپ نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ ظاہر کیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے نبوت کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ نبی بھی ہیں۔ تو آپ نے یہ بھی ظاہر کر دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے ایسے مقام تک پہنچا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غائبانہ راز مجھ پر کھولتا ہے۔ اور میں امتی نبی بھی ہوں۔ اور آپ نے جہاں بھی یہ دعویٰ کیا ہے۔ یہی دعویٰ کیا ہے کہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گیا۔ میں امتی نبی ہوں اور غیر شرعی نبی ہوں اور جہاں بھی انہوں نے نبوت کا انکار کیا ہے وہ شرعی نبوت ہے اور وہ ایسی نبوت کا شروع سے لے کر آخر تک انکار کرتے رہے۔

میں نے تو ان کے سوال کے جواب میں کہہ دیا تھا کہ نبی شروع سے نبی ہوتا ہے اور اس کے متعلق میں نے ان کو جواب دے دیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے سوال و جواب کی مجلس ختم ہو گئی۔ ہم چاروں افراد بہلول پور سے واپس چک نمبر 131 آ گئے۔ اور میں رات کو وہیں رہا تھا۔ دوسرے دن ماسٹر صاحب کتابیں اُٹھائے ہوئے کھیتوں میں آ کر بیٹھ گئے اور مجھے وہاں بلوایا اور پھر سوال کیا کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 69 وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡھِمۡ



مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا کے متعلق آپ لوگوں کا جو عقیدہ ہے کہ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا ان پر یہ انعام ہو گا۔ کہ وہ نبی، صدیق اور شہید اور صالح کا مقام پا سکتے ہیں۔ یہاں نبیین جمع کا صیغہ ہے۔ کیا حضرت مرزا صاحب نے جو دعویٰ کیا ہے کہ میں پیروی کرنے کی وجہ سے اس مقام پر پہنچا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے نبوت کے مقام پر فائز کیا ہے کہ اس کے بعد بھی نبی آ سکتے ہیں۔

میں نے کہا کہ حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ آنے والا مسیح نبی اللہ ہو گا۔ تو حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ فرمایا ہے کہ آنے والا مسیح موعودؑ میں ہوں۔ آنے والے ایک نبی کا ذکر حدیثوں سے ملتا ہے۔ ایک تو آ گیا ہے اس پر تو ہم ایمان لے آئے ہیں۔ نبیین ہے تو جمع کا صیغہ جس سے اور نبیوں کے ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ ہو سکتا ہے اور نبی بھی ہوں۔ ایک کو تو ہم نے مان لیا ہے۔ اگر ہماری زندگی میں کوئی آ گیا تو ہم اس کا انکار نہیں کریں گے۔ مثال کے طور پر پھول علیحدہ علیحدہ ہوں تو وہ پھول کہلاتے ہیں۔ ان کو اکٹھا کر دیا جائے تو وہ گلدستہ بن جاتا ہے۔ اور جو گلدستہ کی خوشبو سونگھے تو اس نے سب پھولوں کی خوشبو سونگھ لی۔ کیونکہ قرآن کریم پہلی تمام کتابوں کا مجموعہ ہے اور پہلی تمام کتابوں کی اصلی تعلیم قرآن کریم میں جمع ہے اور تمام نبیوں کے کمالات حضرت نبی کریم ﷺ میں جمع ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ تمام نبیوں کے کمالات کا مجموعہ ہیں اور جس نے حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی کر لی اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے تمام نبیوں کی پیروی کر لی۔

جس طرح گلدستہ کی خوشبو سونگھنے والا تو ایک ہو۔ اور سب پھولوں کی خوشبو سونگھ لیتا ہے اس طرح ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیروی کر کے نبوت کا مقام حاصل کرنے والا ایک ہی ہو۔ کیونکہ ان نے حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی کر کے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ جو تمام نبیوں کے کمالات کا مجموعہ ہیں۔ اور وہ ایک ہی تمام نبیوں کا بروزی طور پر ظل

ہو۔اس لئے حضور نبی کریم ﷺ کی پیروی کرنے والے ایک کے لئے ہی خدا تعالیٰ نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہو اور حضرت مرزا صاحب نے یہ دعویٰ بھی فرمایا ہے کہ

میں کبھی آدم کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں
نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

پھر وہاں سے ماسٹر صاحب اپنے سکول چلے گئے۔ایک سال کے بعد دوبارہ ان کی ملاقات سسر صاحب کے دواخانہ پر دارالاحسان میں ہوئی تو انہوں نے اعتراض کیا کہ حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاول کا خاندان نچلے درجہ کا تھا۔میں نے کہا کہ میرے علم کے مطابق کئی پشتوں سے میرے اس پیارے امام کے خاندان میں حافظ قرآن چلے آرہے ہیں اور وہ حضرت عمرؓ کی نسل سے ہیں۔جو قریشی خاندان ہے اور وہ مشہور حکیم تھے اور عالم فاضل تھے۔انہوں نے کبھی کوئی کمتر کام نہیں کیا۔لیکن مجھے بہت افسوس آپ پر ہے کہ آپ ایم اے عربی ہیں اور عالم بنتے ہیں آپ کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ یہ قومیں اور قبیلے پہچان کے لئے بنائے گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کو وہ پسند ہے جو متقی ہو۔وہ کہنے لگے کہ میں نے بات کر کے غلطی کی ہے میں اس کی معافی چاہتا ہوں اس کے بعد پھر میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔بعد میں مجھے پتہ چلا کے وہ خود کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔

## تقریروں میں مقابلہ کیلئے طالب علم کو تیاری

میں گجر ضلع شیخوپورہ میں ہی تھا کہ ماسٹر محمد اصغر صاحب جو گجر کے رہنے والے تھے۔اور کالو کی گاؤں میں ٹیچر تھے آج کل وہ تحریک جدید کے انسپکٹر ہیں۔وہ کالو کی میں پڑھاتے تھے انہوں نے کہا کہ سکول میں سیرت النبی ﷺ کا جلسہ ہے اور تقریری مقابلہ ہے۔آپ بھی تقریر لکھ کر دیں۔میں نے ایک لڑکے کو تقریر کے لئے تیار کرنا تھا۔میں نے ان کو تقریر لکھ کر دی۔ان کے کہنے کے مطابق وہ ساری تقریر تو نہیں سنائی گئی تھی۔اس کا کچھ حصہ سنایا گیا تھا وہ لڑکا جس نے میری لکھی ہوئی تقریر کی تھی۔وہ دوسرے



نمبر پر آیا تھا اور وہ تقریر جو میں نے لکھ کر دی تھی۔دوسرے ماسٹروں نے پڑھ کر کہا کہ یہ تخیل جس طرح حضرت نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ شان بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے بہت اچھا ہے۔اس تقریر سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری تعلیم پرائمری ہے جو علم میرے پاس ہے وہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتابیں پڑھنے سے حاصل ہوا ہے ورنہ میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔

میں نے سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت ربّ العالمین کی تشریح میں تقریر لکھی۔کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ میں ربّ العالمین ہوں۔ربّ کے معنی پیدا کرنے والے اور نشوونما کرنے والے کے ہیں۔کیونکہ لفظ رب اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔اور وہ دنیا میں اپنی صفات کے مطابق کام کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اس طرح ظاہر ہو رہی ہے۔کہ کوئی کام یکدفعہ نہیں ہو رہا۔اس کی پہلے بنیاد رکھی جاتی ہے۔اور پھر وہ آہستہ آہستہ ترقی پذیر ہوتا ہے۔اور ہر طرف اس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ظاہر ہو رہی ہے۔جدھر دیکھیں یہی نظارہ نظر آتا ہے۔کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئے گی۔ہر کام کی ایک بنیاد رکھی جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ وہ اپنے کمال تک پہنچتی ہے۔اگر کوئی مکان بنانا ہو تو ایک ہی دفعہ میں وہ نہیں بن جاتا بلکہ وہ بنیاد رکھنے کے بعد آہستہ آہستہ تیار ہوتا ہے۔اسی طرح انسانی پیدائش ہے۔انسان یک دفعہ پیدا ہو کر جوان نہیں ہو جاتا۔آہستہ آہستہ وہ جوان ہوتا ہے۔اور یہی حال علمی ترقی کا ہے انسان پہلے الف ب شروع کرتا ہے۔آہستہ آہستہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرتا ہے۔اگر حکومتی نظام کو دیکھو کہ اس نے تعلیمی نظام اس طرح قائم کیا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لئے پرائمری سکول بنائے ہیں اور جو بچے پرائمری سکولوں سے پاس ہو جاتے ہیں ان کی علمی ترقی کے لئے ہائی سکول بنائے گئے ہیں۔اور جو بچے ہائی سکولوں سے پاس ہو جاتے ہیں ان کی تعلیمی ترقی کے لئے کالج بنائے گئے ہیں۔او جو بچے کالجوں سے تعلیم مکمل کر لیتے ہیں پاس ہو جاتے ہیں ان کے لئے یونیورسٹیاں بنائی گئی ہیں اور جو مختلف یونیورسٹیوں سے بچے تعلیم مکمل کر لیتے ہیں، وہ ملک کی سب سے اعلیٰ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے

ہیں۔اور جب وہ اپنے ملک کی اعلیٰ یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر لیتے ہیں وہ دنیا کی سب سے اعلیٰ یونیورسٹی جو ساری دنیا کے ملکوں کے بچوں کی اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔اس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔اور یہ کام اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے تحت ہو رہا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔انسان اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے درجہ بدرجہ ترقی کرتا جاتا ہے۔اور آہستہ آہستہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرتا ہے۔یکدفعہ ہی وہ عالم نہیں بن جاتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رب کی تحت روحانی سلسلہ شروع کیا۔شروع میں انسان جو استطاعت رکھتا تھا اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو روحانی تعلیم کے لئے روحانی استاد بنا کر دنیا میں بھیجا اور جس طرح انسان روحانی ترقی کرتا چلا گیا۔ان کی روحانی تربیت کے لئے مختلف ملکوں مختلف قوموں میں اس نے اپنے نبی بھیجے اور ان کی روحانی ترقی کے لئے ان کی استطاعت کے مطابق روحانی تعلیم انبیاء کے ذریعے دنیا میں قائم کرتا رہا ہے۔خدا تعالیٰ نے دیکھا کہ اب میرے بندے اعلیٰ درجہ کی تعلیم پر عمل کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے لوگوں کے لئے اعلیٰ درجہ کا روحانی ادارہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ذریعہ کھولا اور روحانی کورس کے لئے روحانی کتاب قرآن کریم نازل فرمائی تاکہ اس پر عمل کر کے لوگ اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ درجہ کا تعلق قائم کر سکیں۔جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حکومتوں کا تعلیم نظام قائم ہے اور ان اداروں میں درجہ بدرجہ استاد رکھے ہوئے ہوئے۔وہ استاد ہونے کے لحاظ سے سب استاد ہیں لیکن درجوں کے لحاظ سے وہ برابر نہیں۔اب جو چھوٹے اداروں کے استاد ہیں۔ان سے جو اعلیٰ درجہ کا استاد ہے۔جو دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی کا استاد ہے ان کا علم برابر نہیں۔استاد ہونے کے لحاظ سے تو سب استاد ہیں۔لیکن جو اعلیٰ یونیورسٹی کا استاد ہے اس کی اعلیٰ یونیورسٹی میں پڑھنے والے شاگردوں کا بھی علم چھوٹی یونیورسٹی کے استادوں سے زیادہ ہوتا ہے۔اسی طرح سب تعلیمی



اداروں میں پڑھنے والے شاگرد ہی کہلائیں گے لیکن تعلیمی لحاظ سے برابر نہیں۔تعلیمی لحاظ سے جو اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے ان کا علم چھوٹے اداروں کے استادوں سے کہیں زیادہ ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے روحانی ادارے انبیاء کے ذریعہ قائم کئے ہیں۔انبیاء ہونے کے لحاظ سے تو سب انبیاء ہیں۔انبیاء ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ کہ میرے نبیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔لیکن درجوں کے لحاظ سے فرق ہے۔ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔نبی ہونے کے لحاظ سے تو سب نبی ہیں۔لیکن درجہ کے لحاظ سے فرق ہے۔بعض نبی شرعی ہیں۔اور بعض غیر شرعی۔اور بعض نبی قوموں اور ملکوں کے لئے آئے ہیں اور حضرت نبی کریم ﷺ ساری دنیا کی ہدایت کے لئے آئے ہیں۔

اسی طرح امتی ہونے کے لحاظ سے سب نبیوں کے ماننے والے اپنے نبی کو ماننے کی وجہ سے سب امتی ہیں۔لیکن درجات کے لحاظ سے امتیوں میں بھی فرق ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی امت کو اعلیٰ درجہ کی امت کہا ہے۔جس طرح فرمایا کنتم خیر امۃ کہ تم ایک بہترین امت ہو۔اور حضرت نبی کریم ﷺ کی امت کے بزرگوں کا مقام بنی اسرائیلی نبیوں جیسا ہے۔جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل کہ میری امت کے روحانی علماء کا مقام بنی اسرائیل کے نبیوں جیسا ہے۔تعلیمی نظام کی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے روحانی اداروں میں جو انبیاء کے ذریعے قائم کئے ہیں اس تعلیم پر عمل کرنے والوں کے لئے روحانی ڈگریاں رکھی ہیں۔جس طرح اللہ تعالیٰ سورۃ حدید آیت 19 میں فرماتا ہے۔وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَاءِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہ صدیقین اور شہداء کے مقام پانے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو آنحضرت ﷺ سے پہلے انبیاء کی پیروی کرنے والے تین روحانی مقام حاصل کر سکتے تھے۔یعنی صدیق، شہداء اور

صالحین کے مقام پر پہنچ سکتے تھے لیکن جو حضرت نبی ﷺ کی پیروی کریگا اس کے لئے نبوت کا مقام بھی مل سکتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔ صدیقوں میں سے شہیدوں میں سے صالحین میں سے اور یہ سب اچھے دوست ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت کے تحت انسان کی روحانی ترقی کو آہستہ آہستہ ترقی دے کر اعلیٰ مقام تک پہنچایا اور سب سے اعلیٰ درجہ کے روحانی استاد حضرت نبی کریم ﷺ ہیں۔ اور آپ کی امت سب انبیاء کی امتوں سے بہتر امت ہے۔ پہلے انبیاء کی پیروی سے روحانی طور پر صدیق، شہید اور صالح کے مقام تک انسان پہنچ سکتا ہے۔ لیکن حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی سے اعلیٰ درجہ کا روحانی مقام نبوت بھی مل سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

زندگی بخش جام احمد ہے　　کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے
لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا　　سب سے بڑھ کر مقام احمد ہے
باغ احمد سے ہم نے پھل کھایا　　میرا بستان کلام احمد ہے
ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو　　اس سے بہتر غلام احمد ہے

## ایک بچہ کی تعزیت کے موقعہ پر مجادلہ

ایک بار میں اپنے گھر چھٹی پر آیا تو میری اہلیہ صاحبہ نے کہا کہ مٹیلا ہرلاں میں ہمارے ایک رشتہ دار محمد رفیق صاحب کا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔ وہاں جائیں اور افسوس کر آئیں۔ ہم دونوں ربوہ سے سائیکل پر وہاں چلے گئے۔ وہاں جا کر مجھے علم ہوا کہ کل افسوس کے لئے لوگوں نے آنا ہے۔ گھر والوں نے مجھے اور اہلیہ صاحبہ کو کہا کہ کل ہمارے گھر مہمان



آئیں گے۔ آپ ہماری مدد کریں گے ہم دونوں نے کہا کہ جو کام ہمارے ذمہ لگائیں گے ہم کریں گے۔ انہوں نے میری اہلیہ کو کہا کہ آپ نے آنے والے مہمانوں کے لئے پانی بنا کر دینا ہے اور مجھے کہا کہ آپ آنے والے مہمانوں کو پانی پلائیں۔ ہم دونوں نے کہا کہ ہم دونوں یہ کام کریں گے۔ دوسرے دن مہمان آنا شروع ہو گئے۔ اور اہلیہ صاحبہ مجھے میٹھی لسی بنا کر دیتی رہی۔ میں آنے والے مہمانوں کو پلاتا رہا۔ مہمان تو کچھ چنیوٹ سے آئے تھے وہ احمدیت کے مخالف تھے۔ اور کچھ ہمارے اپنے گاؤں کوٹ بدرالدین تحصیل حافظ آباد کے تھے جو ہمارے دونوں میاں بیوی کے قریبی رشتہ دار تھے چنیوٹ والے مہمان بھی رشتہ دار تھے لیکن ذرا دور کے رشتہ دار تھے۔ اس کے علاوہ مولویانہ رنگ کی وجہ سے مخالفت کرتے تھے۔ مخالفت کی وجہ سے ان سے ملاقات کم تھی۔ جو رشتہ دار ہمارے گاؤں سے آئے ہوئے تھے۔ وہ احمدی نہیں تھے۔ لیکن قریبی رشتہ داری کی وجہ سے وہ ہماری زیادہ مخالفت نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی دوسری جگہوں سے مہمان آئے تھے جن کو میں نہیں جانتا تھا۔ جب نماز ظہر کا وقت ہوا۔ وہ بھی گاؤں کی مسجد میں نماز ادا کر کے آئے۔ میں بھی وہاں جا کر نماز ظہر ادا کر کے واپس آیا پچاس ساٹھ افراد درختوں کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کیونکہ جو چنیوٹ کے رشتہ دار تھے وہ جماعت کے مخالف تھے اور وہ ہماری بھی مخالفت کرتے تھے۔ کہ یہ ہمارے خاندان کو چھوڑ کر احمدی ہو گیا ہے۔ اور وہ ہمارا وہاں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ جن کے گھر ہم افسوس کے لئے گئے تھے۔ وہ ہماری مخالفت نہیں کرتے تھے۔۔ وہ ہم سے ملنے کے لئے ربوہ آتے تھے۔ اور کئی دن تک ہمارے پاس رہتے تھے۔ اور چنیوٹ والے رشتہ داراروں کو یہ بھی غصہ تھا کہ گھر والے جن کے گھر ہم افسوس کے لئے گئے تھے وہ ربوہ میں کیوں جاتے ہیں۔ اور وہاں جا کر ہمارے پاس کیوں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے میرے ساتھ شرارتیں کرنا شروع کر دیں۔ کہ یہ دونوں میاں بیوی لڑ جھگڑ کر یہاں سے چلے جائیں گے۔

چنیوٹ والے رشتہ داروں نے مجھے کہا کہ گاؤں والے کہتے ہیں کہ ہماری مسجد میں مرزائی نماز پڑھ کر گیا ہے اس نے ہماری مسجد گندی کردی ہے۔اس کو کہو کہ ہماری مسجد کو دھو دے حالانکہ یہ بات غلط تھی گاؤں والوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔وہ صرف مجھے چھیڑنا چاہتے تھے۔میں نے کہا کہ مسجد تو صاف کردوں گا۔اگر گاؤں کے لوگ مجھے کہیں گے لیکن میں ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ جو آپ لوگوں نے لسی پی ہے وہ میری اہلیہ صاحبہ نے بنائی تھی۔اور میں آپ لوگوں کو پلاتا رہا ہوں۔ہمارے وہاں مسجد میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اگر مسجد پلید ہوگئی ہے تو آپ کے پیٹ بھی پلید ہوگئے ہیں۔ان کی صفائی کے لئے آپ کو جلاب لینا ہوگا۔تاکہ تمہارے پیٹ بھی صاف اور پاک ہوجائیں۔اصل میں وہ ایسی بات کہہ کر مجھے چھیڑنا چاہتے تھے۔دوسرے سب غیر احمدی تھے۔احمدی صرف ہم میاں بیوی تھے۔باتوں باتوں میں انہوں نے ختم نبوت کا مسئلہ چھیڑ دیا۔کہ حضرت نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ان کے بعد نبوت ختم ہوگئی ہے۔مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔جو جھوٹا دعویٰ ہے۔

وہاں پچاس ساٹھ آدمی بیٹھے تھے۔ایسے موقعوں پر غیر از جماعت کے مولوی بھی آئے ہوئے ہوتے ہیں۔میں نے کہا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو خاتم النبیین کہا ہے۔ہم بھلا کس طرح ہوسکتا ہے کہ ان کو خاتم النبیین نہ مانیں۔ہم تو ان کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں۔صرف خاتم النبیین کی جو تشریح ہے اس میں تمہارا اور ہمارا اختلاف ہے۔ہم کہتے ہیں کہ وہ تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے تھے۔اور خدا تعالیٰ کا نبی آنا رحمت ہے۔وہ ایسے خاتم النبیین ہیں جو اپنی پیروی کرنے والوں کو ایسے مقام پر پہنچا دیتے ہیں کہ وہ نبی بن سکتے ہیں۔آپ ان کو ایسا خاتم النبیین خیال کرتے ہیں کہ وہ نبوت کو جو ایک رحمت اور نعمت ہے اس کو بند کرنے والے ہیں۔ہمارے عقیدہ کے مطابق تو حضرت نبی کریم ﷺ کی شان اور بھی بڑھ جاتی



ہے۔جب ہم کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب ان کے غلام بن کر آئے ہیں۔

وہ کہنے لگے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد نبی ہرگز نہیں آسکتا۔میں نے کہا کہ نبی کی تعریف کیا ہے۔وہ میری بات سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ اس کا کیا جواب دیں۔ان کو تو نبی کی تعریف کا بھی علم نہیں تھا۔ایک مولوی صاحب جو کالووال کے تھے وہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔وہ کہنے لگے کہ اس کو منظور احمد چنیوٹی کے پاس لے جاؤ وہ ان کو نبوت کی تعریف بتائے۔میں نے کہا کہ میں نے تو سنا ہے کہ آپ دیوبندی ہیں۔آپ کو یہ علم نہیں ہے کہ نبی کی کیا تعریف ہے۔جب آپ لوگوں کو اتنا بھی نہیں پتا کہ نبی کی کیا تعریف ہے تو اگر کوئی نبی آجائے تو اس کو کس طرح پہچان سکو گے۔اس لئے تو آپ کہتے ہیں کہ نبی نہیں آسکتا کہ ماننا نہ پڑے۔اگر آپ کو کوئی عیسائی یا یہودی کہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی سچائی بتاؤ تو کیا جواب دو گے۔میری بات سن کر چنیوٹ والے رشتہ داروں کو غصہ آگیا۔انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف باتیں کرنا شروع کردیں۔جس وجہ سے مجھے بھی غصہ آگیا اور میں نے کہا کہ اگر اس کے بعد کسی نے گستاخی کی بات کی تو میں دیکھ لوں گا۔وہ تو مجھے اکیلا دیکھ کر ایسی باتیں کرنے لگے تھے۔لیکن جو ہمارے گاؤں سے آئے ہوئے رشتہ دار تھے اور میرے قریبی رشتہ دار تھے انہوں نے میرا ساتھ دیا۔اور کہا کہ بدتمیزی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔حضرت مرزا صاحب کو وہ مانتے ہیں ان کے خلاف باتیں کرنے سے تو اس کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔آپ لوگوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

چنیوٹ والے رشتہ داروں کا خیال تھا کہ لڑائی ہوگی اور میزبان گھر والے کہیں گے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔جب میں نے انہیں کہا کہ ہم واپس جاتے ہیں۔کل جمعہ ہے اور ہم جمعہ ربوہ میں ادا کریں گے۔تو گھر والوں نے کہا کہ ہم آپ کو آج واپس جانے نہیں دیں گے۔اگر آج یہاں سے آپ چلے جائیں گے تو یہ لوگ سمجھیں گے کہ گھر والوں نے نکال دیا ہے۔جب یہ لوگ چلے جائیں گے۔اس کے بعد ہم جانے دیں گے۔اور جمعہ آپ

کوٹ مومن جا کر پڑھ لیں۔ اور ہفتہ کے دن یہاں سے چلے جائیں۔ میں جمعہ کے دن کوٹ مومن چلا گیا۔ وہاں احمدیہ بیت الذکر تلاش کی۔ اس دن مربی صاحب موجود نہیں تھے۔ میں نے ان کو اپنا تعارف کرایا کہ میں معلم ہوں تو صدر صاحب نے کہا کہ خطبہ جمعہ آپ دیں۔ میں نے خطبہ جمعہ میں چند نئے احمدی ہونے والوں کے واقعات سنائے اور کچھ اپنے احمدی ہونے کا ذکر کیا کیونکہ میرے احمدی ہونے کا واقعہ لمبا تھا۔ اس لئے میں نے یہی کہہ کر کہ وقت زیادہ ہو گیا ہے میں اب خطبہ ختم کرنا چاہتا ہوں۔ کوٹ مومن کے صدر جماعت نے کہا کہ اپنے احمدی ہونے کا پورا واقعہ سنا کر خطبہ ختم کریں۔ نماز جمعہ کے بعد سب افراد جماعت میرے گلے لگ کر ملے اور واقعہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

صدر صاحب نے مجھے 20 روپے دیئے کہ آپ راستہ میں چائے وغیرہ پی لیں۔ میں نے تردد کیا لیکن انہوں نے میری جیب میں ڈال دیئے اور میں نماز جمعہ پڑھانے کے بعد واپس آ گیا اور دوسرے دن ہفتہ کے دن ہم ربوہ واپس آ گئے۔

## اپنے بھائیوں کو دعوت الی اللہ

ایک بار ہم اپنے گاؤں کوٹ بدرالدین ضلع حافظ آباد گئے تو اپنے بھائیوں سے مذہبی بات چیت کر رہا تھا اور میں نے ان کو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت بیان کر رہا تھا کہ امام مہدی کا دعویٰ تو اپنی زبان سے ہر کوئی کر سکتا ہے۔ سچا ہو یا جھوٹا۔ لیکن اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں میں فرق کر دیتا ہے۔ سچا نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کی مخالفت ہوتی ہے۔ کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا۔ جس کی مخالف نہ ہوئی ہو۔ نبیوں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ جس طرح وہ سب سے اعلیٰ درجہ والے نبی تھے۔ اسی طرح ان کی سب نبیوں سے بڑھ کر مخالفت کی گئی تھی۔ اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآن کریم میں بڑے افسوس کے ساتھ ذکر فرمایا۔ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاتِيهِمْ رَسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ کہ مجھے ان بندوں پر بہت افسوس ہے ان کے پاس ایسا کوئی رسول نہیں آیا مگر اس کے ساتھ ہنسی



مزاق کرتے تھے۔ لیکن باوجود مخالفت کے اللہ تعالیٰ سچے نبیوں کی مدد کرتا رہا ہے اور وہ کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے نبیوں کے متعلق یہ وعدہ فرمایا ہے کتب اللّٰہ لاغلبن انا و رسلی ان اللّٰہ قوی عزیز کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت طاقت والا اور عزت والا ہے اور جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں گے ان میں سے کوئی بھی ناکام نہیں ہوا۔ سب کو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد میں کامیاب کیا۔ جس مقصد کیلئے خدا تعالیٰ نے ان کو بھیجا تھا۔

جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی حکومتوں نے بھی قانون بنائے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص جھوٹے طور پر حکومت کا نمائندہ بن کر لوگوں پر حکم چلائے تو جب حکومت کو پتہ چل جاتا ہے تو ایسے شخص کو حکومت سزا دیتی ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کو حکومت نے کسی کام کے لئے کسی گاؤں میں بھیجا ہو اور اس کی لوگ بات نہ مانیں اور اور اس کی بے عزتی کریں تو حکومت ایسے لوگوں کو سزا دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بھی قانون ہے کہ جب وہ نبی یا رسول دنیا کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے اور لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور اس پر اور اس کے ماننے والوں پر ظلم کرتے ہیں تو ایسے لوگوں پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (سورة بنی اسرائیل) کہ نہیں ہیں ہم عذاب دینے والے یہاں تک کہ ہم رسول نہ بھیج لیں ایسا ہر زمانہ میں ہوا کہ نبیوں کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کر دیتا ہے اور جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا اور وہ لوگوں کو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی کی ہے اور وہ جھوٹ بولتا ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا اور نہ ہی وہ ترقی کر سکتا ہے اور نہ وہ لمبا عرصہ دنیا میں رہ سکتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو سزا دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا تو آپؐ نے دعویٰ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ وحی کے

ذریعہ اپنا کلام نازل فرماتا ہے تو لوگوں نے کہا کہ نعوذ باللہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (سورۃ الواقعۃ) اور اگر یہ شخص ہماری طرف جھوٹا الہام منسوب کر دیتا خواہ ایک ہی ہوتا تو ہم یقیناً اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی رگ جان کاٹ لیتے اور اس صورت میں تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو اس کے درمیان میں حائل ہو کر خدا کی پکڑ سے اسے بچا سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق ایسے الفاظ بیان کر دیئے ہیں کہ اگر وہ بھی جھوٹے طور پر وحی الہام کا دعویٰ کرتے تو میں ان کی رگ جان کاٹ دیتا اور مجھے اس کام سے کوئی روک نہ سکتا تھا اور ان کے علاوہ اور کون شخص ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ پر جھوٹ بول کر حضرت نبی کریم ﷺ کی عمر کے مطابق لمبا عرصہ زندہ رہ سکے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور دعویٰ کے بعد آپ 23 سال تک زندہ رہے اور یہ عمر ایک سچے نبی کے لئے معیار ہے۔ کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا آنحضور ﷺ کی عمر کے مطابق زندہ نہیں رہ سکتا۔

حضرت مرزا صاحب کو 1882ء میں ماموریت کا الہام ہوا تھا اور آپ 26 رمئی 1908ء کو فوت ہوئے۔ تقریباً 27 سال دعویٰ کرنے کے بعد زندہ رہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کو کہا جائے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس قدر عمر پا کر بھی کوئی جھوٹا بھی زندہ رہ سکتا ہے تو پھر ہم حضرت نبی کریم ﷺ کی صداقت بھی نہیں بیان کر سکتے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد 23 سال زندہ رہے اور آپ کے بعد جو خلافت کا نظام جاری ہوا وہ تقریباً 30 سال تک رہا اور حضرت مرزا صاحب دعویٰ ماموریت کر کے تقریباً 27 سال زندہ رہے اور آپ کے بعد جو خلافت قائم ہوئی اس کو بھی ایک سو سال سے زائد ہو رہے ہیں اور ہر آن جماعت کو ترقی ہو رہی ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب خدا کی طرف سے نہ ہوتے اور انہیں جھوٹا دعویٰ کیا ہوتا تو نہ آپ کو حضرت نبی کریم ﷺ کی عمر کے



مطابق عمر نصیب ہوتی اور نہ آپ کے بعد اتنا لمبا عرصہ خلافت کا نظام قائم رہتا۔ خدا تعالیٰ اس کو تباہ و برباد کر دیتا۔ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہا ہو اور ایسے شخص کا اللہ تعالیٰ بھی مخالف ہو اور دوسری طرف ساری دنیا کے علماء اور لوگ اور حکومتیں مخالفت کر رہی ہوں تو جھوٹا شخص کس طرح کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے تو اللہ تعالیٰ ہی کافی تھا۔ دوسرے لوگوں کو تو مخالفت کرنا ہی نہ پڑتی۔ ہاں اگر کوئی سچا ہو اور ساری دنیا کے لوگ مل کر خدا تعالیٰ کے مامور کو تباہ کرنے کی کوشش کریں اور خدا تعالیٰ اس کی مدد کر رہا ہو تو ایسے شخص کو دنیا کے سارے لوگ اور علماء اور حکومتیں مل کر بھی تباہ نہیں کر سکتیں۔ حضرت مرزا صاحب اور اس کی جماعت کی حکومتوں نے بھی مخالفت کی اور وہ خود تباہ و برباد ہو گئے۔ لیکن احمدیت کی ترقی کو روک نہیں سکے تو میرے بھائیوں نے کہا کہ ہم مرزا صاحب کو جھوٹا نہیں کہتے۔ ہم نبی کریم ﷺ کو ماننے والے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے بھی وہی باتیں بتائی ہیں جو حضرت نبی کریم ﷺ نے بتائی ہیں۔ اگر ہم مرزا صاحب کو نہیں بھی مانیں گے تو حضرت محمد ﷺ کو ماننے کی وجہ سے بخشے جائیں گے، ہم احمدی نہیں ہو سکتے۔ اس پر میں نے کہا کہ ایسا ہمیشہ سے ہو رہا ہے کہ جب بھی کوئی نیا نبی آتا ہے، پہلے نبی کو ماننے والے یہی سمجھتے ہیں کہ ہم نبیوں کو ماننے والے ہیں۔ ہم سچے ہیں۔ اگر بعد کے آنے والوں کو نبی نہ بھی مانا جائے تو خیر ہے۔ لیکن ہمیشہ انکار کرنے والے ہی گھاٹے میں رہے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ کے ماننے والے اپنے زمانہ کے نبی پر ایمان لا کر سچے مومن بن گئے تھے اور وہ موسیٰؑ سے پہلے نبیوں کو بھی مانتے تھے۔ لیکن جب حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے تو بعض نے ان میں سے حضرت عیسیٰؑ کو مان لیا اور بعض نے ان میں سے انکار کر دیا۔ لیکن جب لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کا انکار کیا تو باوجود اس کے کہ وہ حضرت موسیٰؑ اور ان سے پہلے نبیوں کو مانتے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کا انکار کر کے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مومن نہیں رہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سچے نبی کا انکار کر دیا۔ لیکن

یہودی اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہم سچے مومن ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کو وہ سچا نہیں سمجھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کا انکار کر کے گناہ گار نہیں ہیں۔ ہم تو حضرت موسیٰؑ کے ماننے والے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم بخشے جائیں گے۔

اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں سے جو حضرت نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے اور ان کی جماعت میں شامل ہو گئے وہ اس زمانہ کے مومن کہلائے اور جن عیسائیوں اور یہودیوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کا انکار کیا اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول نہ مانا اور ایمان نہ لائے۔ چاہے وہ حضرت عیسی علیہ السلام اور موسی علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا رسول مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم حضرت عیسی علیہ السلام اور موسی علیہ السلام کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم محمد ﷺ کا انکار کر کے بھی سچے مومن ہیں۔ وہ بے شک اپنے آپ کو مومن سمجھتے رہیں لیکن خدا تعالیٰ کی نظر میں وہ لوگ جنہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کا انکار کر دیا۔ ہے وہ مومن نہیں ہیں۔ بلکہ وہ انکار کرنے والوں میں شامل ہیں۔ کیونکہ جس کو خدا بھیجتا ہے۔ اس کا انکار خدا کا انکار ہے۔ جس نے اپنا نبی بھیجا ہے۔ اسی وجہ سے ایک نبی کا انکار سب نبیوں کا انکار ہے۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کو اپنا مامور بنا کر بھیجا ہے تو اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اس پر ایمان لانے والے ہی خدا تعالیٰ کی نظروں میں مومن ہیں خواہ انکار کرنے والے کافر ہی سمجھتے رہیں۔ کافر انکار کرنے والے ہوتے ہیں۔ ایمان لانے والے نہیں ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سب نبیوں کو مانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماننے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی سچا مانتے ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بھی جو نبی ہوئے ہیں ان کو بھی سچا مانتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ماننے والے حضرت محمد ﷺ کو بھی سچا مانتے ہیں اور آپ سے پہلے سب نبیوں کو بھی سچا



مانتے ہیں۔ اسی طرح امام مہدی کو ماننے والے امام مہدی کو بھی مانتے ہیں اور آپ سے پہلے سب نبیوں کو مانتے ہیں۔ ماننے والے کافر نہیں ہوتے انکار کرنے والے کافر ہوتے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ امام مہدی کا انکار میرا انکار ہے۔ اور انہوں نے فرمایا ہے جو وقت کے امام کی بیعت نہیں کرتا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ پھر ایمان لانے والے گھاٹے میں نہیں رہتے۔ وہ تو خدا تعالیٰ کو جواب دے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت مرزا صاحب نے دعوی کیا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ مگر انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب سچے نہیں ہیں۔ اگر خدانخواستہ وہ سچے نہ بھی ہوں۔ تو میں خدا تعالیٰ کو کہوں گا۔ کہ اے خدا حضرت مرزا صاحب نے دعوی کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ اے میرے خدا میں تو تیرا نام سنتے ہی ڈر گیا۔ کہ اگر ان کو خدا تعالیٰ ہی نے بھیجا ہوگا تو ان کا انکار کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ ناراض ہوگا۔ اے میرے خدا میں نے تیرا نام سنتے ہوئے ڈرتے ہوئے قبول کر لیا تھا کہ وہ سچے ہیں اور خدا تعالیٰ کا نام لے کر دعویٰ کر رہے ہیں۔

اے میرے خدایا جب میں ان پر ایمان لایا تو مجھے کوئی بات ایسی نظر نہ آئی کہ انہوں نے اس دین سے روکا ہو جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاتے ہوئے۔ میں پہلے سے ہی مانتا تھا۔ میرا وہی کلمہ رہا۔ جو میں پہلے پڑھتا تھا۔ وہی نمازیں رہیں۔ اسی طرح کے روزے رہے اسی طرح میں پہلے انبیاء کو مانتا رہا جس طرح پہلے مانتا تھا اور اسی طرح اولیاء کو مانتا رہا جس طرح پہلے مانتا تھا اور اے خدا ہمیں تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی۔ جو دین اسلام کے خلاف ہو تو میں ایمان لے آیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اے خدا اگر یہ سچا نہیں تھا تو میں نے تو تیرے خوف کی وجہ سے مان لیا تھا اور پہلے دین کو بھی نہیں چھوڑا تھا اے میرے خدا اگر میں پہچاننے میں بھول گیا ہوں تو تو مجھے معاف فرما تو امید ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے معاف فرمادے گا۔ اگر حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو خدا تعالیٰ انکار

کرنے والوں سے کہے گا کہ اے انکار کرنے والو تم نے میرے مامور کو کیوں نہیں مانا تھا تو انکار کرنے والے یہ تو نہیں کہہ سکیں گے کہ اے خدا ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کسی نے امام مہدی کو دعویٰ کیا ہو۔ مولویوں نے مخالفت کر کے پوری دنیا پر آپ کے دعویٰ کو پہنچا دیا ہے اور مشہور کر دیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے امام مہدی کا جھوٹا دعوی کیا ہے۔ اور اسی طرح ساری دنیا کے لوگوں کو احمدی مبلغین کی وجہ سے علم ہو گیا ہے کہ ایک شخص نے امام مہدی کا دعوی کیا ہے۔ اور ان کی سچائی کے دلائل بھی دیئے ہیں اور ساری دنیا کے لوگوں کو علم ہو چکا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے امام مہدی کا دعوی کیا ہے۔ کہ میں ہی وہ امام مہدی ہوں جس کی حضرت محمد ﷺ نے پیشگوئی کی تھی۔ اور دنیا کے کناروں تک اس دعوی کا علم ہو چکا ہے۔ تو انکار کرنے والوں کو انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔ کہ وہ کہہ سکیں گے کہ ہمیں علم نہیں ہوا اور نہ ہی وہاں کوئی جواب دے سکیں گے۔ اس لئے ایمان لے آنا اور جماعت میں شامل ہو کر دین حق کی باتوں پر عمل کرنا ہی فائدہ مند ہو گا۔ انکار کرنا فائدہ مند نہیں ہو سکے گا۔ میں نے اپنی طرف سے جس طرح سمجھا سکتا تھا سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو امام مہدی پر ایمان لانے کی توفیق دے۔

**جماعت احمدیہ گجر**

جماعت احمدیہ گُجر میں دوبارہ مجھے کام کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تھی۔ پہلی بار 1990ء تا 1992ء۔ دوسری بار 2000ء تا 2001ء تک۔ گُجر جماعت میں ہی میں تھا کہ ہم جلسہ سالانہ قادیان گئے تھے۔ جو واقعہ لکھنا مجھے یاد نہیں رہا تھا اس کا ذکر یہاں کرتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ہمارے ناظم وقف جدید رہ چکے تھے اور وہ ہم سے بہت ہی پیار کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں ہی ہم اپنے والدین چھوڑ کر احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے گھر بار چھوڑ کر ربوہ آباد ہو گئے تھے۔ اور وہ ہم سے اسی طرح پیار کرتے تھے جس طرح کوئی اپنی اولاد سے پیار کرتا ہے اور وہ ہمارا بہت خیال رکھتے تھے۔ محمود احمد سلطان ابھی چھوٹا ہی تھا۔ اس زمانہ میں حضرت



خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے گھر سے چھ ماہ تک ایک کلو دودھ ملتا رہا اور وقف جدید کے زمانے میں جب آپ ناظم وقف جدید تھے اکثر ان سے ملاقات ہوتی تھی اور خلافت کے بعد بھی دوبارہ ملاقات ہوئی تھی۔ اور خلافت پر فائز ہونے کے بعد وہ زیادہ عرصہ پاکستان نہیں رہے تھے۔ ملکی حالات کی وجہ سے ان کو ملک چھوڑ کر لندن جانا پڑا۔ اس وجہ سے ہر پاکستانی کا دل ان کی ملاقات کے لئے بے تاب رہتا تھا۔ حضور خود بھی پاکستانی احمدیوں کی محبت میں سرشار تھے اور اس بات کا ذکر ان کے منظوم کلام سے اور تقاریر سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع 1991ء میں جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر تشریف لائے تھے اور بہت سارے احمدیوں کی ملاقات ہو گئی تھی۔ ہماری قسمت کہ ہم ترستے رہے کہ کبھی ہماری بھی ملاقات ہو جاتی۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ 1991ء میں قادیان تشریف لائے تھے تو امید لگی تھی کہ شاید 1992 کے جلسہ سالانہ کے موقع پر پھر قادیان آئیں گے اور آپ سے ملاقات ہو جائے گی لیکن ہماری بدقسمتی کے آپ جلسہ سالانہ قادیان پر دوبارہ نہ آئے۔ اور نہ ہم سے ملاقات ہو سکی۔ بہرحال 1992ء کے جلسہ سالانہ قادیان پر ہم دونوں میاں بیوی اور ایک چھوٹی بیٹی عابدہ مبارکہ کوثر جلسہ سالانہ کے موقعہ پر قادیان گئے۔ اور قادیان کی زیارت کر کے آئے۔ کیونکہ ہم نے پہلے قادیان نہیں دیکھا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ایک بار قادیان جانے کی توفیق عطا فرمائی۔ قادیان جانے کا جو سرور اور لذت اور روحانی فائدہ پہنچا اس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جب ہم میاں بیوی ربوہ سے روانہ ہوئے۔ تو ہمارے دلوں کی خوشی جو اس وقت تھی وہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ ہماری روحانی حالت بدل چکی تھی۔ لاہور سے جب ہم روانہ ہوئے تو زبان پر دعائیں اور درود شریف کا ورد جاری ہو گیا تھا اور ہم کسی اور دنیا میں چلے گئے تھے۔ قادیان ہم رات کو پہنچے سب سے زیادہ یہی تمنا تھی کہ ہمیں بھی وہاں جا کر دعا کا موقعہ ملے جہاں حضرت مسیح موعودؑ دعا کیا کرتے تھے۔ پہلی رات تو میں احمدیہ ہوسٹل سے آدھی رات کو روانہ ہوا اور ایک بجے

بیت الدعا میں داخل ہوا اور نفل پڑھنے کی توفیق مل گئی۔ اور بیت الدعا میں بہت عاجزانہ دعائیں کیں اور گڑگڑائے۔ اس کے بعد دوسری رات بھی گیا لیکن لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے صرف دو دو نفل پڑھنے کی توفیق ملی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مزار پر جا کر بہت رونا آیا اور گڑگڑا کر دعائیں کیں۔ منارۃ المسیح پر چڑھے تو وہاں دعائیں کیں۔ اگر کسی مسجد کی زیارت کی تو وہاں دعائیں کیں گویا ہر جگہ دعائیں کرنے کی طرف رجحان رہا۔ دل نہیں چاہتا تھا کہ واپس آئیں لیکن ملکی قانون کی وجہ سے وہاں رہ نہ سکتے تھے۔ اس وجہ سے جلسہ سالانہ قادیان کی برکتیں سمیٹے ہوئے واپس پاکستان آ گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ملاقات تو نہ ہو سکی لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ حضرت مسیح موعود کا شہر اور ان کے گھر اور آپ کے مزار قبر مبارک کو دیکھنے کا موقعہ مل گیا۔ جس امام کو ماننے کی وجہ سے ہم کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل تھا۔ ایک بار میں نے خواب دیکھی کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے ٹیلیفون پر بات کر رہا ہوں اور فرماتے ہیں کہ نواز صاحب آپ جلسہ سالانہ قادیان پر کیوں نہیں آئے۔ میں خواب میں حضرت صاحب کو کہتا ہوں کہ حضور آپ جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر آئے تھے اور ہم نے سمجھا تھا کہ شاید آپ دوبارہ آئیں گے۔ ہم نے پاسپورٹ بنوائے قادیان جلسہ پر گئے لیکن آپ نہیں آئے۔ تو لندن تو بہت دور ہے۔ ہم غریب وہاں کس طرح پہنچ سکتے ہیں تو حضورؒ نے فرمایا کہ یہ تو میں بھی نہیں کر سکتا یعنی میں آپ کو بلوا نہیں سکتا۔

اس کے بعد جو امید تھی کہ کسی وقت دفتر سے ہماری باری آ جائے اور مجھے بھی جلسہ سالانہ لندن بھجوایا جائے گا۔ لیکن اس خواب کے بعد زیادہ خیال یہی آتا تھا۔ کہ میری ملاقات اور لندن جانا مشکل ہے۔ اور یہی ہوا اور ہم ترستے رہے۔ لیکن جس کی ملاقات کی دل میں بہت خواہش تھی وہی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ ان پر ہزار ہا رحمتیں نازل کرے اور ان کو اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین



1992ء کے جلسہ سالانہ کے بعد میرا تبادلہ گُجر ضلع شیخوپورہ سے نگر پارکر کے علاقہ میں تبادلہ ہو گیا تھا۔ اور پھر دوبارہ 2000ء میں گُجر میں تبادلہ ہوا تھا اور 2001ء میں میرا تبادلہ چک نمبر 169 گرمولہ ضلع شیخوپورہ میں ہوا تھا۔

## گرمولہ چک نمبر 169 ضلع شیخوپورہ

جماعت احمدیہ گُجر سے میرا تبادلہ 2001ء میں گرمولہ ضلع شیخوپورہ میں ہوا۔ اور میں نے اپنا ساز و سامان سائیکل پر رکھا اور بذریعہ سائیکل ہی سفر کر کے گرمولہ پہنچ گیا۔ جماعت احمدیہ گرمولہ سنٹر میرے ذریعہ کھلا تھا۔ پہلے وہاں معلم ہاؤس نہیں تھا۔ پہلے ایک بیٹھک میں گزارہ کرتا رہا۔

## حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ناگہانی وفات کی خبر اور خلافت خامسہ کا قیام

جماعت احمدیہ گرمولہ میں ناگہانی طور پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ کی وفات کی خبر سنی اور یہ صدمہ برداشت کرنا بڑا مشکل تھا۔ بہر حال یہ دار فانی ہے۔ ہر انسان کو یہ جہان چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے حضور ہی حاضر ہونا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا۔ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غیر معمولی لمبی عمر عطا فرمائے آمین۔ اور غلبہ دین حق کے ساتھ ان کی اپنے ملک واپسی ہو۔ اور سب دوریاں ختم ہو جائیں۔ آمین۔

جماعت احمدیہ گرمولہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تقریباً اڑھائی سال خدمت کرنے کی توفیق ملی۔ تعداد کے لحاظ سے جماعت چھوٹی تھی۔ تقریبا ستر افراد تھے۔ تین خواتین نے مکمل ترجمۃ القرآن پڑھنے کی توفیق پائی۔ اور اٹھارہ بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھانے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس جماعت میں میرے ذریعہ آٹھ بچوں کو قاعدہ یسرنا القرآن ختم کرنے کے بعد صرف تینتیس دنوں میں ناظرہ قرآن کریم ختم کرنے کی توفیق دی۔ الحمد للہ

### سسر صاحب کے ساتھ مکالمہ

ایک بار چچا صاحب جو میرے سسر تھے نے مجھے کہا۔ اب وقت بہت گزر چکا ہے آپ نے احمدی ہو کر وقت گزار لیا ہے۔ اب ہمارے عقیدہ میں واپس آجائیں۔ میں نے کہا کہ چچا صاحب میں نے تو احمدی ہونے کے بعد ہی کہہ دیا تھا کہ آپ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جسد عنصری کے ساتھ جانا ثابت کر دیں تو میں احمدیت چھوڑ دوں گا۔ تو چچا اپنے گھر کے ایک کمرہ سے ایک کتاب نکال کر لائے اور اس سے حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر جانے کا ذکر اور آسمان سے نازل ہونے کا ذکر سنانے لگے کہ اس طرح حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر چلے



گئے تھے اور کس طرح واپس آئیں گے۔

چونکہ وہ کتاب احوال الآخرت تھی جو مولانا مولوی دلپذیر بھیروی نے پنجابی زبان میں لکھی تھی جو منظوم کلام ہے اس کتاب سے حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر جانا ثابت کر رہے تھے۔ پانچ چھ منٹ تک انہوں نے مجھے کتاب پڑھ کر سنائی اور کچھ دیر سننے کے بعد میں نے چچا صاحب کو کہا کہ چچا جو کتاب آپ مجھے پڑھ کر سنا رہے ہیں یہ محترم مولوی دلپذیر بھیروی نے لکھی تھی جب یہ کتاب چھپ کر لوگوں کے گھروں میں چلی گئی اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ آنے والے امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰؑ اس کتاب کے مطابق آئیں گے اور لوگوں کا اب بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت مہدیؑ اور عیسیٰؑ اسی طرح آئیں گے۔ جس طرح اس کتاب میں لکھا ہے۔ اور خود مولی دلپذیر نے جنہوں نے یہ کتاب لکھی تھی حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ سن کر کہ وہ آنے والا امام مہدی اور مسیح موعود ہیں، وہ احمدی ہو گئے تھے۔ اور آپ ان کی لکھی ہوئی کتاب پڑھ کر مجھے سناتے ہیں۔ جو لکھنے کے بعد خود احمدی ہو گئے تھے۔ تو چچا صاحب نے میری یہ بات سن کر کتاب اپنے گھر میں رکھ دی اور اس کے بعد پھر دوبارہ مجھے نہیں کہا کہ آپ احمدیت چھوڑ دیں وہ خود احمدی تو نہیں ہوئے۔ لیکن انہوں نے ہماری مخالفت چھوڑ دی۔ اور کبھی نہ کبھی ربوہ بھی آجاتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

### امام مہدی ایک روحانی عہدہ ہے

ایک بار میں اپنے گاؤں گیا تو سوال جواب کی محفل شروع ہو گئی۔ ایک شخص نے کہا کہ مرزا صاحب امام مہدی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اگر امام مہدی ہوتے تو ساری دنیا کو پتہ چل جاتا کہ امام مہدی آگئے ہیں۔ یہ مرزا تو عام انسان ہیں۔ میں نے کہا کہ جب بھی کوئی نبی خدا تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لئے آیا وہ انسانوں میں سے ہی آیا ہے۔ کیونکہ دنیا میں انسان ہی بستے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ہی ان کی ہدایت کے

لئے رسول بھیجتا رہا ہے۔اور ہمیشہ سے لوگوں کو ایمان لانے کے لئے ہی سب سے بڑی رکاوٹ رہی ہے کہ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ نبی انسان نہیں ہوتے۔اور ہمیشہ سے لوگوں نے انبیاء پر یہی اعتراض کیا ہے کہ یہ انسان ہیں۔ بھلا یہ کس طرح نبی ہو سکتے ہیں۔جس طرح اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 95 میں فرماتا ہے۔وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَ هُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا اور نہیں روکا لوگوں کو کہ وہ ایمان لے آئیں۔ جب ان کے پاس ہدایت آئی۔مگر انہوں نے کہا کہ اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ بھی ایک انسان تھے۔جس طرح پہلے نبی انسان تھے۔جس طرح پہلے نبیوں کے ماں باپ بھائی بہنیں تھیں۔اور بیویاں اور بچے تھے۔اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ کے ماں باپ بیویاں اور بچے تھے۔اور دوسرے نبی بھی کھانا کھاتے تھے بازاروں میں چلتے تھے اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ بھی کھانا کھاتے تھے۔بازاروں میں چلتے تھے۔اور لوگ کہتے تھے کہ یہ بھلا کس طرح نبی ہو سکتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام و یمشون فی الاسواق (الفرقان:21)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا مگر یقیناً وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔

لیکن لوگ رسولوں کو یہ سمجھ کر کہ یہ تو ہمارے جیسے انسان ہیں یہ کس طرح نبی ہو سکتے ہیں،نہیں مانتے کیونکہ دنیا میں انسان رہتے ہیں۔اس لئے ان کی راہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ انسانوں میں سے ہی رسول بنائے ہیں۔کیونکہ انسان ہی انسان کا رہنما ہو سکتا ہے۔اگر خدا تعالیٰ فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا۔اور وہ لوگوں کو کہتے کہ ہمارے جیسے بن جاؤ۔جس طرح ہم گناہ نہیں کرتے تم بھی نہ کرو۔جس طرح ہم نیکیاں کرتے ہیں تم بھی



کرو تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ آپ کی طرح ہم کس طرح بن سکتے ہیں۔آپ میں تو اللہ تعالیٰ نے گناہ کرنے کی طاقت ہی نہیں پیدا کی ہے۔ہم میں تو گناہ کرنے کی طاقت ہے۔ہم گناہوں سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انسانوں میں سے ہی رسول بنا کر بھیجے ہیں۔کیونکہ جو طاقتیں انسانوں میں ہوتی ہیں۔وہی سب طاقتیں نبیوں میں ہوتی ہیں۔انسانوں میں سے نبی ہونے کی وجہ سے وہ کہہ سکتے تھے کہ اے لوگوں میں بھی تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی زبان سے کہلایا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (الکہف:111) کہ کہہ دے کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک بشر ہوں جس طرح میں گناہ نہیں کرتا تم بھی نہ کرو۔اور جس طرح میں نیک کام کرتا ہوں تم بھی کرو۔تو لوگ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہم آپ جیسے کس طرح بن سکتے ہیں۔بلکہ ان کے دل میں یہ امید پیدا ہوگئی کہ انسان ہوتے ہوئے یہ اتنے بڑے مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس نے قرب حاصل کر لیا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو وحی الہام کے ذریعے غائب پر اطلاع دیتا ہے۔ہم بھی اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں۔تو لوگ ان کی پیروی کر کے اور ان کے نقش قدم پر چل کر نیکیاں کرنے لگ پڑیں گے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ انسانوں میں سے ان کی راہنمائی کیلئے رہنما بھیجتا رہا ہے۔لیکن انبیاء صرف ظاہری آنکھ سے نہیں پہچانے جاتے اور نہ کوئی ایسا ظاہری نشان ہوتا ہے کہ لوگ ظاہری آنکھوں سے دیکھ کر پہچان سکیں۔اگر ایسا کوئی نشان ہوتا تو کسی نبی کا انکار نہ کیا جاتا اور سب کو پتہ چل جاتا کہ خدا تعالیٰ کا نبی ہے۔کیونکہ انکار سب نبیوں کا کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس بات کا افسوس بھی کیا ہے اور فرمایا ہے یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ (یٰسین:35)

مجھے ان بندوں پر افسوس ہے کہ ان کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا کہ جس کے ساتھ لوگوں نے ٹھٹھہ مذاق نہ کیا ہو۔اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ نبیوں کو پہچان نہیں سکے۔اگر پہچان لیتے تو انکار نہ کرتے۔بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو نظر نہیں آتیں مگر ہوتی ضرور ہیں۔جس

طرح ظاہری آنکھوں سے علم نظر نہیں آتا اگر کوئی انسان بیٹھا ہو۔ تو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ اس شخص کی کیا تعلیم ہے۔ اس نے میٹرک کیا ایف اے یا بی اے کیا ہے۔ کیونکہ اس کی تعلیم کی ڈگری اگر وہ اپنی زبان سے نہ بتائے تو نظر نہیں آ رہی ہوتی۔ مگر جب وہ زبان سے بولتا ہے گفتگو کرتا ہے تو اس کے بولنے چالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص پڑھا لکھا ہے۔ اسی طرح انبیاء بھی پہچانے جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ جس طرح انسان کے دل کی حالت ہو اس کے مطابق ظاہری حرکت کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص غمگین ہو غم تو اس کے دل میں ہوتا ہے لیکن اس کے آثار اس کے چہرہ پر آجاتے ہیں۔ اور لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ شخص غمگین ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں تکبر ہو تو انسان کی جسمانی حرکتیں بھی ایسی ہو جاتی ہیں کہ وہ بولتا ہے۔ یا زمین پر چلتا ہے تو لوگوں کو پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ شخص بڑا متکبر ہے۔ یا کسی انسان کے دل میں غصہ ہو۔ حالانکہ غصہ دل میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے آثار اس کے چہرے پر آجاتے ہیں۔ اور اس کے بولنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص غصہ میں ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ بیمار ہو تو سارا جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے۔ تو انبیاء کے دل بھی پاک صاف ہوتے ہیں۔ اور نہ ان میں تکبر اور نہ ریا ہوتا ہے۔ اور نہ ناپاکی ہوتی ہے اور نہ کینہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان کا رہنا سہنا، بولنا، اُٹھنا بیٹھنا گفتگو کرنا لوگوں کے ساتھ ایسے پاک تعلقات ہوتے ہیں کہ وہ اپنے کردار سے پہچانے جاتے ہیں اور ان کو روحانی آنکھوں والے پہچان سکتے ہیں۔

جس طرح تعلیم یافتہ لوگوں کو ان کی تعلیم کے مطابق ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ لیکن ظاہراً وہ نظر نہیں آ رہی ہوتیں۔ لیکن ہوتی ضرور ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو روحانی ڈگریاں دیتا ہے جو ان کا روحانی مقام ہوتا ہے۔ اس کے مطابق ان کو ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ لیکن وہ بظاہر نظر نہیں آتیں۔ لیکن ہوتی ضرور ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے



بندوں کو روحانی ڈگریاں دیتا ہے۔ جو ان کا روحانی مقام ہوتا ہے۔ اس کے مطابق ان کو ڈگریاں دی جاتی ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتیں۔ تعلیم یافتہ لوگوں نے جن اداروں سے تعلیم حاصل کی ہوتی ہے وہ تو انسان ہیں اور جو لوگوں کو نظر آ رہے ہوتے ہیں وہ تو اپنے شاگردوں کو ڈگریاں لکھ کر دیتے ہیں اور وہ اپنی پہچان کروانے کے لئے اپنی ڈگریاں دکھا دیتے ہیں جو ظاہری ہوتی ہیں اور لوگ ان کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی اس نے یہ ڈگری پاس کی ہے۔ لیکن روحانی لوگوں کا رہنما روحانی ہے۔ وہ خود بھی ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور نہ اس کو دی ہوئی ڈگریاں نظر آ رہی ہوتی ہیں لیکن ہوتی ضرور ہیں اور ان پر ایمان لانا متقی کی پہلی نشانی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرہ: 4) کہ متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب پر ایمان لانے کا ثواب ہے اور ظاہر چیزوں پر ایمان لانے کا ثواب نہیں ہوتا۔ کیونکہ انبیاء کو ان کی روحانی حالت کے مطابق ان کو عہدے دیئے جاتے ہیں جو بظاہر نظر نہیں آ رہے ہوتے۔ اس لئے نبیوں پر ایمان لانے کا ثواب ہوتا ہے اور انکار کرنے کا گناہ ہوتا ہے۔ نبوت ایک روحانی عہدہ ہے۔ نبی کا لفظ عربی زبان کا ہے۔ نَبَأ خبر کو کہتے ہیں۔ نبی کے معنی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں آئیں۔ جب خدا تعالیٰ کا بندہ اس کی طرف جھکتا ہے اور اس کو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنے غائبانہ راز کھول دیتا ہے۔ اس روحانی مقام کا نام نبوت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَالِمُ الْغَیْبُ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن :27،28) کہ غیب کو جاننے والا اللہ ہے۔ پس وہ غائب پر غلبہ نہیں دیتا سوائے اپنے رسولوں کے جن کو وہ پسند کر لیتا ہے۔

رسول کے معنی پیغام پہنچانے والے کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا رہا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام رسول رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے فرشتوں کو بھی رسول کہا گیا ہے کیونکہ وہ خدا کا پیغام رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ جو اس کے بندے ہیں۔ اور وہ

پیغام جو فرشتوں کے ذریعے پہنچا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو پہنچاتے ہیں اسی وجہ سے وہ رسول کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا و من الناس... (الحج:76)** کہ اللہ تعالیٰ چنتا ہے فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسول۔

تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے جو ظاہری نام ہوتے ہیں ان کے علاوہ ان کو ان کی روحانی حالت کے مطابق روحانی نام دیتا ہے جو صفاتی ہوتے ہیں۔ یہ نبی، رسول، خاتم النبیین اور امام مہدی یہ سب روحانی طور پر صفاتی نام ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا نام والدین نے **غلام احمد** رکھا تھا۔ تو امام مہدی ان کا نام روحانی اور صفاتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور جو نام اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس وقت دیتا ہے جب وہ شخص روحانی طور پر اس مقام پر پہنچا ہوتا ہے اور اس نام کے قابل بھی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ امام مہدی کا نام اس کے والدین رکھیں گے۔ امام مہدی نام اللہ تعالیٰ دینے والا تھا۔ اس نے حضرت مرزا صاحب کا نام امام مہدی رکھا ہے۔ تو امام کے معنی رہنمائی کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کی رہنمائی کر رہا ہوتا ہے اور لوگ اس کی رہنمائی کے مطابق عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ جس طرح کوئی شخص لوگوں کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھا رہا ہوتا ہے تو لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہوں۔ چونکہ وہ نماز میں ان کی رہنمائی کر رہا ہوتا ہے اس لئے اس کو امام کہتے ہیں ۔ مہدی کے معنے ہیں خدا تعالیٰ سے ہدایت یافتہ۔ یعنی امام مہدی خدا تعالیٰ سے ہدایت پا کر لوگوں کی رہنمائی کرے گا اس لئے حضرت نبی کریم ﷺ کی زبان سے خدا تعالیٰ نے آپ کے بعد آنے والے کا نام امام مہدی رکھا۔ بہر حال حضرت مرزا صاحب نے یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہی امام مہدی بنا کر بھیجا ہے جس کی پیشگوئی آنحضور ﷺ نے فرمائی تھی۔ اگر حضرت مرزا صاحب کو خدا تعالیٰ نے منتخب نہ کیا ہوتا تو وہ خود بخود امام مہدی کس طرح بن سکتے تھے۔ امام کے ساتھ جماعت کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ اگر ہزاروں



آدمی نماز پڑھ رہے ہوں اور ان کو نماز پڑھانے والا کوئی نہ ہو تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نماز باجماعت ہو رہی ہے۔ لیکن اگر یہی لوگ کسی امام کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہوں تو اس نماز کو باجماعت نماز کہا جائے گا۔ لہٰذا امام اور جماعت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر مرزا صاحب نے جھوٹا امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہوتا تو وہ کس طرح اتنی بڑی جماعت بنا سکتے تھے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ امام مہدی بھی جھوٹا ہو اور اس کے ماننے والوں کی جماعت بھی بہت بڑی ہو۔ ایسا ممکن نہیں۔

یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے کہ جس نے آپ کو امام مہدی کے طور پر چن لیا اور آپ کو ایک بہت بڑی جماعت دی۔ اور جماعت بھی ایسی کہ جو ہدایت یافتہ ہے۔ جس طرح بعض دفعہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ مرزا صاحب بہت بڑے عالم تھے لیکن یہ کام انہوں نے اچھا نہیں کیا کہ امام مہدی کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے سوائے قادیان کے کہیں اور جا کر تعلیم حاصل نہیں کی اور ان کے مقابلہ میں بڑے علماء آئے اور ناکام ہو گئے۔ وہ علم کہاں سے آ گیا۔ وہ علم وہی ہے جو خدا تعالیٰ نے دیا تھا۔ جس کی وجہ سے دوسرے علماء ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تھے اور بعض دفعہ لوگ کہتے تھے کہ یہ جو مرزائی ہیں نا ہیں تو بہت اچھے نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، ان کا آپس میں بہت پیار ہے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں لیکن ایک کام انہوں نے اچھا نہیں کیا کہ مرزا صاحب کو انہوں نے امام مہدی بنا لیا ہے۔ بھلا یہ کیوں نہیں سوچتے کہ احمدی کیوں اچھے کام کرنے لگے۔ یہ بھی تو دوسرے لوگوں کی طرح ہی تو انسان ہیں۔ ان کا رہنما اچھا نہ ہوتا تو وہ کس طرح اچھے بن جاتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ آنے والا امام مہدی آ چکا ہے اور اس نے ایک جماعت بنائی ہے۔ خدا نے چاہا کہ یہ جماعت اس کے ذریعہ قائم ہو اور وہ بڑھتی چلی جا رہی ہے جو دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہے اور آہستہ آہستہ ساری دنیا کے لوگوں پر غالب آئے گی۔ ایک دفعہ کوئی کام نہیں ہوتا۔ آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ انشاء اللہ ساری دنیا کے لوگوں پر

دین حق کا غلبہ ہوگا اور اسی جماعت کے ذریعہ ہی ہوگا۔ یہ سب کا ایمان ہے کہ آنے والے امام مہدی نے کوئی نیا دین نہیں لانا تھا۔ اس دین کو جو حضرت نبی کریم ﷺ کے ذریعہ قائم ہوا تھا اور زمانہ دراز کی وجہ سے لوگوں نے اصل راستہ چھوڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستہ پر لگانے کے لئے آپ کو بھیجا اور آپ کا نام غلام احمد رکھا۔ آپ کے والدین سے خدا تعالیٰ نے اپنے بیٹے کا نام ایسا رکھوایا جو ہمیشہ ہمیش قائم رہے گا اور حضرت نبی کریم ﷺ کا غلام رہے گا۔ جو رسول کریم ﷺ کی غلامی میں دین حق کی ترقی کے لئے آیا اور اس کے جانشین بھی وہی کام کر رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ کا نظریہ یہی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ذریعہ جو دین آیا تھا وہ ساری دنیا پر غالب ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز

اس سے پہلے جتنے نبی بھی اس دنیا میں آئے ہیں وہ انسانوں میں سے تھے لہٰذا امام مہدی بھی انسانوں میں سے ہوگا۔ جس کا نام خدا تعالیٰ نے امام مہدی رکھا۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ سے ہدایت پا کر لوگوں کو ہدایت دے گا۔ لیکن لوگ ہمیشہ سے یہی سمجھتے آئے ہیں بھلا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک انسان نبی ہو اور اب بھی لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ آنے والا امام مہدی ایسا ہوگا کہ اس کو ساری دنیا پہچان لے گی اور اس پر ایمان لے آئے گی۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ نہ کبھی ایسا پہلے ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔ آنے والا مسیح ومہدی موعودؑ آچکا ہے لیکن لوگ ابھی تک اس کے آنے کے منتظر ہیں۔ اگر لوگ اس امام مہدی کو نہیں مانیں گے تو ہمیشہ انتظار کرتے رہیں گے۔ کیونکہ آئندہ کوئی امام مہدی نہیں آئے گا۔

## چک نمبر 170/T.R ضلع خانیوال تبادلہ

چک نمبر 169 گرمولہ ضلع شیخوپورہ سے چک نمبر 10 منشی والا ضلع شیخوپورہ کیا گیا۔ وہاں سے دو ماہ بعد مورخہ 25/5/05 کو جماعت احمدیہ چک 170/TR ضلع خانیوال کیا گیا۔ جماعت احمدیہ چک نمبر 170 TR ضلع خانیوال سے تقریباً 10 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے وہاں احمدی احباب سوائے ایک کنبہ کے جو سب



قومی طور پر آرائیں ہیں۔ بہت مخلص احمدی ہیں اور دعوت الی اللہ بھی کرتے ہیں۔ اسی جماعت کے احمدی افراد ضلعی انتظامیہ میں عہدیدار ہیں۔ بہت کام کرنے والے آدمی ہیں۔ چوہدری نذیر احمد صاحب کے پاس بہت ذمہ داریاں تھیں اور وہ دعوت الی اللہ کے کاموں میں ہی لگے رہتے تھے اکثر دوروں میں وہ میرے ساتھ ہوتے تھے۔ صدر جماعت مکرم مبارک احمد صاحب بہت مخلص احمدی ہیں۔ ریٹائرڈ فوجی ہیں۔ وقت کے پابند اور خلافت کی اطاعت میں اوّل درجہ کے احمدی ہیں۔ حضور کی طرف سے پیغام پہنچا کہ مستورات کو ان کی جائیداد کا حصہ والدین یا بھائی دیں۔ انہوں نے حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی دو بہنوں کو ان کا زمین کا حصہ دے دیا۔ اس کے علاوہ معلمین کے ساتھ اور مربیان کے ساتھ بہت عزت اور احترام سے پیش آتے ہیں۔ میں ان کے پاس دو اڑھائی سال رہا۔ کھانے کا وہی انتظام کرتے تھے۔ گرمی ہو یا سردی وقت پر کھانا احمدیہ بیت الذکر پہنچاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ اسی جماعت میں بچیوں نے پڑھائی بہت کم توجہ سے کی تھی۔ اکثر لجنات کے پاس پڑھتی رہیں ہیں۔ ایک بچی نے دس پارے دو بچیوں نے پانچ پارے تک ترجمہ قرآن پڑھا تھا۔ اور اس کے علاوہ بیس بچوں نے ناظرہ قرآن سیکھا تھا۔ امیر صاحب ضلع بھی بہت کام کرنے والے آدمی تھے۔ ان کو بھی جماعتوں کی تعلیم وتربیت کا بہت شوق تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

## دھرگ میانہ ضلع نارووال تبادلہ

چک نمبر 170/TR ضلع خانیوال سے میرا تبادلہ 26/05/07 کو جماعت احمدیہ دھرگ میانہ ضلع نارووال ہوا۔ اور شروع میں دھرگ اور میانہ دونوں جماعتوں میں مجھے کام کرنے کی توفیق ملی۔ اب میانہ گاؤں میں بھی سنٹر کھل گیا ہے۔ اس لئے جماعت دھرگ میں کام کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اس جماعت کے افراد بھی بہت اچھے ہیں اور تعاون کرنے والے ہیں۔ یہاں دو سال کام کرتے ہوئے ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ احسن رنگ میں کام کرنے کی توفیق دے۔

# اللہ تعالیٰ کے افضال واحسانات

احمدیت قبول کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے 1971ء میں مجھے دی تھی۔اور احمدیت قبول کرنے کے بعد تین سال میں اپنے گاؤں میں رہا۔ان سالوں میں احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے بہت شدید خاندانی مخالفت برداشت کرنی پڑی۔

وہ وقت مجھ پر بہت آزمائشوں کا تھا۔ایک تو میں گنٹھیا کا مریض تھا۔گھٹنوں اور ٹخنوں میں درد رہتی تھی۔اور کمزور اور لڑکھڑا کر چلتا تھا۔اس قابل نہ تھا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کہ کہیں دوسری جگہ جا کر اپنے اہل وعیال کو اپنے ساتھ لے جا کر ان کی رہائش اور ان کے خوردونوش کا سامان پورا کرسکوں۔اور نہ ہی میری ایسی حالت تھی کہ کوئی کاروبار کرسکوں۔اور دوسری جگہ جا کر آباد ہوسکوں۔اس کے علاوہ اپنی اہلیہ صاحبہ اور ان کی والدہ جو مخلص احمدی تھیں۔ ان کو بھی کہہ دیا گیا تھا کہ وہ بھی یہاں سے چلی جائیں۔ان کی حالت بھی ایسی تھی کہ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ میرے ساتھ جا کر تکلیفیں برداشت کرسکیں۔اہلیہ کی والدہ عمر رسیدہ اور کمزور تھیں۔اور بیمار بھی تھیں اور اہلیہ بھی ایسی تھیں کہ انہوں نے کبھی مشققت کا کام نہ کیا تھا۔باوجود اس کے اہلیہ نے یقین دہانی کرائی تھی کہ میں آپ کا ساتھ دوں گی۔اور یہ بھی فکر تھا کہ ہمارے رشتہ دار زبان سے تو کہہ رہے ہیں کہ یہاں سے چلے جاؤ لیکن آسانی سے ہمیں نکلنے نہیں دیں گے۔ بلکہ فکر تھا کہ جان سے ماردیں گے۔اور جانے نہیں دیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم رات کے اندھیرے میں گھر چھوڑ کر نکلنا چاہتے تھے۔لیکن اہلیہ کی والدہ کی بیماری کی وجہ سے اندھیری رات اور سردی کے موسم میں ان کو اپنے ساتھ لے جانا بہت مشکل تھا اس لئے ہمارے لئے گھر چھوڑ کر آنا بہت مشکل تھا۔جو ہم کسی طرح بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔اور خدا تعالیٰ کا خوف تھا کہ اگر ہم نے احمدیت چھوڑ دی تو ہمارا خدا ہم سے ناراض ہوگا اور خدا تعالیٰ کا عذاب ہمیں برداشت کرنا پڑے گا۔ایسی حالت میں خیال



آیا کہ جس خدا نے ایسی حالت میں کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور وہاں کوئی غذا نہیں پہنچ سکتی تو اللہ نے وہاں ہی اس کی خوراک کا انتظام کیا ہوا ہے۔اور جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت کوئی ٹھوس غذا نہیں کھا سکتا۔تو اللہ اس کی ماں کی چھاتیوں میں اس کی غذا کے لئے دودھ پیدا کر دیتا ہے۔اور جب وہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے اور اس کی ماں کا دودھ اس کے لئے کافی نہیں ہوتا اور اس کو ٹھوس غذا کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دانت دے دیتا ہے۔اور جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو روزی کمانے کے لئے اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں طاقت اور عقل عطا فرماتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے روزی کما سکے۔اور دوسروں کو بھی کھلا سکے۔کیا مجھے اس نے ہاتھ پاؤں نہیں دیئے۔کہ میں اپنے ہاتھ پاؤں سے روزی کما سکوں۔میں ربوہ میں آ کر روزانہ مزدوری کرتا اور رات کو کوٹ محمد یار میں چلا جاتا تھا اور مزدوری کے دوران خدا تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرتا تھا کہ اے میرے خدا تو میری مدد فرما اور میری تکلیفیں دور فرما۔میں نے خدا تعالیٰ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑا۔خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (سورۃ النساء:101) اور وہ جو اللہ کی خاطر ہجرت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اپنے کھانے پینے کے سامان وسیع پائے گا۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ (النحل:42) اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کئے جانے کے بعد ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا اور آخرت میں اچھے ٹھکانے دے گا۔

حضرت مسیح موعودؑ نے سورۃ النساء کی آیت نمبر 101 کی تشریح میں فرمایا ہے کہ ”جو شخص اطاعت الٰہی میں اپنے وطن کو چھوڑے تو خدا تعالیٰ کی زمین میں ایسی آرام گاہ پائے گا جن میں بلا ہرج دینی خدمت بجالا سکے“۔

(عام اطلاع صفحہ 2 شمولہ شحنئہ حق روحانی خزائن جلد 2)

پھر فرمایا ''اسباب کیا شے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری راہ میں جاؤ گے تو مرٰغَمًا كَثِيرًا پاؤ گے۔ صحت نیت سے جو قدم اُٹھاتا ہے خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلکہ انسان بیمار ہو تو اس کی بیماری دور ہو جاتی ہے''۔

(البدر جلد نمبر 2 مؤرخہ 20/فروری 1903ء)

مجھے اس وقت تو اس خدائی وعدہ کا علم نہ تھا۔ کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے لئے اپنا گھر بار چھوڑتے ہیں ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کے کیا وعدے ہیں۔ اس وقت تو اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لئے اور خدا تعالیٰ کے دین کی خاطر خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنا گھر چھوڑا تھا۔ اور اپنا گھر چھوڑ کر ربوہ آ گیا تھا۔ ربوہ آ کر معلم بن گیا اور ترجمہ قرآن اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتابیں پڑھیں تو مجھے علم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے تو ہجرت کرنے والوں کے لئے اپنے فضلوں اور احسانات کا وعدہ کیا ہے۔ کیونکہ میں نے خدا تعالیٰ کے لئے اپنا گھر بار چھوڑا تھا کہ خدا تعالیٰ ناراض نہ ہو اور میرے ربوہ آ جانے کے بعد خدا تعالیٰ کی تقدیر نے اپنے وعدہ کے مطابق کام کرنا شروع کر دیا۔ اور جو اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ لوگ جن پر ایمان لانے کے بعد ظلم کیا جاتا ہے اور ان کو گھروں سے نکال دیا جاتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنا گھر چھوڑ کر ہجرت کر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو رہنے سہنے کے لئے اچھی جگہیں اور ان کے کھانے پینے کے وسیع سامان پیدا فرماتا ہے۔ کیونکہ میں نے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنا گھر بار چھوڑا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلوں کے دروازے میرے لئے کھول دیئے تھے۔ جن کا علم مجھے بعد میں ہوا کہ یہ سب خدا تعالیٰ کے فضل ہیں۔

### پہلا فضل

سب سے پہلا فضل یہ ہوا کہ میں دس بارہ سال سے گنٹھیا کا مریض تھا۔ کبھی کچھ ٹھیک ہو جاتا اور کبھی تکلیف بڑھ جاتی تھی۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر ربوہ آنے کے بعد محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معجزانہ رنگ میں کسی علاج کے بغیر گنٹھیا کی تکلیف دور ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے شفاء کاملہ عطا فرمائی۔ الحمد للہ علی ذلک



آج 2010ء میں 1974ء سے مجھے ربوہ میں آئے تقریباً 34 سال گذر گئے ہیں اور عمر تقریباً 65 سال کے قریب ہے۔ گنٹھیا کی تکلیف دوبارہ نہیں ہوئی۔ اور ہمارے گاؤں کے لوگ حیران ہیں کہ یہ کس طرح ٹھیک ہو گیا ہے اور جب میں اپنے گاؤں جاتا ہوں۔ تو میرے ہم عمر لوگ دیکھتے ہیں کہ میری صحت اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام ہم عمروں سے اچھی ہے اور ان کے جسموں میں دردیں ہیں اور لڑکھڑا کر چلتے ہیں اور وہ پوچھتے ہیں کہ آپ کس طرح ٹھیک ہو گئے ہیں تو ہمیں بھی کوئی علاج بتاؤ۔ تو میں ان کو یہی علاج بتاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قرآن کریم میں وعدہ ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان پر ظلم کیا جاتا ہے ان کو گھروں سے نکالا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اچھے روزگار اور اچھی رہنے کی جگہیں دیتا ہے۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر ایسے آدمی کو کوئی بیماری ہو تو وہ چھوٹ جاتی ہے۔ بس میں نے احمدیت قبول کی تھی۔ اس وجہ سے مجھے گھر سے نکال دیا گیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کے اپنے وعدہ کے مطابق اچھا روزگار اور اچھا ٹھکانا بھی دیا ہے اور بیماری سے مجھے شفا دی ہے۔

### دوسرا فضل

دوسرا فضل یہ ہوا کہ میری تعلیم پرائمری تھی اور تین سال تک ایک درس میں پڑھا ہوا تھا۔ تعلیم کے لحاظ سے ایسی تعلیم نہیں تھی کہ کوئی اچھی نوکری مل سکے۔ ماسٹر نذیر احمد صاحب شاد جو میری اہلیہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ اور احمدی تھے۔ وہ ربوہ رہتے تھے۔ وہ ایک دن اپنے ساتھ محترم بدرالدین صاحب مرحوم معلم وقف جدید کو کوٹ محمد یار لے گئے۔ اور مجھے دکھایا۔ انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ زندگی وقف کر کے دین کی خدمت کریں۔ مجھے اس وقت اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ کس طرح زندگی وقف کر کے دین کی خدمت کروں۔ انہوں نے رہنمائی فرمائی۔ اوان کا مشورہ سن کر میں بہت خوش ہوا۔ اور زندگی وقف کرنے کی درخواست دی۔ اور ان کی رہنمائی کے نتیجہ میں مجھے دین کی خدمت کرنے کی نوکری مل گئی۔ اور کام وہی کرنا پڑا جو ہر ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ لوگوں

کو بھی نیک کام کرنے کی ترغیب دے اور خود بھی نیک کام کرے۔ اور خود بھی بدیوں سے بچے اور لوگوں کو بھی بدی سے بچنے کی ترغیب دے۔ اور ساری عمر رزق کی تنگی نہیں دیکھی۔ اور نہ کوئی فکر رہا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

### تیسرا فضل

تیسرا فضل یہ کہ میری تعلیم پرائمری تھی اور معلم کلاس میں داخلہ کے لئے تعلیم کا زیادہ ہونا ضروری تھا۔ امکان بہت کم تھا کہ مجھے داخلہ ملے گا۔ لیکن 1973 کی کلاس کے لڑکوں سے ملاقات ہوگئی جو معلم کلاس میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ جب آپ کو انٹرویو کے لئے بھیجا جائے تو پہلے مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب کے پاس نہ جانا۔ اگر ان کے پاس گئے تو وہ آپ کو نہیں لیں گے۔ کیونکہ وہ پرائمری تعلیم والوں کی سفارش نہیں کرتے۔ آپ پہلے مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب کے پاس جانا۔ وہ سفارش کر دیں گے۔ تو پہلے انٹرویو کے لئے مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے باوجود علم کی کمی کے معلم کلاس میں داخلہ کے لئے میری سفارش کر دی اور جب میں مولنا ابوالمنیر صاحب کے پاس گیا۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا۔ کہ ہم پرائمری پاس کو نہیں لیتے۔ انہوں نے مولانا ابوالعطاء صاحب کی طرف سے کی گئی سفارش کو دیکھا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم پرائمری پاس کو لیتے تو نہیں ہیں کہ وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ بہرحال محترم مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب نے سفارش کر دی ہے۔ میں بھی سفارش کر دیتا ہوں۔ اس طرح کا فضل ہوا کہ باوجود علم کی کمی کے وقف جدید کی کلاس میں داخل ہو کر پڑھنے کی اجازت مل گئی اور میں نے کلاس میں بڑے شوق سے تعلیم حاصل کی اور محنت کی اور دوسرے لڑکوں سے اچھے نمبروں سے پاس ہوا۔

### چوتھا فضل

چوتھا فضل یہ ہوا کہ جب مجھے گھر سے نکالا گیا تھا۔ اور میں معلم کلاس میں پڑھ رہا تھا اور میں ایک بار گاؤں گیا۔ اور آتے ہوئے اپنی اہلیہ کو ساتھ لانے کی کوشش کی۔ مگر سسر صاحب نے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے۔ میں اس کو جانے نہیں دوں گا۔



اور مجھے وہاں سے مار پیٹ کر نکال دیا تھا۔ ابھی کلاس میں پڑھتے تین چار ماہ ہی گذرے تھے۔ میں کلاس میں پڑھ رہا تھا کہ ماسٹر نذیر احمد شاد صاحب نے جا کر خبر دی کہ آپ کی اہلیہ اور ان کی والدہ صاحبہ ربوہ میں آ گئی ہیں۔ اور اللہ کا فضل ہوا کہ یہ تکلیف بھی دور ہوگئی۔ جو بیوی بچوں کی جُدائی کی وجہ سے ہو رہی تھی۔

### پانچواں فضل

میں ربوہ میں محلہ دارالعلوم میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا اور پچیس روپے کرایہ ادا کرتا تھا۔ ابھی میں کلاس میں پڑھتا تھا۔ جمعہ کا روز تھا کہ مالک مکان نے کہا کہ مہنگائی بہت ہوگئی ہے۔ اب پانچ روپے کرایہ زیادہ ادا کریں۔ کیونکہ میری استطاعت کم تھی۔ کچھ عذر پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ مکان کہیں اور تلاش کریں۔ اس بات کی تکلیف تو بہت ہوئی۔ لیکن وہ بات ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ جب ہم دونوں میاں بیوی جمعہ پڑھنے لگے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 1974ء میں نومبر کے مہینہ میں جلسہ سالانہ 1974ء کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سال جلسہ پر مہمان بہت زیادہ آئیں گے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام بھی ہے وسع مکانک کہ مکانوں کو وسیع کرو۔ ہر سال مکان بنائے جاتے ہیں اور ضرورت بڑھ رہی ہے۔ اس لئے لوگ مکان بنائیں۔ جب ہم جمعہ پڑھ کر واپس آئے تو میں نے اپنی اہلیہ کو کہا کہ نہ تو احمدیت ہم چھوڑ سکتے ہیں۔ اور نہ ہم کو اپنے خاندان کے لوگ ہمیں اپنے گاؤں رہنے دیں گے۔ ہم نے یہاں ربوہ میں ہی رہنا ہے۔ اگر دس سال تک کرایہ پر رہیں اگر 30 روپے بھی کرایہ دیتے رہیں تو ہمارا ہزاروں روپے کرایہ میں چلا جائے گا۔ اگر آج ہمارا اپنا مکان بن جائے۔ چاہے کچا ہی ہو۔ تو ہم کرایہ سے بچ جائیں گے۔ اور ہمارا ہزاروں روپیہ کراؤں میں خرچ نہ ہوگا۔ آپ اس طرح کریں کہ زمین خریدیں۔ اور میں مکان بناؤں گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس نے ہمیں اس وقت مکان بنانے کی طرف توجہ دلائی اگر اس وقت توجہ نہ ہوتی تو آج ہمارے لئے مکان بنانا مشکل ہوتا۔

دوسرے دن ہی ہم سنار کے پاس گئے اور کچھ سونا بیچا۔ اس وقت آٹھ سو روپے سونے کی قیمت تھی اور چوہدری صلاح الدین صاحب کے پاس گئے ان سے تین سو روپے مرلہ کے حساب سے پانچ مرلہ زمین خریدی۔ تیسرے دن ہم نے وہاں ریت کا ریڑھا منگوایا اور زمین میں گھڑا کھود کر اینٹیں بنانا شروع کیں۔ ابھی میں کلاس میں پڑھتا تھا۔ جب چھٹی ہوتی تو گھر جاتا۔ اہلیہ کو ساتھ لیتا تھا۔ اور ہر روز تین سو اینٹیں بنا لیتا تھا۔ اور اس طرح ہم اینٹیں بناتے رہے۔ اور جلسہ سالانہ کے آنے سے پہلے ہم نے اپنا ایک کمرہ بنا لیا اور گھر چلے گئے اور کرایوں سے بچ گئے۔ یہ کتنا بڑا فضل تھا۔ کہ جب ہم کو گھر سے نکالا گیا تھا اس وقت نہ ہمارا ربوہ میں کوئی گھر تھا اور نہ کوئی روزگار تھا اور ہمیں اس بات کی فکر تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہم نے اپنا گھر چھوڑا تھا۔

### چھٹا فضل

چھٹا فضل یہ ہوا کہ ہمارے خاندان کے وہ لوگ جنہوں نے ہمیں اپنا گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا ان کے تعلقات پانچ چھ سال بعد ہمارے ساتھ ٹھیک ہو گئے۔ باوجود اس کے کہ ہم اپنے احمدی عقیدہ پر قائم ہیں۔ جب ہم اپنے گاؤں جاتے ہیں تو کھلم کھلا دعوت الی اللہ کرتے ہیں۔ بحث مباحثہ تو ہوتا ہی رہتا ہے لیکن وہ عزت سے پیش آتے ہیں۔ وہاں وہ مخالفت اب ختم ہو گئی ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں گاؤں سے نکالا گیا تھا۔ ہمارے بچوں کی شادیوں کے موقعوں پر ہمارے رشتہ داران میں شامل ہونے کے لئے ہمارے پاس یہاں ربوہ آتے ہیں۔ جب ان کے ہاں کوئی شادی کا موقع آتا ہے تو ہمیں اس میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں اور ہم اپنے گاؤں جا کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے خاندان کے لوگ اپنے خاندان سے باہر رشتہ داریاں قائم نہیں کرتے لیکن میں نے اپنے خاندان سے باہر اپنے بچوں کی شادیاں کیں۔ اس کے باوجود ہمارے خاندان والے میرے نواسے نواسیوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی فضل ہے کہ میں نے صرف احمدیت کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑا اور اپنے رشتہ داروں کو



چھوڑا کیونکہ ایک قسم کی نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اب دوبارہ یہ نفرت ختم ہو کر محبت میں بدل گئی ہے۔ ہم ایمان پر قائم ہیں (الحمدللہ)۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔

### ساتواں فضل

احمدیت قبول کرنے کے بعد ساتواں فضل یہ ہوا کہ میں اپنے والدین کو جو غیر احمدی تھے، چھوڑ کر ربوہ آ گیا تھا۔ ان کی وفات پر نہ تو میں ان کا جنازہ پڑھ سکا اور نہ ہی ان کی فاتحہ خوانی اور چہلم میں شامل ہوا۔ اندیشہ تھا کہ خاندان کے لوگ کہیں گے کہ جس انسان نے اپنے والد کا جنازہ نہ پڑھا ہو اور نہ ان کی فاتحہ خوانی وغیرہ میں شریک ہوا ہو، وہ کس طرح ان کی جائیداد کا وارث ٹھہر سکتا ہے؟ لیکن میرے بھائیوں کے دل میں خدا کی طرف سے میری ہمدردی ڈال دی جس کی وجہ سے مجھے زمین ملی۔ کیونکہ میرے بھائیوں نے خود مجھے گاؤں بلا کر کہا کہ زمین میں سے اپنا حصہ لے لیں۔ چنانچہ ہم چاروں بھائیوں نے خود ساری زمین کی تقسیم کر کے اپنے اپنے حصہ کا انتقال بھی کروا لیا۔

حضرت مصلح موعود تفسیر کبیر جلد نمبر 2 صفحہ 126 میں فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور آپؐ کے اتباع کی تمام تر جدوجہد دین کے لئے تھی۔ لیکن یہ نہیں کہ وہ دنیا کی نعمتوں سے محروم ہو گئے تھے۔ جن لوگوں کو دین ملے گا دنیا ایک لونڈی کی طرح ان کے پیچھے پیچھے دوڑتی آئے گی۔ لیکن دین کے ساتھ دنیا کا ملنا ضروری نہیں۔ بسا اوقات وہ نہیں ملتا اور بسا اوقات رہا سہا دین بھی جاتا رہتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوا کہ ہم اپنے دین پر قائم ہیں اور احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے بظاہر جو ہم سے رشتہ داریوں اور زمین وغیرہ کی صورت میں جاتا رہا وہ سب ہمیں مل گیا ہے۔ یہ بھی تو خدا کا بہت بڑا فضل ہے۔

### آٹھواں فضل

ہمارا تعلق جس خاندان سے تھا اس میں رشتہ داریاں بھی خاندان کے اندر ہی قائم کی جاتی ہیں۔ کیونکہ جب ایک ہی خاندان میں رشتہ داریاں قائم کی جائیں تو ایک دوسرے کا احساس، لحاظ اور احترام ہوتا ہے۔ ہم احمدیت کی وجہ سے ان سے رشتہ داریاں نہیں کر سکتے تھے کیونکہ جنہوں نے غیر از جماعت میں ہی رشتہ داریاں قائم

کی ہوئی تھیں ۔جس کی وجہ سے وہ اولادوں سے محروم کئے گئے اور ان کی نسلیں تباہ ہو گئیں یعنی دینی لحاظ سے وہ تباہ ہو گئے ۔ہمیں ڈر تھا کہ اپنے خاندان سے باہر رشتے کرنے سے بچیوں کو تکلیف ہو گی لیکن اللہ کے فضل سے بڑے اچھے خاندانوں میں میرے سب بچوں کی شادیاں ہو گئی ہیں اور وہ بڑے محبت و پیار سے اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں ۔احمدیت کی وجہ سے ہماری نسلیں سچے عقیدہ پر مضبوطی سے قائم ہو گئی ہیں ۔ہمارے بچوں اور نواسے نواسیوں کو بھی احمدیت سے لگاؤ اور خلفاء احمدیت سے بہت پیار ہے۔

بڑی بیٹی رضوانہ کوثر کی شادی مکرم عبدالشکور خان ولد عبداللطیف خان سے ہوئی جو آپا طاہر صدیقہ ناصر صاحبہ حرمؒ کے رشتہ دار ہیں ۔ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا جو وقف نو کی بابرکت تحریک میں شامل ہیں ۔

چھوٹی بیٹی سلطانہ کوثر کی شادی مکرم شیخ بشارت احمد شاکر سکنہ محلّہ ناصر آباد غربی میں رہتے ہیں ، کے ساتھ ہوئی ہے ۔ان کی بھی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا جو وقف نو میں شامل ہیں ۔

اپنے بیٹے محمود احمد سلطان کی شادی چوہدری عبدالحمید بھٹی صاحب کی بیٹی سمیرہ بھٹی سکنہ محلّہ نصیر آباد ربوہ سے ہوئی ہے ۔اللہ کے فضل سے بہو نیک، مخلص اور تہجد گزار ہے ۔ان کا ایک بیٹا جس کا نام حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ثاقب محمود تجویز فرمایا ہے ۔نیز وقف نو کی بابرکت تحریک میں شامل ہے ۔اللہ کے فضل سے میرے دو نواسے ، پانچ نواسیاں اور ایک پوتا ہیں ۔نیز یہ آٹھوں بچے ہی وقف نو کی بابرکت تحریک میں شامل ہیں ۔اللہ تعالیٰ انہیں نیک اور خادم دین بنائے اور انہیں زیادہ سے زیادہ علم عطا فرمائے ۔یہ نیک ہوں اور ان کی شادیاں اچھی جگہوں پر ہوں اور ان کی آگے صالح اولاد ہو ۔آمین

### نواں فضل

حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کرتے ہوئے یہ عہد کیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا ۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے 1977ء میں وصیت کی تھی ۔اہلیہ بھی موصیہ تھیں ، جو کہ مورخہ 2 ر ستمبر 2009ء کو بقضائے الٰہی سے فوت ہو گئی



ہیں (انا للہ و انا الیہ راجعون) ۔اس وقت ہمارے گھر میں چار افراد یعنی میرے علاوہ بیٹا ، بہو اور ایک بیٹی بالغ ہیں ۔وہ بھی موصی ہیں ۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے اپنی ساس صاحبہ کا حصہ وصیت بھی ادا کرنے کی توفیق بھی ملی ۔جو اب بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں ۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی فضل ہے کہ ہم دونوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنا اپنا حصہ جائیداد وصیت کا ادا کر دیا ہے ۔اللہ تعالیٰ ہماری وصیتیں قبول فرمائے ۔آمین

### دسواں فضل

یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضلوں میں سے ہی ایک بہت بڑا فضل یہ ہے کہ اس نے مجھے اپنی زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اسے نبھانے کی کماحقہ استطاعت بھی دے رہا ہے ۔ اہلیہ صاحبہ اللہ کے فضل سے پنجوقتہ نماز ، تہجد اور تلاوت قرآن کریم کی عادی تھیں ۔باوجود اس کے کہ وہ رسمی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر سکول وغیرہ میں بالکل نہ گئی تھیں بلکہ گھر پر ہی انہوں نے پڑھنا لکھنا سیکھا تھا ۔ان کے دل میں احمدیت کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔انہیں 25 سال تک کا لمبا عرصہ اپنے محلّہ کی سیکرٹری مال ، سیکرٹری تحریک جدید اور سیکرٹری وقف جدید کے طور پر خدمت کی توفیق ملتی رہی ۔اس کے علاوہ انہیں ربوہ کے قرب و جوار دیہات میں بطور امیر قافلہ دعوت الی اللہ کی بھی توفیق ملتی رہی ۔اس طرح سے انہیں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خدمت دین کی توفیق عطا فرمائی ۔اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہت اجر فرماتے ہوئے ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے ۔آمین

### بارہواں فضل

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہی مجھے اپنی زندگی کے حالات لکھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے ۔کیونکہ اگر مجھے یہ توفیق نہ ملتی تو میرے بچوں کی خواہش پوری نہ ہوتی ۔جنہوں نے مجھے اپنی زندگی کے حالات لکھنے کی خواہش ظاہر کی ۔اللہ تعالیٰ ان تحریرات کو لوگوں کی ہدایت اور ایمان کی مضبوطی کا موجب بنائے ۔آمین

### چند مخلص دوستوں کا ذکر

جب میں جماعتوں میں گیا ۔ایک تو میں مرکزی نمائندہ تھا ۔بطور معلم کے گیا تو مرکزی نمائندہ ہونے کی وجہ سے

احباب جماعت نے بہت پیار کیا۔ دوسری بات یہ کہ نیا احمدی ہونے کی وجہ سے مشکلات برداشت کررہا تھا اور احباب جماعت میرے حالات کو دیکھ کر سب نے وہ پیار دیا کہ جس طرح کسی نئے پیدا ہونے والے بچے سے پیار کرتے ہیں اور سب عزت واحترام سے پیش آتے رہے۔ اگر میں ان کا ذکر کروں تو میرے لئے ان کا ذکر لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ جماعتوں میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ وہ دینی کاموں میں حصہ بھی لیتے ہیں اور دنیاداری میں بھی۔ کچھ دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور کچھ دنیا داری میں زیادہ مشغول جبکہ دینی کاموں میں کمزور دکھائی دیتے ہیں۔ چونکہ میں نیا احمدی تھا اور مجھے ہر وقت احمدیت کی ترقی اور احباب جماعت کی تربیت کرنے کی طرف توجہ تھی۔ جو عاشقانہ رنگ اختیار کر گئی تھی۔ اور میری زبان سے اکثر احمدیت کا ذکر ہی ہوتا تھا۔ ساری جماعت کے لوگ تو ایسے نہیں کہ وہ ہر وقت جماعت کے متعلق باتیں کرتے رہیں اور ہر وقت ان پر احمدیت کا جنون رہے۔ جو احمدی احباب جماعت کے متعلق میرے ساتھ مل کر احمدیت کا ذکر کرتے رہتے تھے ان کے ساتھ میری زیادہ محبت تھی اور جو دنیا کی طرف زیادہ راغب تھے ان کو دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اکثر لوگ اچھے تھے جن کے ساتھ بہت محبت تھی۔ ان کی بہت زیادہ تعداد ہے۔ اگر ان کے نام اور حالات لکھوں تو یہ کتاب بہت بڑی ہو جائیگی اور میں چھپوا بھی نہیں سکوں گا۔ اس لئے میں چند ایسے احباب کا ذکر کروں گا جب بھی ان کے ساتھ ملاقات ہوتی تھی ہم دینی باتیں کرتے تھے اور بہت لذت وسکون حاصل ہوتا تھا۔

**حکیم عبدالمنان صاحب مرحوم آنبہ نوریہ ضلع شیخوپورہ** یہ میرے بہت پیارے دوست تھے۔

بہت نیک، نمازوں کے پابند، تہجد گزار اور دعا گو تھے۔ ان کا احمدیت کے متعلق عاشقانہ رنگ تھا۔ جب بھی ہم مل بیٹھتے تھے سوائے احمدیت کے اور کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ اور



ایسی باتوں میں بہت لذت اور سکون ملتا تھا۔ اس وجہ سے میری ان کے ساتھ بہت محبت تھی۔ تبادلہ ہونے کے بعد کئی بار میں ان کے پاس ملنے گیا۔ اس پیار ومحبت کا ان کے اہل و عیال کو بھی احساس تھا۔ وہ بڑے عزت واحترام سے پیش آتے تھے۔ موصوف کی وفات کے بعد بھی احترام کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے دوسرے رشتہ دار بہنیں اسی طرح میرے ساتھ پیار محبت کرتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ پیار ومحبت کرتا ہے۔ جب میں ان کے پاس جاتا ہوں ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور ایک ہی صحن میں سوتے ہیں۔ مرحوم مولوی صاحب کی شخصیت ہی جاذب نظر تھی۔ سارے گاؤں میں ہمارا پیار ومحبت مشہور تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے (آمین)۔ ان کے بیٹے اور بیٹیوں کو نیک خادم دین بنائے۔

**مستری سعید احمد صاحب خلیل آباد اگہار کالونی آزاد کشمیر** یہ بھی احمدیت کے دیوانے ہیں۔

جب بھی میں ان کے پاس دورہ کے دوران جاتا تھا ہمیشہ احمدیت کا ذکر خیر رہتا تھا۔ اس وجہ سے ہمیں ایسا سکون ملتا کہ لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اس وجہ سے میری اور ان کی پیار ومحبت کی دوستی ہوگئی اور تبادلہ کے بعد دوبارہ ان کو ملنے کے لئے ان کے پاس گیا ہوں۔ وہ بھی جب ربوہ آتے ہیں ضرور مل کر جاتے ہیں۔ ان کی بیوی بچے بہت احترام سے پیش آتے ہیں۔ ان کے ساتھ دلی محبت ہے جو کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی۔ دعا ہے کہ اللہ انہیں صحت والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ ان کو اور ان کی اولاد در اولاد کو خادم دین بنائے۔ نیز دینی ودنیاوی ترقیات عطا فرمائے۔ آمین

**عظمت اللہ صاحب** مکرم مولوی محمد بخش صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ جو خود احمدی ہوئے تھے اور وہ اولکھ بیری نزد قادیان میں بطور معلم کام کرتے رہے ہیں۔ محترم عظمت اللہ صاحب کے بڑے بھائی عطاء اللہ صاحب کنزی

فیکٹری میں کام کرتے رہے ہیں۔ اب ربوہ میں رہتے ہیں اور ان سے چھوٹے بھائی جو عظمت اللہ سے بڑے تھے ہدایت اللہ صاحب ہیں۔ پہلے انسپکٹر بیت المال رہے ہیں۔ اب جرمنی میں مقیم ہیں۔ عظمت اللہ صاحب کے ذریعے مجھے احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ اسی دن سے ہماری دوستی قائم ہے اور ہم بھائیوں کی طرح دکھ سکھ میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور بھائیوں کی طرح رہتے ہیں۔ ہمارے بیوی بچے ایک دوسرے سے محبت سے پیش آتے ہیں۔ بلکہ ان کے خاندان کے سارے افراد ہی میرے ساتھ بڑی عزت سے پیش آتے ہیں اور پیار کرتے ہیں۔ میں ان کا شکریہ بھی ادا نہیں کرسکتا کیونکہ یہ احمدیت کی نعمت جو مجھے نصیب ہوئی ان کی محبتوں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں کہ مجھ جیسے ایک ادنیٰ انسان کو خدا کے فضل سے احمدی کرنے کی توفیق ملی۔ کئی بار لوگوں کو بڑا خوش ہو کر مجھے دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں احمدی تو میں نے اپنی تمام عمر میں صرف ایک ہی کیا ہے اور یہ لاکھوں میں ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسن ظنی کو قبول فرمائے اور ہماری دوستی اور پیار و محبت کو قائم رکھے (آمین)۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی اولاد کو دینی و دنیاوی ترقیات سے نوازے۔ آمین

## جماعتوں کے افراد جن سے زیادہ تعلق رہا ہے

ویسے تو سب احمدی احباب ادب و احترام سے پیار و محبت سے پیش آتے رہے ہیں اور سب کا ذکر خیر کرنا تو ممکن نہیں۔ بعض لوگ تو خدمت دین اور احمدیت کے شدائی ہوتے ہیں۔ ان میں سے چند افراد کا میں یہاں ذکر کرتا ہوں۔

پہلا سنٹر جہاں مجھے بھجا گیا وہ چک نمبر 5/3.L ضلع جھنگ ہے۔ اس سنٹر میں چوہدری منور احمد صاحب اور چوہدری مظفر احمد صاحب جو بشارت احمد کوثر صاحب معلم وقف جدید کے بڑے بھائی اور چوہدری محمد صادق صاحب صدر جماعت جو مبشر احمد طارق شاہد صاحب مربی سلسلہ کے والد ہیں اور چوہدری قادر بخش صاحب جو چوہدری محمد صادق



صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان کے ساتھ مجھے بہت محبت اور پیار تھا۔ وہ بھی مجھے پیار کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ان کے علاوہ مبشر احمد طارق شاہد صاحب مربی سلسلہ سے میرے بہت اچھے تعلقات رہے۔ ہم دونوں مل کر نماز تہجد ادا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے چار پارے ترجمہ قرآن میرے سے پڑھا تھا۔ میں نے ہی انہیں زندگی وقف کرنے کی تحریک کی تھی اور عبدالعزیز شاہ صاحب مربی ضلع کی کوششوں سے ان کو داخلہ ملا۔ کیونکہ وہ اس وقت شادی شدہ تھے اور ان کا ایک بچہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ خدمت دین کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔

## 1978ء سنٹر نمبر 2 ڈاور

یہاں کے لوگ بھی اچھے تھے اور مجھ سے پیار و محبت سے پیش آتے تھے۔ چوہدری محمد علی صاحب ایم اے جو تعلیم الاسلام سکول میں ٹیچر ہیں۔ ان کے سارے خاندان سے نمایاں تعلق رہا اور بعد میں بھی میں ان سے ملنے جاتا رہا۔

## سنٹر نمبر 3 بستی وریام تحصیل

وہاں ایک کنبہ احمدی تھا۔ وہ بڑے زمیندار تھے۔ اکثر دنیا کے کاموں میں مشغول تھے اور اپنے گھر میں بہت کم وقت گزارتے تھے۔ وہاں ان کے چچا کا بیٹا جو احمدی نہ تھا اور شیعہ مسلک سے تعلق تھا۔ ان کے ساتھ میرا پیار محبت کا تعلق تھا۔ ان کو دعوت الی اللہ کرتا تھا۔ وہ میرے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرتا تھا۔ ان کے ساتھ بہت محبت تھی جواب بھی قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں احمدیت قبول کرنے کی توفیق دے۔ آمین

## سنٹر نمبر 4 جماعت آنبہ نوریہ ضلع شیخوپورہ

اس جماعت میں حکیم عبدالمنان صاحب سے نمایاں پیار و محبت تھا۔ جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ ان کے علاوہ چوہدری صلاح الدین صاحب، چوہدری نصیر احمد صاحب مرحوم، چوہدری ریاض احمد صاحب مرحوم اور چوہدری اصغر علی صاحب اور میاں

اصغر صاحب میانہ ٹھٹھہ آخری چار احباب نئے اور شیدائی احمدی تھے۔ ان کے ساتھ میرا بہت محبت و پیار کا تعلق تھا۔ کیونکہ کالیہ گاؤں کا نام حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے نوریہ رکھا تھا۔ نوریہ گاؤں سے ملک محمد موسیٰ صاحب صدر جماعت اور چوہدری عبدالغفور صاحب مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی احمد دین صاحب مرحوم۔ یہ آخری دو بھائی بھی احمدی اور احمدیت کے شیدائی تھے۔ ان کے ساتھ میرے بہت اچھے تعلقات اور پیار و محبت تھا۔ یہ تینوں احباب وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

یہاں سے میرا تبادلہ نگر پار کر سندھ میں ہوا۔ 1984ء میں میرا تبادلہ جماعت احمدیہ دھیر کے کلاں ضلع گجرات میں ہوا۔ ان دنوں میں دونوں جماعتوں دھیر کے کلاں اور شادی وال میں کام کرتا رہا اور باقاعدگی سے کلاسیں لگاتا رہا جس کی وجہ سے مجھے وہاں زیادہ مل بیٹھنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ بہر حال چوہدری محمد فیض بھٹی صاحب مرحوم اور چوہدری عطاء محمد نمازی مرحوم اور چوہدری ناصر احمد بھٹی صاحب اور گجرات شہر سے ڈاکٹر احمد حسن چیمہ صاحب سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ ان کی خواب کا ذکر قبل ازیں میں ذکر کر چکا ہوں۔ ان میں سے سوائے چوہدری ناصر احمد بھٹی صاحب کے باقی سب وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

دھیر کے کلاں سے میرا تبادلہ خلیل آباد گھار کالونی کوٹلی آزاد کشمیر میں ہوا۔ وہاں مستری سعید احمد صاحب کا میرے ساتھ نمایاں تعلق رہا۔ جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ ان کے علاوہ حمید احمد صاحب درزی، حاجی محمد صاحب اور شہر میں ڈاکٹر بشیر احمد صاحب امیر ضلع اور ڈاکٹر ظفر احمد کلیم صاحب سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ جماعت احمدیہ خلیل آباد سے میرا تبادلہ چک نمبر 559 گ۔ب ضلع فیصل آباد میں ہوا۔ وہاں شریف احمد باجوہ صاحب اور چک نمبر 563 میں بھی رہا۔ وہاں چوہدری محمد نواز بھٹہ صاحب، چوہدری مشتاق احمد بھٹہ، چوہدری انور بھٹہ، چوہدری محمد صدیق صاحب اور چوہدری محمد اسلم صاحب جو ابھی



احمدی نہیں تھے لیکن احمدیوں کا ساتھ دیتے تھے۔ ان کے ساتھ پیار و محبت کا نمایاں سلوک تھا۔ چک نمبر 563 ضلع فیصل آباد سے میرا تبادلہ چک نمبر 18 بھوڑو ضلع شیخوپورہ میں ہوا تھا۔ وہ بڑی جماعت تھی۔ سارا دن کلاسیں لگی رہتی تھیں۔ نمایاں تعلق چوہدری محمد علی صاحب ولد بشیر احمد صاحب اور ان کے بھائی محمد عارف صاحب سے دوستانہ تعلق تھا۔ گجر میں ماسٹر محمد اصغر صاحب جو اب انسپکٹر تحریک جدید ہیں ان کے ساتھ دوستی کا تعلق تھا۔ ان کے علاوہ چوہدری محمود احمد صاحب، چوہدری منظور احمد گل صاحب، چوہدری ولی محمد صاحب، چوہدری محمد علی وینس صاحب اور چوہدری عبدالغنی صاحب سے تھا۔ چوہدری محمد اشرف صاحب، چوہدری محمود احمد پٹواری صاحب اور ان کے بیٹوں سے چوہدری نذیر احمد صاحب اور ان کی تمام اولاد جو چھ بیٹوں پر مشتمل ہے اور اب ربوہ میں آباد ہے سے بہت اچھے تعلقات رہے ہیں۔ میرا بھڑ کا کے سب احباب کا ذکر کرنا تو ممکن نہیں۔ ماسٹر عبدالرزاق صاحب نمایاں تھے۔ جو میرے ساتھ تربیت کا کام کرتے تھے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ میں سب کا ذکر کروں لیکن چونکہ یہ ممکن نہیں اس لئے میں کسی کا بھی ذکر نہیں کرتا۔ سب کے ساتھ عاشقانہ تعلق تھا۔

میرا بھڑ کا آزاد کشمیر سے میرا تبادلہ چک نمبر 93 ساہیوال ہوا۔ وہاں صرف دو ماہ کے بعد میرا تبادلہ دوبارہ گجر ضلع شیخوپورہ میں ہوا جہاں میں ایک سال رہا۔ اس کے بعد میرا تبادلہ گرمولہ ضلع شیخوپورہ ہوا۔ وہاں چوہدری منیر احمد صاحب صدر جماعت نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے احباب جماعت سے پیار و محبت کا تعلق تھا۔ میرے لئے ان میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ جماعت گرمولہ چک نمبر 169 سے میرا تبادلہ چک نمبر 10/70 منشی والہ ہوا تھا۔ وہاں سے دو ماہ بعد میرا تبادلہ چک نمبر 170/10-R ضلع خانیوال ہوا۔ اس جماعت میں چوہدری مبارک علی صاحب اور چوہدری نذیر احمد صاحب کے ساتھ نمایاں تعلق تھا۔ ان کے علاوہ سب سے پیار و محبت تھا۔ جن کا فرداً فرداً ذکر کرنا مشکل ہے۔ اللہ

تعالیٰ ان کو دینی و دنیوی ترقیات عطا فرمائے۔ آمین

چک نمبر 170/10-R ضلع خانیوال سے میرا تبادلہ دھرگ ضلع نارووال ہو گیا۔ میں وہاں دو سال سے رہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں بھی خاکسار کے اچھے تعلقات ہیں اور کسی کو بھی کوئی شکایت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

**دفتر وقف جدید**

جب میں نے وقف جدید میں وقف کیا تو اس وقت حضرت مرزا طاہر احمدؒ صاحب ناظم ارشاد وقف جدید تھے۔ ان کا تعلق میں قبل ازیں ذکر کر چکا ہوں۔ بطور ارشاد وقف جدید معلمین کے ساتھ تعلق نمایاں تھا۔ نئے احمدی ہونے کی وجہ سے وہ میرے ساتھ بہت پیار کرتے تھے۔ میں خلافت سے قبل انہیں خط لکھا کرتا تھا۔ میرے دل میں ان کا بہت ادب و احترام تھا۔ میں انہیں 'بحضور لکھ' کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ مجھے خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے سب سے زیادہ محبت و پیار تھا اور وہ بھی اسی محبت و پیار سے پیش آتے تھے۔ اس وقت کے کارکن سید محسن شاہ صاحب، صوفی خدا بخش زیروی صاحب، صوبیدار شرافت علی صاحب اور صوفی عبدالغفور صاحب بزرگان ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ بہت پیار کیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اس وقت کے کارکن ضیاء الرحمٰن صاحب اور مرزا خلیل احمد قمر صاحب اور منظور احمد صاحب میرے ساتھ بہت محبت و احترام سے پیش آتے رہے اور آتے ہیں۔ ان کے علاوہ نیا عملہ وقف جدید عمر میں میرے سے چھوٹے ہونے کی وجہ سے احترام کرتے ہیں۔ منصور احمد مبشر صاحب مربی سلسلہ اور دوسرے کارکنان، سجاد احمد منصور احمد محمود صاحب، فرید احمد طاہر صاحب، مبارک احمد شاہ صاحب اور واحد اللہ جاوید صاحب سے بھی میرے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بطور ناظم وقف جدید کے بعد مکرم اللہ بخش صادق صاحب ناظم ارشاد مقرر ہوئے۔ میرے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ وہ میری کارکردگی سے بہت خوش تھے اور انہیں مجھ پر اعتماد تھا۔ بعض اوقات برملا کہہ دیتے کہ نواز



دیوانہ وار کام کرتے ہیں۔ جب میرا تبادلہ میرا ابھڑ کا آزاد کشمیر سے نگر پارکر سندھ ہوا تو ایک میٹنگ معلمین میں قریباً ڈیڑھ سو کے قریب معلمین کی موجودگی میں میرے کام کی تعریف کی۔ معلمین کو میری طرح کام کرنے کی تحریک کی۔ وہ ناظم وقف جدید کے دوران میرے ساتھ خاص شفقت کرتے تھے۔ بعض اوقات تو مالی اعانت بھی فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

اللہ بخش صادق صاحب کے بعد مکرم مظہر اقبال صاحب ناظم ارشاد وقف جدید میرے کام سے مطمئن نظر آتے ہیں اور میرے ساتھ بڑے اخلاص سے پیش آتے ہیں۔ جب میں ان کے دفتر میں جاتا ہوں تو مجھے کھڑے ہو کر ملتے ہیں۔ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب بھی بالکل اسی طرح مجھ سے ملا کرتے تھے۔ ان کا سلوک بھی میرے ساتھ بہت مہربانہ ہے۔ بعض اوقات اپنی گرہ سے مالی اعانت بھی کرتے رہتے ہیں۔ بہت عزت و احترم سے پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فضلوں کی بارش برساتا چلا جائے۔ آمین۔ ان کے علاوہ احسان اللہ چیمہ صاجب نگر پارکر کے علاقہ کے نائب ناظم رہے ہیں۔ وہ بھی میرے ساتھ بڑی محبت و پیار سے پیش آتے رہے اور بہت عزت کرنے والے ہیں۔ ان کا ذکر بھی میں قبل ازیں کر چکا ہوں۔

ناظر صاحب اصلاح وارشاد مقامی مکرم حافظ مظفر احمد صاحب میرے پُرانے دوست ہیں۔ بلکہ ان سے پہلے ان کے والد صاحب سے دوستی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے ان سے دوستانہ تعلق ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ جب تقریری مقابلہ اردو، انگریزی اور عربی میں اوّل آئے تو میں بہت خوش ہوا۔ اس کا ذکر اپنی اہلیہ سے کیا تو وہ بھی بہت خوش ہوئیں اور کہا کہ چلیں ان کے گھر میں جا کر مبارک باد دے آتے ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں رات کو ان کے گھر مبارک باد دینے گئے۔ مکرم حافظ مظفر احمد صاحب مصروف رہتے ہیں۔ لیکن جب بھی ان سے ملاقات ہوتی تو بہت احترام اور محبت سے پیش آتے ہیں اور خیریت

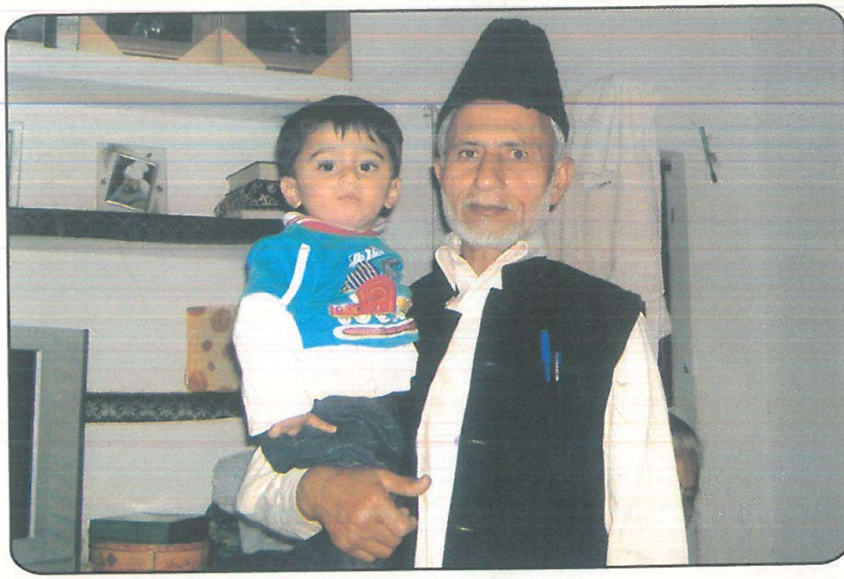
دریافت کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔آمین

مکرم مولانا مبشر احمد صاحب کاہلوں ہمارے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ 1978ء میں میری ان کی ملاقات آنبہ نوریہ ضلع شیخوپورہ جماعت میں ہوئی تھی۔ان کا پیدائش کا گاؤں ہمارے گاؤں کے بالکل قریب واقع ہے لیکن ہمارا علاقہ ایک ہی ہے۔ میرے ساتھ بڑے احترام و پیار سے پیش آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور عزت میں برکت عطا فرمائے اور ان کو صحت و سلامتی عطا فرمائے۔آمین

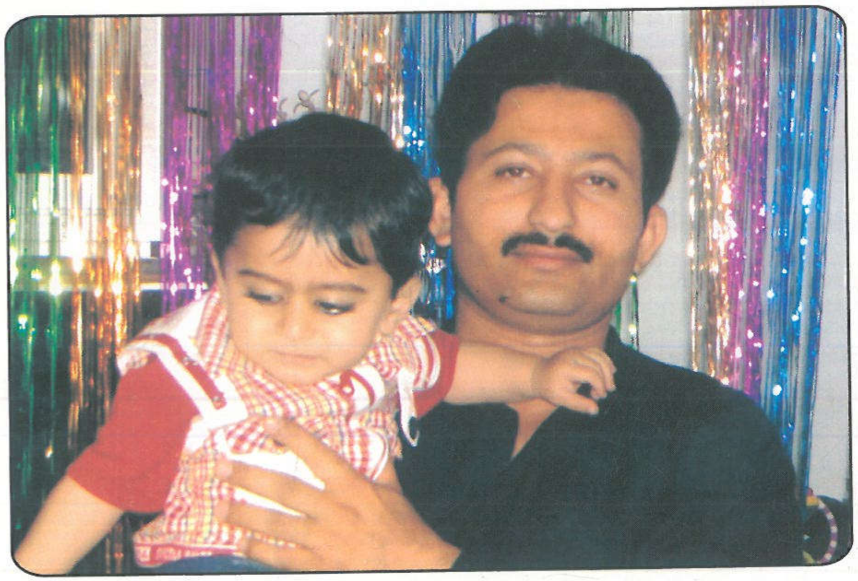
مکرم مغفور احمد منیب صاحب نائب ناظر اصلاح وارشاد مقامی سے میرا تعارف قریباً پانچ چھ سال قبل ہوا تھا۔وہ مربیان و معلمین کی ضلعی میٹنگز میں شریک ہوتے ہیں۔میرے حالات زندگی سننے سے ان کا تعلق میرے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔ایک مرتبہ وہ ایک میٹنگ میں تلونڈی بھنڈراں ضلع نارووال گئے اور ترجمۃ القرآن کلاسیں لینے کی طرف مربیان و معلمین کو توجہ دلانے کے بعد جب جائزہ لیا کہ کس کس نے ترجمۃ القرآن مکمل کتنے احباب کو سکھایا ہے۔تو دو سے تین معلمین نے ہاتھ کھڑے کئے۔جن میں بھی شامل تھا۔کسی معلم نے کہا کہ میں نے دو کو اور کسی نے کہا تین کو ترجمۃ القرآن سکھایا ہے۔جبکہ میں نے بتایا کہ میں 31 افراد کو مکمل ترجمہ سکھا چکا ہوں۔یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔جب انہوں نے میرے احمدی ہونے کا واقعہ دریافت کیا تو بتانے پر ان کی میرے لئے محبت اور بھی بڑھ گئی اور وہ مجھے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے نوازے۔آمین

**”طاہر بیکری“ والے دار الصدر غربی**

طاہر احمد صاحب میرے بہت ہمدرد دوست ہیں۔جب بھی ان کے پاس جاتا ہوں بڑے محبت اور پیار سے پیش آتے ہیں اور اب بھی بہت خوشگوار ہیں۔ان کے ساتھ میری واقفیت اس طرح سے ہوئی کہ 1977ء میں میں مکان کا کچھ حصہ تعمیر کر رہا تھا کہ روپے ختم



ثاقب محمود دادا کی گود میں



محمود احمد سلطان اور ثاقب محمود

ہو گئے۔ اس لئے تعمیر ادھوری چھوڑ کر سنٹر جانے لگا تو میری بیٹی رضوانہ کی خوشدامن صاحبہ کی طاہراحب سے رشتہ داری تھی۔ اس وجہ سے میری بیٹی بھی ان کو جانتی تھی۔ اس نے اس بات کا ذکر طاہر صاحب سے کر دیا کہ یوں میرے والد بجٹ ختم ہو جانے کے باعث واپس سنٹر جا رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اپنے والد صاحب کو میرے پاس بھجوائیں۔ چنانچہ میں ان کے پاس چلا گیا۔ وہ مجھے اور میں ان کو نہیں جانتا تھا۔ اس طرح سے ہماری یہ پہلی ملاقات تھی۔ جب ان کو تعارف کروایا گیا تو وہ بڑے اخلاق سے ملے اور بوتل اور چائے سے خاطر کی۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو مکان کی تعمیر کے لئے کتنے روپوں کی ضرورت ہے اور یہ رقم کب تک لوٹا دیں گے۔ میں اس بات سے سوچ میں پڑ گیا کہ قرضہ حسنہ کے طور پر رقم لوں گا تو لوٹاؤں گا کب تک چنانچہ میں نے غور وفکر کر کے ان کو بتایا کہ مجھے -/4,000 روپے چاہئیں اور چار ماہ بعد اس رقم کی واپسی کا وعدہ کیا۔ میں نے تحریر لکھ دی۔ طاہر صاحب نے مجھے مطلوبہ رقم بطور قرض حسنہ دے دی۔ میں نے وہ رقم چار ماہ پورے ہونے سے چند روز قبل ہی لوٹا دی۔ جس پر وہ بہت خوش ہوئے۔ دوسری بار مجھے اپنے بیٹے عزیزم محمود احمد سلطان کی شادی کے موقع پر 10,000 روپوں کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ میں نے دوبارہ طاہر صاحب سے رجوع کیا۔ سابقہ قرض احسن طریق سے قبل از وقت ادا کرنے کی وجہ سے ان کا اعتماد مجھ پر بہت بڑھ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے نا صرف میری خاطر تواضع کی بلکہ تحریر وغیرہ بھی نہ لی۔ ایک ماہ بعد جب میں سنٹر سے واپس ربوہ آیا تو مجھے خیال آیا اور یہ بات میں نے ان سے کہی کہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ قرض لیتے وقت لکھ لینا چاہیے تا کہ انسان شیطانی وساوس اور جھگڑوں سے بچا جا سکے۔ چنانچہ میں نے 10,000 روپے قرض کی تحریر لکھ کر دے دی۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے ان سے پنشن کی رقم ملنے پر قرض واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا لہٰذا پنشن ملنے پر سب سے پہلے میں ان کے پاس گیا تا کہ قرض کی رقم واپس کروں۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ میں

نے آپ کو ایسا شخص دیکھا ہے جسے قرض لوٹانے کی فکر رہتی ہے اور خود آ کر قرض لوٹاتا بھی ہے۔ایک بار میں نے ان سے کہا کہ مجھے قبض و گیس کی تکلیف ہوگئی ہے تو انہوں نے کہا کہ چنیوٹ میں میرا ایک حکیم دوست ہے وہ بہت قابل ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ساتھ لے چلتا ہوں۔ میں نے ان سے حکیم کا نام پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ ان کا نام میاں انور ہے جو بھجناں خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ تو ہمارے رشتہ داروں میں سے ہیں۔قریباً پچاس سال قبل ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں ان کے پاس گیا تھا۔وہ مولوی قسم کے آدمی ہیں۔اس وجہ سے کہ چنیوٹ والے رشتہ دار احمدیت کی مخالفت کرتے ہیں۔احمدیت قبول کرنے کے بعد مجھے ان سے ملاقات کا موقع نہیں ملا۔ بہرحال طاہر صاحب مجھے اپنی گاڑی پر چنیوٹ لے گئے۔حکیم صاحب باری باری مریضوں کا معائنہ کر رہے تھے۔انہوں نے مجھے دیکھ کر پہلے وقت دے دیا۔ میں نے پتہ ربوہ کا لکھوایا تھا۔ انہوں نے نسخہ لکھ کر دیا اور میں نے کہا کہ کیا آپ نے مجھے پہچانا ہے۔وہ کہنے لگے کہ کیا میں اپنے خون کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔اب جبکہ ان کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ میں اپنی سرگزشت لکھ رہا ہوں تو انہوں نے میری معاونت کا وعدہ کیا ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اہلیہ صاحبہ جو بیمار ہیں ان کو شفائے کاملہ اور صحت و سلامتی والی لمبی عمر عطا فرمائے (آمین)۔اسی طرح طاہر احمد صاحب کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور دینی و دنیاوی ترقیات عطا فرماتا چلا جائے۔آمین

## اہلیہ صاحبہ کی وفات

اللہ تعالیٰ نے اہلیہ کو کئی دفعہ بیماری سے شفا عطا کی اور ایک دفعہ تو شدید بیمار ہوگئیں اور چلنے پھرنے سے قاصر ہوگئیں۔لیکن چھ ماہ کے وقفہ کے بعد پھر اسی طرح محلّہ میں سیکرٹری مال لجنہ اور سیکرٹری تحریک جدید اور سیکرٹری وقف جدید کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا اور



2005ء تک وہ کام کرتی رہیں۔

اللہ کے فضل سے میں تو وقف زندگی تھا۔ باہر کی جماعتوں میں کام کرتا رہا اور اہلیہ کو ایک لمبا عرصہ یعنی 25 سال میرے بغیر بچوں کی تربیت کی توفیق ملی۔ باوجود اس کے کہ وہ سکول پڑھنے کیلئے ایک دن بھی نہیں گئیں جو کچھ پڑھا گھر میں پڑھا۔اہلیہ کی تربیت کی وجہ سے بچوں کے دل میں سلسلہ احمدیہ کی محبت داخل ہوگئی تھی۔ ساری زندگی انہوں نے اپنے خاوند کا بے حد خیال رکھا اور کبھی شکایت کا موقع نہ دیا اور بچوں کو ایسا پیار دیا کہ بچے آج بھی اپنی ماں کو یاد کر کے اس کے لئے دست بدعا رہتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ہمارے محلّہ میں پڑھی لکھی عورتیں بھی تھیں لیکن ان کے عاشقانہ کام کرنے کی وجہ سے ان کو ایک لمبا عرصہ خدمت کی توفیق ملی۔2009ء میں پھر بیمار ہوگئیں۔اس کے پتہ کا آپریشن ہوا تھا۔ یرقان کا عارضہ بھی تھا۔ بالآخر خدا کی تقدیر غالب آئی اور مؤرخہ 2 ستمبر 2009ء میں فضل عمر ہسپتال ربوہ میں بعمر 58 سال اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئیں۔انا للہ و انا الیہ راجعون

## بچوں اور بچیوں کا کچھ تذکرہ

میری بڑی بیٹی رضوانہ کوثر کی شادی عزیزم عبدالشکور خان صاحب سے ہوئی ہے۔ آپ عبداللطیف خان صاحب مرحوم کے بیٹے ہیں جو آپا طاہرہ صدیقہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے چچا تھے اور ویرووال کے رہنے والے تھے۔آج کل محلّہ دارالصدر غربی لطیف میں رہائش پذیر ہیں۔ جب عزیزم عبدالشکور کے رشتہ کے لئے ہمارے پاس ان کے بھائی ہمارے گھر آئے تو انہوں نے آپا طاہرہ صدیقہ کا حوالہ دیا کہ وہ ہماری پھوپھی ہیں تو ہم نے بڑی خوشی سے رشتہ دے دیا۔ ہمارے داماد عبدالشکور خان صاحب بھی بہت اچھے انسان ہیں۔ ہماری بیٹی رضوانہ کوثر کو یکے بعد دیگرے چار بچیاں پیدا ہوئیں۔ایسے حالات میں خاوند یا بیوی کے سسرال والے گھبرا جاتے ہیں کہ بچیاں ہی پیدا ہو رہی ہیں اور جس کی وجہ

سے پھر گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے اور بیوی کو ہی قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے۔ بہر حال عزیزم عبدالشکور خان نے بڑے صبر اور خوشی سے اپنی بیٹیوں کی پیدائش پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ایک بیٹی فوت ہوگئی۔ جسے بڑے صبر سے بچی کے والدین نے برداشت کیا۔ آخر میں خدا تعالیٰ نے انہیں بیٹا عطا فرمایا ہے۔ ان کی ساری اولاد اللہ کے فضل سے وقف نو میں شامل ہے۔ نیز دونوں میاں بیوی بڑے سلوک اور پیار و محبت سے زندگی گزار رہے ہیں اور اپنے بچوں کی تربیت کر رہے ہیں۔ وہ احمدیت سے بہت پیار رکھتے ہیں اور فدائی احمدی ہیں۔ اللہ ان کو دینی ترقیات عطا فرماتا چلا جائے۔ آمین

میری دوسری بیٹی سلطانہ کوثر کی شادی محترم شیخ بشارت احمد شاکر صاحب الیکٹرونک انجینئر سے ہوئی۔ جو ناصر آباد غربی ربوہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کے مطابق ان کے والد صاحب حکیم عبدالرحمٰن صاحب راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ 13 سال کی عمر میں حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر بیعت کر کے دین حق قبول کیا۔ اس طرح سے آپ کو رفیق حضرت مسیح موعودؑ کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے دہلی سے حکیم حاذق کا امتحان پاس کر کے سند حاصل کی تھی اور انہوں نے مسجد اقصیٰ قادیان کے قریب دوکان کھولی تھی۔ قادیان میں سے سب سے پہلے الیس اللہ بکاف عبدہ کی انگوٹھیاں تیار کرنے کا کام انہوں نے شروع کیا تھا اور ساتھ جیولری کا کام بھی کیا۔ جواہر کی خرید و فروخت بھی کیا کرتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد لاہور میں کام کرتے تھے۔

بشارت احمد شاکر صاحب بتاتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ اور نواب مبارکہ صاحبہ کی ایک بیٹی میری رضاعی بہنیں ہیں۔ اس طرح میرا تعلق حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان سے بھی ہے۔ 1987 میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں MTA کی تجویز بھجوائی گئی تھی۔ بعد ازاں 1991ء میں امریکہ کے دورہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے ملاقات میں حضور نے فرمایا کہ آپ کی تجویز پر کام ہو رہا



ہے اور حضور نے از راہ شفقت میرے ساتھ فوٹو بھی بنوائی۔ چنانچہ 1991ء میں اللہ تعالیٰ نے جماعت کو MTA کا روحانی مائدہ عطا فرمایا۔

بشارت احمد شاکر صاحب اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ بہت ملنسار ہیں۔ میری اور میری اہلیہ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ بڑی عمر کے باوجود وہ ہمیں ابو اور امی کہہ کر پکارتے ہیں۔ اپنی اہلیہ اور بچوں سے پیار و محبت اور سکون سے زندگی گزار رہے ہیں۔ میانہ رو ہیں اور فضول خرچی نہیں کرتے۔ غرباء کی مدد کرنے والے ہیں۔ جماعتی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں۔ ہماری بیٹی سلطانہ کوثر سے ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہیں جو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی مبارک تحریک وقف نو میں اللہ کے فضل سے شامل ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی کو صحت والی لمبی عمر سے نوازے اور ان کی اولاد کو نیک خادم دین بنائے۔ آمین

تیسرے نمبر پر میرا بیٹا عزیزم محمود احمد سلطان ہے جو کہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اللہ کے فضل سے بہت نیک ہے اور بہت محنتی انسان ہے۔ ماں باپ کی خدمت کرنے والا آج تک کبھی ہمیں اس کا گلہ نہیں ملا کہ وہ کسی لڑائی میں شامل ہوا ہو یا اس نے کسی کو گالی دی ہو یا پھر کسی اور رنگ میں اس کی شکایت ملی ہو۔ وہ اپنے گھر سامان منگوا کر دوکانوں پر پہنچاتا ہے۔ اللہ کے فضل سے اس کا کام بہت اچھا ہے اور اس میں برکت بھی ہے۔ آغاز میں وہ سائیکل پر کام کرتا رہا پھر اس نے موٹر سائیکل خرید لی۔ اب اللہ کے فضل سے اس کے پاس کیری ڈبہ ہے۔ وہ ہر چندہ اور تحریک میں حصہ لیتا ہے اور اللہ کے فضل سے موصی ہے۔ اس کی شادی عزیزہ سمیرا بھٹی صاحبہ بنت چوہدری عبدالمجید بھٹی صاحب سے ہوئی جو کوٹلی جہور نزد سانگلہ ہل کے رہنے والے ہیں اور اب نصیر آباد میں ان کا گھر ہے۔ بہت مخلص خاندان ہے اور نمازوں کے پابند ہیں۔ بیٹے کی شادی کے بعد ہم دونوں خاندانوں کا آپس میں بہت پیار ہے اور ایک دوسرے کے غم و خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ عزیزم سلطان کی

شادی کو اڑھائی سال سے زائد ہو رہے ہیں لیکن کبھی لڑائی یا شکایت کا موقع نہیں ملا۔ اللہ کے فضل سے بڑے پیار و محبت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ ہماری بہو ہمارے ساتھ اس طرح گھل مل گئی ہے کہ جیسے وہ ہمارے گھر کا ہی حصہ تھی۔ ہم بھی اس سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک بیٹا بھی ہے جو بہت پیارا ہے۔ اس کی شروع سے اچھی تربیت ہو رہی ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ثاقب محمود تجویز کیا نیز ازراہ کرم اسے وقف نو کی بابرکت تحریک میں شامل فرمایا ہے۔

چھوٹی بیٹی عابدہ مبارکہ ہے جو .B.Ed کر رہی ہے اور کورس مکمل کرنے کیلئے گورنمنٹ ہائی گرلز سکول ربوہ میں پڑھاتی ہے۔ پنجوقتہ نماز کی عادی ہے۔ ہر روز تلاوت قرآن کریم کرتی ہے۔

٪......٪......٪



# حضور کی خدمت اقدس میں دعائیہ خط

جس طرح میں اس سے قبل بھی تحریر کر چکا ہوں کہ میں نے ایک کتاب اپنی زندگی کے متعلق تحریر کر دی تھی۔ لیکن اس کا چھپوانا بہت مشکل نظر آ رہا تھا نہ مجھ کو یہ علم تھا کہ کتابیں کس طرح چھپوائی جاتی ہیں اور نہ میرے پاس کتاب چھپوانے کے لئے کوئی مالی طاقت تھی کہ میں کتاب کی چھپوائی کا خرچہ ادا کر سکوں۔ میں نے اپنی اس کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اس کا اظہار کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کو دعا کے لئے خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ اس حوالہ سے میری مدد فرمائے۔ دعائیہ خط فیکس کرنے کے بعد ہی قبولیت دعا کے آثار محسوس ہونے لگے۔ کیونکہ میں کوئی ایسا معاون تلاش کر رہا تھا جو اس کتاب کے حوالہ سے میری مدد کرے۔ مجھے ایسا کوئی معاون نہ مل رہا تھا۔ لیکن دعائیہ خط ارسال کرنے کے بعد مکرم مغفور احمد منیب صاحب نائب ناظر اصلاح وارشاد نے میری کتاب دیکھ کر کہا کہ آپ نے تو بہت اچھی کتاب لکھ دی ہے۔ میں اس کو پڑھوں گا اور اس میں ضروری تصحیح کر دوں گا۔ نیز اس کی چھپوانے کے لئے آپ کی مدد کروں گا۔ چنانچہ وہ اس کتاب کی تصحیح و چھپوائی کیلئے کوشش کرنے لگے اور آخر تک انہوں نے اس کتاب کے حوالہ سے میری مدد و رہنمائی کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے بیوی بچوں کو جزائے خیر دے اور انہیں دینی و دنیاوی ترقیات عطا فرمائے۔ آمین

میرے دعائیہ خط کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس نے مؤرخہ 3/ جولائی 2009ء کو جو تحریر فرمایا اس کا نمونہ لف ہذا ہے۔

حضور کے جوابی خط کے بعد جن احمدی احباب نے اس کتاب کے لئے میری مالی معاونت کی ان کے اسماء تحریر خدمت ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلے عظمت اللہ صاحب ہیں جن کے ذریعے مجھے اللہ تعالیٰ نے مجھے احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

دوسرے نمبر پر شیخ بشارت احمد شاکر صاحب جو میری دوسری بیٹی کے خاوند ہیں۔

تیسرے نمبر پر طاہر احمد صاحب (طاہر بیکری والے) ہیں۔ جو ربوہ میں رہائش پذیر ہیں۔

چوہدری ناصر احمد صاحب ہوٹل والے ضلع نارووال

ان کے علاوہ رفیق احمد صاحب صدر جماعت میرا بھڑ کے آزاد کشمیر اور نویدہ منظور صاحبہ میرا بھڑ کے آزاد کشمیر ہیں۔ صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ ضلع نارووال اور عظمت ناہید صاحبہ نگران حلقہ ضلع نارووال آف ملہو کے جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ یہ کتاب لجنات کی تربیت کیلئے بہتر ہے۔ ان کی کوششوں سے جن لجنات نے کتاب کی خریداری کیلئے ایڈوانس میں ادائیگی کی اور میری مدد کی ان کے نام تحریر کئے جاتے ہیں۔

1 شازیہ اشفاق صاحبہ صدر لجنہ کوٹ گھمن — 2 نغمانہ فاروق صاحبہ (بنگالہ)

3 نسیم اختر صاحبہ بنت چوہدری محمد حسین (مرحوم) — 4 غزالہ اختر صاحبہ (بھوڈی ملہیاں)

5 شمیم اختر صاحبہ بنت چوہدری محمد حسین (مرحوم) — 6 امتہ الندیم صاحبہ //

7 شفقت غلام حسین صاحبہ کوٹ گھمن نارووال — 8 حنیفاں بی بی صاحبہ //

9 منورہ شریف صاحبہ // — 10 بشریٰ بیگم صاحبہ //

11 سعدیہ غلام حسین صاحبہ // — 12 مہوش ناصر بیگم صاحبہ //

13 صغراں بی بی صاحبہ // — 14 کنیز جاوید اقبال صاحبہ //

15 مس بشریٰ لطیف صاحبہ (بدوملہی) — 16 روبینہ عباس صاحبہ (عہدی پور)

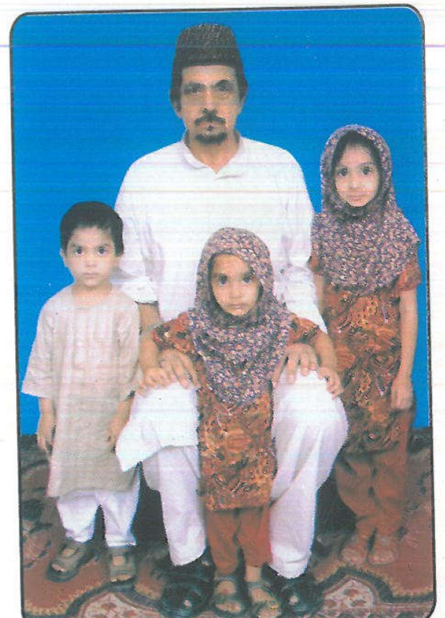
17 نذیراں بیگم صاحبہ (گدیاں) — 18 امتہ الودود صاحبہ (عہدی پور)

19 محمودہ بیگم صاحبہ (بھوڈی ملہیاں) — 20 حنیفاں بی بی صاحبہ (عہدی پور)

21 کلثوم فاروق صاحبہ (بھوڈی ملہیاں) — 22 عنبرین ناصر صاحبہ (عہدی پور)

23 شافعیہ عارف صاحبہ (بھوڈی ملہیاں) — 24 نسرین شاہد صاحبہ (ملہو کے)

25 عظمت ناہید صاحبہ (ملہو کے نارووال) — 26 حلیمہ بی بی صاحبہ //



شیخ بشارت احمد شاکر ہمراہ صمانہ شیخ، فریحہ شیخ، وجاہت احمد



عائشہ صدف، فارعہ صدف، عطیۃ الکریم




غزالہ ماریہ عمر 3 سال




دانیال احمد ابن عبدالشکور خان (نواسہ) مکرم محمد نواز مومن صاحب

27 صدر صاحبہ (میانہ پنڈ) بذریعہ مشترکہ لجنات 28 نصیرہ مصباح صاحبہ //

29 شیرازاں صاحبہ اہلیہ وحید احمد صاحب 31 کنیز نصر صاحبہ //

(تلونڈی بھنڈراں)

31 شاہدہ الیاس صاحبہ (عہدی پور) 32 امتہ المنیب بنت نصیر احمد //

33 عصمت فوزیہ صاحبہ // 34 عبدالحق پٹواری صاحب //

35 حاجی نصیر احمد // 36 فوزیہ تصور۔کلاس والا ضلع سیالکوٹ

37 محفوظ الحق صاحب امیر حلقہ ڈریانوالہ

احباب جماعت سے درخواست ہے کہ جو بھی میری اس کتاب کو پڑھے، میرے ان معاونین کے لئے جنہوں نے میری مالی کمزوری کی وجہ سے میری کتاب کی اشاعت سے قبل ہی میری مالی مدد کی اور کتاب چھپوانے میں میری مدد کی۔ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بھائیوں اور بہنوں کو دینی و دنیوی ترقیات عطا فرمائے، ان کی اولاد در اولاد کو نیک اور خادم دین بنائے، جو لوگ نرینہ اولاد سے محروم ہیں اللہ تعالیٰ انہیں نیک اور خادم دین اولاد عطا فرمائے اور ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول کے اور مالا مال کرتا چلا جائے۔ آمین (ثم آمین)

☆......☆......☆

# آخری گذارش

میں نے قبول احمدیت کے واقعات اور اپنی زندگی کے حالات اس لئے لکھے ہیں تا کہ بچوں کو اپنے خاندان کے بارہ میں علم ہو جائے کہ ہم ایک نئے خاندان سے احمدی ہوئے ہیں اور احمدیت کی مخالفت کی وجہ سے اپنا گاؤں چھوڑ کر ربوہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ہمارے بچے بچیاں ربوہ میں پیدا ہوئے ہمارے خاندان کے لوگ کہاں رہتے ہیں اور کس طرح کے تھے۔دوسرا یہ کہ ان کو علم ہو جائے کہ ہمارے والدین نے بغیر سوچ سمجھے ہی احمدیت قبول نہیں کر لی تھی۔احمدیت قبول کرنے سے پہلے قرآن کریم اور حدیث نبویہ کا مطالعہ کر کے آپ کی صداقت معلوم کرنے کی کوشش کی تھی اور خدا تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کی تھیں اور خوابوں کے ذریعہ بھی خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کے امام مہدی ہونے کے متعلق آگاہ کر دیا تھا۔کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امام مہدی ہیں۔تو احمدیت قبول کی تھی۔احمدیت قبول کرنے کے بعد کن کن مشکلات اور ابتلاؤں سے گزرنا پڑا اور مشکلات اور ابتلاؤں سے گزرنے کے بعد اور ثابت قدمی دکھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے کس طرح فضل عطاء ہوئے۔تا کہ میری اولاد در اولاد ہمارے حالات پڑھ کر ابتلاؤں میں ثابت قدم رہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کرتے رہیں۔اس کے علاوہ ہمارے دوسرے رشتہ دار غیر از جماعت اور دوسرے لوگوں کو میرے حالات پڑھ کر احمدیت قبول کرنے کی طرف توجہ ہو۔کہ احمدیت قبول کر کے ابتلاؤں سے گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے تا کہ وہ احمدیت قبول کرنے کے قریب ہو جائیں۔

پھر باوجود کم علمی کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے کس طرح دینی علم عطا فرمایا۔اور خدمت دین کے لئے میری طاقت کو بڑھا دیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخالفین کے اعتراضوں کا علمی اور عقلی طور پر جواب دینے کی توفیق ملی۔



حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''صرف زبان سے کہہ دینا کہ میں نے بیعت کر لی ہے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔جب تک عملی طور سے کچھ کر کے نہ دکھایا جائے۔صرف زبان کچھ نہیں بنا سکتی''۔(ملفوظات جلد نمبر 5 صفحہ 453)

اس لئے میں احمدی احباب کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جب تک ایمان لانے کے بعد اس تعلیم پر عمل نہ کریں گے جو حضرت نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی جس کو حضرت مسیح موعودؑ نے دوبارہ اصلی حالت میں پیش کیا ہے تو حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لانے کا اصل فائدہ نہیں ہو سکتا۔وہ صرف اس لئے نہیں آئے تھے کہ لوگ ان کو مان لیں اور ان کی دنیا میں شان و شوکت بڑھ جائے بلکہ وہ تو عملی طور پر دوبارہ دنیا میں دین کو قائم کرنے کے لئے آئے تھے۔ان پر ایمان لانے کا اصل فائدہ ان لوگوں کو ہو گا جو ایمان لا کر عملی طور پر بھی دین کے مطابق زندگی بنائیں گے۔میں اپنی اولاد کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا افضل ہے کہ اس نے ہمیں حضرت نبی کریم ﷺ کے نائب امام مہدیؑ پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔آپ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمارا صرف ایمان لانا ہی کافی تھا۔ایمان لانے کا پھر ہی فائدہ ہو گا جب ہم ان کی تعلیم پر عمل کریں گے۔

تعلیم کا علم تب ہی ہو سکتا ہے کہ آپ بار بار حضرت مسیح موعودؑ کی کتابیں اور خلفاء کی کتابیں پڑھیں۔حضرت صاحب کے خطبات باقاعدگی سے سنیں تا صداقت علمی طور پر بھی آپ پر ظاہر ہو جائے۔اور آپ کا یقین بڑھتا رہے اس کے علاوہ میری لکھی ہوئی کتاب کو بھی پڑھا کریں اس سے بھی آپ لوگوں کا ایمان بڑھے گا اور آپ مضبوطی سے اپنے ایمان پر قائم رہ سکیں گے۔ابھی تک ابتلاؤں کا زمانہ ہے۔بار بار جماعت پر ابتلاء آرہے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ احمدیت کی ترقی کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''سچائی کی فتح ہوگی۔اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن

آئے گا۔ جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے۔ اور وہ آفتاب پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھا تھا۔ لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رکھے۔ جب تک محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں۔ اور اپنے سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے کھو نہ دیں۔ اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کرلیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے۔ ہمارا اسی راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے"۔ (فتح اسلام صفحہ 14)

اسی طرح فرماتے ہیں۔

"دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ درد جس سے خدا راضی ہو اس نفرت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے۔ اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو۔ جو خدا کے غضب کے قریب کرے۔ اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور کوئی دشمن تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر۔ اپنی عزت چھوڑ کر اس کی راہ میں تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر تم تلخی اٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آ جاؤ گے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے"۔ (الوصیت صفحہ 7)

پھر خوشخبری دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کردے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج



ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے۔ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا۔ اور ہر ایک طرف اس کی شاخیں نکلیں گی۔ اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعویٰ بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلاء میں لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچائے گی۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے۔ اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھہ کریں گی اور دنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی۔ وہ آخر فتحیاب ہوں گے۔ اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع کردوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے"۔ (الوصیت صفحہ 9)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اولاد در اولاد کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق وصادق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جو امام مہدی مسیح موعودؑ کے رنگ میں اس زمانہ کے لوگوں کی ہدایت کے لئے آئے ہیں۔ اور ان کے خلفاء کے ساتھ وابستہ رہنے کی توفیق دے۔ اور ہر آن اطاعت اور محبت میں بڑھتے رہیں اور کسی ابتلاء کے وقت اپنے ایمانوں پر مضبوطی سے قائم رہیں اور ہمارے دوسرے خاندان کے لوگوں کو احمدیت کے نور سے منور فرمائے، میری اس کتاب کو نافع الناس بنائے اور جن لوگوں نے میری کتاب کے

چھپوانے میں مدد کی اللہ تعالیٰ ان پر اوران کی اولادوں پر دینی دنیوی برکات نازل فرمائے۔
آمین اور خاتمہ بالخیر کرے۔آمین

راقم الحروف کے اپنے خاص فضل سے گناہوں کو معاف کرتے ہوئے۔اپنی رضا کی راہوں پر چلنے اور ایسی حالت میں اس دنیا سے لے جائے۔کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور جب تک میں زندہ رہوں احمدیت سے وابستہ رہنے اور خلافت کے ساتھ وابستہ رہنے کی توفیق دے اور اطاعت اور فرمانبرداری کی زندگی عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆......☆......☆